احتسابِ رازی

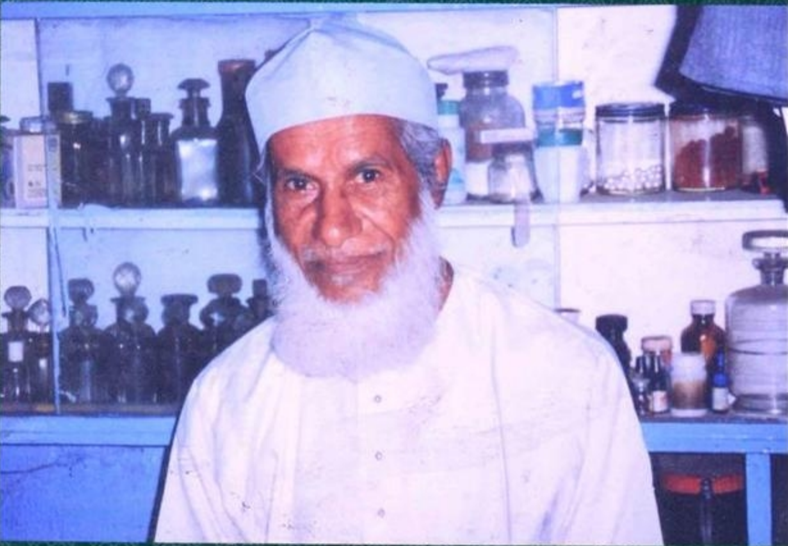

مرتب

ذاکر عثمانی راویری

احتسابِ رازؔی

کتنی مشکلیں جھیلیں ، کتنے کوہ کاٹے ہیں
ہم نے شام کو اپنی تب سحر بنایا ہے
(حکیم رازؔی)

مرتب
ذاکرؔ عثمانی راویری

ناشر
اصول پبلی کیشنز، پونے

دکن مسلم انسٹی ٹیوٹ، پونہ

(پبلک لائبریری اینڈ فری ریڈنگ روم)

خان بہادر ہدایت اللہ روڈ، ۲۳۹۰/ بی نیو مودی خانہ، پونہ ۴۱۱۰۰۱

سپاس نامہ

جناب حکیم محمد رجب رازی ادیبی

آپ کی ادبی خدمات کے اعتراف میں دکن مسلم انسٹی ٹیوٹ پونہ آپ کو یہ سپاس نامہ دینے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ ہمیں آپ کی خدمات پر ناز ہے۔

عابدہ انعامدار
صدر

ایس۔ ایم۔ خان
سیکریٹری

قاضی مشتاق احمد
چیرمین کلچرل کمیٹی

عبدالمجید سروؔر - مالیگاؤں

سنگ و آہن - صحت مند شعری تصنیف

اُردو زبان اور شاعری پر مرحوم مولانا ماؔہر القادری کو سند اور اتھاریٹی کا مرتبہ حاصل ہے۔ انھوں نے اُردو غزل کے تعلق سے لکھا ہے ''اُردو غزل اگرچہ فارسی سے اُردو والوں کو ملی ہے، مگر آج اُردو غزل اس مقام تک آ پہنچی ہے جس کا تصور بھی فارسی والے نہیں کر سکتے۔''

اُردو غزل کا پورا ڈھانچہ اور بڑی حد تک زبان بھی فارسی سے مستعار ہے۔ گل و بلبل، رند و میخانہ، خم و خمخانہ، شمع و پروانہ، رندی و رند مشربی، خار مغیلاں، دشتِ وحشت، رُخِ زیبائے ناز، ہجر و فراق، محرومی و ناکامی، عشوۂ غمزہ، ادا، زندانِ یاس، رقیبِ روسیہ جیسے بے شمار شعری الفاظ و ترکیبیں، تشبیہ و استعارات تک اُردو غزل میں فارسی سے آئے ہیں لیکن بحیثیتِ مجموعی اُردو کا مزاج ہندوستانی ہے ...... ہندو دھرم کے ہزاروں برس پرانے بھگتی بھجنوں میں دیوتاؤں کو پرسن اور خوش کرنے کے لیے، تال اور سروں کو بنیادی اہمیت حاصل رہی ہے۔ سات سُروں کو بنیادی اہمیت حاصل رہی ہے۔ سات سُروں کی محدود کائنات میں سیکڑوں راگ راگنیوں کا وجود اس کی خصوصیت میں سے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نغمہ و غنائیت ہندوستانی شاعری کا خاصہ رہے ہیں۔ یہی وہ ماحول تھا جس میں اُردو نے آنکھیں کھولیں اور غزل نے اپنے اثرات پھیلائے۔ اسی ہندوستانی مزاج کے رُلنے ملنے سے اُردو غزل میں ہندی بحور و اوزان کو راہ ملی۔ فاعلاتن، مفاعلن، فعلن کے علاوہ اُردو غزل میں سنسکرت پنگتیوں کو بھی محبوبیت کا درجہ ملا ہے۔

زیرِ نظر مجموعۂ کلام 'سنگ و آہن' کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ سنگ و آہن کا شاعر اس مشرقی تہذیب اور ہندوستانی روایات کو پوری سلاست، سادگی اور روانی کے ساتھ اُردو غزل میں سمو دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

روایت کے مطابق سنگ و آہن کا آغاز حمد سے ہوتا ہے۔ قدیم اُردو دواوین اور اکثر نئی
شعری تصنیفات میں اس کا التزام پایا جاتا ہے۔ جدید شعرا نے اس صنف کو جو اصلاً غزل کی ہی
صنف ہے، انوکھے ڈھنگ سے بات رکھنے کے لیے استعمال کیا ہے۔ لیکن حکیم رازؔی نے مکمل
روایت اور زبان کی پابندی کرتے ہوئے نہایت پاکیزہ حمد سے مجموعے کا آغاز کیا ہے۔

قرآن میں کہا گیا ہے کہ آج کے دن میں نے تمھارے لیے دین کو مکمل کر دیا اور یہ کہ میں نے تم پر اپنی تمام نعتیں اُتار دی ہیں۔ حکیم صاحب اس بنیادی نکتے کو پوری طرح سمجھ کر کہتے ہیں اور کیا خوب پیرائے میں کہتے ہیں ۔

زمانے میں ہر شے کی تکمیل تجھ سے　　تو رَہرو ہے ، رستہ ہے، منزل نما ہے

عربی نعت کے یہ چار مصرعے عام ہیں ۔

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ　　کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ　　صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ آلِہٖ

ان چاروں مصرعوں پر حکیم رازؔی کی طباعی نے جو مصرعے پہنچائے ہیں اس نے ان مصرعوں کی بلاغت میں مزید اضافہ کر دیا ہے ۔

تو ہی ہر چمن کی بہار ہے　　بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ
کہ خدائی تجھ پہ نثار ہے　　کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ
سرِ حشر سب کا قرار ہے　　حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ
تو ہی عاصیوں کی پکار ہے　　صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ آلِہٖ

غزل ڈاکٹر یوسف حسین خاں کے الفاظ میں محبوب سے گفتگو کا نام ہے لیکن اس میں بھی شاعر کے ذاتی تصورات و رجحانات کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ وارداتِ قلبی اور معاملہ بندی طویل عرصے تک اُردو شاعری کا طغرائے امتیاز رہے ہیں۔ ظاہر ہے، یہ حرفِ داخل کی آئینہ بندی ہے۔ خارج سے اس کا تعلق اگر ہے بھی تو واجبی سا۔ لیکن جس عہد میں سنگ و آہن کے شاعر نے یقین و اعتماد کے ساتھ اپنا مجموعہ پیش کیا ہے وہ انسانی افکار و خیالات اور شخصیتوں کی شکست و ریخت اور بکھراؤ کا عہد ہے۔ اس عہد نے انسان کے ہونٹوں سے ہنسی چھین کر اسے مجبور بنا کر رکھ دیا ہے۔ اگر ان حالات میں کہیں خوش حالی کے ثمرات ملے ہیں تو اس کا حال کیا ہے، یہ حکیم رازؔی سے سنیے!

تعمیرِ چمن کا شور ہے، لیکن کیا اس تعمیر میں دل بھی شامل ہیں۔

مغموم بہاروں پر ہنستی نہ خزاں ہرگز　　　کرتے جو چمن والے تعمیرِ چمن دل سے

مگر کیا یہ سب صرف تنقیدوں کا ہی ہدف بنائے جاسکتے ہیں کیا دل کی گرہ بلا ناخنِ تدبیر استعمال کیے کھل سکتی ہے؟ کیونکہ وہ۔

کھلتی ہے گرہ دل کی ہنگامۂ ہستی میں　　　طوفان کا اندازہ، ہوتا نہیں ساحل سے

طوفان سے لڑنے میں ہی ساحلِ عشرت کی اہمیت ہے، انسان اگر فردوسِ مسرت کا جویا ہے تو انھیں ان مراحل کا بھی استقبال کرنا ہوگا۔

فردوسِ مسرت کی تحصیل نہیں آساں　　　دنیا کو گزرنا ہے دوزخ کے مراحل سے

دوزخ کے یہ مراحل کیا ہیں؟ حکیم صاحب کہتے ہیں۔

نظر میں قہر، دل میں مکر، خنجر آستینوں میں　　　وفا معدوم ہوتی جارہی ہے ہم نشینوں میں

یہ اپنے عہد کا اتنا زبردست مرثیہ ہے جسے سنگ و آہن کے شاعر نے سادگی سے بیان کردیا ہے۔ ایلیٹ کہتا ہے:

'It is a fidelity to think and feel, some poets only think, others, also feel. Their thoughts are their experiences.' (selected essay)

''سوچنا اور محسوس کرنا عام بات ہے۔ کچھ شاعر صرف سوچتے ہیں، دوسرے محسوس بھی کرتے ہیں۔ ان کے خیالات دراصل ان کے تجربات ہوتے ہیں۔''

سنگ و آہن کا شاعر دونوں صفات سے متصف ہے۔ وہ اپنے دلِ بے مدعا کے لیے حیران ہے کہ اسے کہاں رکھے۔

میں رکھوں تو کہاں رکھوں دلِ بے مدعا یا رب
نہ وسعت آسمانوں میں، نہ گنجائش زمینوں میں

بارش کے چھینٹے ٹھنڈک پہنچاتے ہیں اور غم ایسی آتش ہے جو اندر ہی اندر سوختہ کرتی رہتی ہے۔ اس کا نتیجہ آہیں اور آنسو ہیں۔ حکیم رازؔی نے ایک سادے سے شعر میں اس کی جو منظرکشی کی ہے وہ قابلِ لحاظ ہے۔

مرے غم کا مداوا اور ان کی آنکھ میں آنسو
کہ جیسے لگ گئی ہو آگ بارش کے مہینوں میں

اس غزل کے مقطع میں حکیم رازؔی نے غزل کے روایتی لفظوں میں حسن کارانہ انداز میں اپنے بارے میں کہا ہے ۔

وفاؤں کی عنایت سے جنوں کی مہربانی سے　　خدا رکھے بہت مقبول ہے رازؔی حسینوں میں

رازؔی صاحب اپنی مقبولیت کے راز کو شریفانہ صفات کا نتیجہ بتا کر قاری کے سامنے وفا اور جنوں کی عظمت واضح کر کے اُسے اسفل کی طرف یا سطحی مفہوم کی طرف نہیں لے جاتے بلکہ اسے ایک باوقار اور وفا شعار شخصیت کے رچاؤ کی ترغیب دیتے ہیں۔ غزل کا یہ روپ بھی بڑا البیلا ہے۔

غزل میں، خاص کر نئی غزل میں شاعر کے ذاتی رجحانات و اصول اور ایک خاص حد تک وارداتِ قلبی کے اثرات کو چشمِ تر سے دیکھا جا سکتا ہے۔ فی زمانہ نقالی اور فیشن گزیدہ، شاعری کا شور ہے، کئی شاعر سنی سنائی باتوں، یا کسی کی کہی ہوئی باتوں کا چربہ اُڑا کر شعر میں ڈھالتے ہیں، یہ حقیقی شاعری نہیں ...... کار لائل نے کہا ہے: ''ادب شاعری کے ساتھ دو قسم کا ہوتا ہے، ایک حقیقی آواز اور دوسرا صدائے بازگشت۔'' حکیم رازؔی کی شاعری ان کی اپنی حقیقی آواز ہے۔ یہ نہ تو نقالی ہے، نہ صدائے بازگشت، نہ یہ فیشن گزیدہ ہے، نہ کسی کا چربہ۔ وہ پوری طرح غزل کی روایت کو سنبھالے ہوئے، بااصول شخصیت ہونے کے لازمی تجربات کو اس سادگی سے بیان کرتے ہیں ۔

حقیقتوں کی یہ تلخی ، اُصول کی سختی　　کوئی بھی ہو نہ سکا مل کے شادماں ہم سے

کہیں اس قسم کے شعر بھی مل جاتے ہیں، مگر ان کی حیثیت احاد کی ہے۔ اس لیے ان سے حکیم رازؔی کے کلام اور مقام کو سمجھنا بڑی غلطی ہوگی۔ وہ کہتے ہیں ۔

ماہ و انجم بوقتِ عزمِ سفر　　میری راہوں کی دھول ہوتے ہیں

یہ شعر بڑے تکلف سے کہا گیا ہے۔ جبکہ جگرؔ نے اس مفہوم کی ادائیگی کا حق ادا کر دیا ہے۔ یہ بھی غزل کا شعر ہے ۔

یہ مہر و ماہ، مرے ہم سفر رہے برسوں　　پھر اس کے بعد مری گرد کو بھی پا نہ سکے

انسان کا سب سے بڑا سرمایہ اور رشتہ، درد کا رشتہ ہے۔ سوز و درد و داغ نہ ہو تو خونی رشتے بھی باطل ہیں ۔

دردمندی کے ما سوا رازؔی　　سارے رشتے فضول ہوتے ہیں

ایک وقت وہ بھی آتا ہے جب ستاروں کی چمک سے چوٹ پڑتی ہے، دردمندی کے اس

رشتے کے سوا اپنا سایہ بھی گریزاں ہوتا ہے۔ ایسا کب ہوتا ہے جب انسان کی غربت نصف النہار پر ہوتی ہے۔ اس سے پہلے تو لوگ غلط فہمیوں کے باعث کسی نہ کسی درجے میں غربت کو انگیز کرر ہے ہوتے ہیں، لیکن جب یہ روشن ہوتی ہے تب شاعر ایک تجربہ، ایک مشاہدہ کتنے حسین پیرائے میں پیش کرتا ہے ۔

سایہ ہمارا ہم سے گریزاں ہے آج بھی　　ہم کو بتا رہی ہے ، یہ غربت کی دوپہر

یہی وہ مقام ہوتا ہے جہاں دل کی طرف راہیں پھوٹتی ہیں۔ صالح فکر انسان آزمائش کی اس سختی سے یقین کا ترانہ، نئی لے میں گنگناتا ہوا اُٹھتا ہے اور کارگاہِ عمل میں ڈٹ جاتا ہے ۔

خیالِ خام سے کہہ دو ، نہ آزمائے مجھے　　یقیں کی لے میں ترانہ نیا سنائے مجھے

اسی مقام پہ کسی کامل کا مِل جانا انساں کی نجات کی راہ پہ چلنے کے گر سکھا دیتا ہے ۔

عطائے شیخ پہ نازاں ہوں، کیوں نہ میں رازؔی
رہِ نجات پہ چلنے کے گر سکھائے مجھے

آج کا انسان جب اپنی دن بھر کی مصروفیتوں کے بعد نڈھال ہوکر گھر لوٹتا ہے تو گھر میں بھی وہی ملتا ہے، جو باہر پاتا ہے، اس کی اس طرح ہر صبح ایک نئے آبروکش ماحول میں طلوع ہوتی ہے۔ شرافت اور شریف ، دو الگ معنی رکھنے والے لفظ ہیں۔ شرافت کے معنی تو آج بھی لغت میں وہی ہیں لیکن نئے عہد کے شریفوں کا چلن اور ہی کچھ ہے ۔

آبرو بہہ رہی ہے پانی میں　　ہائے اس دَور کے شریفوں کی

پانی بھی کیا ...... کیا یہ عرقِ انفعال ہے یا آتشِ سیّال؟ یہ موضوعِ بحث اور محلِ نظر ہے۔

پوپ نے کہا ہے کہ اسلوب خیال کا لباس ہے، مگر سچ تو یہ ہے کہ مکمل شاعر کی پہچان اور اس کی عظمت کی علامت یہ ہے کہ اس کا خیال اور اسلوب دونوں اچھوتے ہوں۔ حکیم رازؔی کے سنگ و آہن میں کہیں کہیں اس نخلستان کی نمود بھی پائی جاتی ہے، ایک اچھوتے خیال کو، جس اچھوتے انداز میں انھوں نے ذیل کے شعر میں سمو دیا ہے وہ اس کی خوبصورت مثال ہے ۔

سختیٔ فطرت عطا کی سنگ و آہن کے لیے　　پھول کو بخشی لطافت ، شمع کو سوز و گداز

پھول کی لطافت، شمع کے سوز و گداز کے بعد سنگ و آہن کے لیے سختیٔ فطرت کی ترکیب سے شاعر نے جو رنگارنگی میں یک رنگی دِکھائی ہے وہ شاعرانہ خلاقی سے کم نہیں۔ اسی طرح انسانی

فطرت کا یہ پہلو بھی کس قدر جانا پہچانا ہے، انسان بالعموم دشمن کے لیے سخت ہوتا ہے لیکن حکیم رازؔی نے ایک اور ہی زاویے سے اس گوشے کو متحد کیا ہے ۔

ہے وہی دستور میرا اپنے دشمن کے لیے   دوستوں کے واسطے ہوتا ہے، جو حسنِ سلوک

اردو ادب و شاعری میں کم و بیش نصف صدی سے نظریاتی شاعری پر مخالف و موافق بحثیں جاری رہیں۔ پچیس سال قبل ان بحثوں میں ایک اور گروہ شامل ہوگیا جس نے ادب کی اور شاخیں نکالیں، ادب کو جدید و قدیم خانوں میں تقسیم کردیا۔ بورژوا اور پرولتاری کی اصطلاحات کے بعد ٹوٹ پھوٹ، بکھراؤ، کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔ اور ایلیٹ کہتا ہے کہ شاعری کا شور اُٹھا۔ شروع میں یہ ایک بونڈر (سائیکلون) کی طرح اُٹھا، چاروں دِشاؤں کی ہوائیں چکراتی ہوئی مٹی کو دور اوپر آسمانوں پر لے گئیں اور پھر اب یہ بونڈر تھک کر بتاشے کی طرح بیٹھ رہا ہے۔ فطرتِ سلیم اسے قبول کرنے سے اِبا کررہی ہے۔

ادب اور شاعری کے یہ تراشیدہ اصنام، انسانی فطرت کی ضربِ کلیم سے پاش پاش ہورہے ہیں۔ اب حقیقت اور بھی نکھر کر سامنے آرہی ہے۔ ادب ہو یا شاعری نہ یہ بورژوا ہے نہ پرولتاری نہ یہ نارسائی اور نہ آسودگی کی غیر صحت مند قدروں کا مرثیہ ہے۔ ادب کی دو ہی قسمیں ممکن ہیں؛ صحت منداور مریضِ ادب۔ صحت مند ادب وہ ہے جن میں بنیادی انسانی اخلاقیات کے فروغ کے امکانات ہوں، یہ اقدار نظریات کی طرح ایسا خول نہیں ہیں جنھیں اوپر سے اوڑھ لیا جائے۔ یہ انسان کی اپنی فطرت کی دین میں جو بے ساختگی سے اپنی صحت مند شعاعوں سے انسانی سماج کو منور کرتی رہتی ہیں، اس کے لیے کسی کاوش، کسی کوہ کنی کی ضرورت نہیں۔ یہ انسان کی متاعِ گم شدہ ہے جہاں ہاتھ آتی ہے فوراً پہچان لی جاتی ہے۔

مریضِ ادب وہ ہے جو تمام بنیادی انسانی اخلاقیات کو پامال کرتے ہوئے ایسی چیزیں سامنے لاتا ہے جن سے حیوانی جذبات اور جنگل کے وحشیوں کی نمائندگی ہوتی ہے۔ وہ امرءالقیس کا قصیدہ ہو، اُردو کی انگیا چوٹی کی شاعری ہو، 'سالا ہم سے رباب کرتا ہے' والا پرولتاری ادب ہو، یا ذات میں سمٹ جانے والا، ٹوٹ پھوٹ اور بکھراؤ والا ادب ہو۔ ادب وہی باقی رہتا ہے جو صحت مند ہو، اس کائنات کا مزاج ہی اس قسم کا ہے کہ یہاں وہی شے باقی رہتی ہے جو اصلح ہوتی ہے۔ حکیم رازؔی کی شاعری، زبان و بیان کے اعتبار سے روایت کی ہم عناں ہے۔ سلاست اور روانی اس

کی بنیادی خصوصیات ہیں لیکن ان میں کہیں سطحیت ، غیر صحت مند یا مریض عناصر نہیں پائے جاتے۔ سنگ و آہن کا بنیادی وصف یہی ہے کہ شروع سے آخر تک اس میں کہیں، ان اقدار کا شائبہ تک نہیں ملتا جو تخریبی یا سوقیت کی نمائندہ ہوں۔ یہ ایک صحت مند پیش کش ہے۔

اوپر مَیں ان کی مثالیں پیش کر چکا ہوں ...... آیئے! اس پہلو سے بھی سنگ و آہن کا مزاج اور نبض دیکھتے چلیں۔ غالبؔ کو تنگنائے غزل کی شکایت تھی لیکن آج کی غزل ہر قسم کے مفہوم کو پوری توانائی سے پیش کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ پھر غزل کی غزل بھی رہتی ہے۔

زندگی میں حسن اور رونق نیکیوں اور سچائیوں سے ہے۔ خبیث نظریات و تصورات نے انسان کی زندگی کو ہر لمحہ بڑھتے ہوئے خطروں کی نذر کردیا ہے۔ برے لوگ نیکی کے نام پر اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے انسانوں کا استحصال کر رہے ہیں لیکن نیکی اور نیک لوگ منتشر ہیں، منظم نہیں۔ ورنہ یہ استحصالی طبقہ اتنی خباثت نہ پھیلا سکتا تھا۔ ضرورت ہے کہ زندگی کو اس کا آئینہ دِکھا دیا جائے ۔

ایک ہوجائیں گے ، اور نیک بھی سارے رازیؔ
آئینہ زیست کا دنیا کو دِکھاؤ تو سہی

فریب کاری ، دھوکہ دہی، ملمع زدہ کردار انسانی معاشرے کو مسلسل نقصان پہنچا رہے ہیں۔ نیک سرشت اور خوش کردار لوگ ڈرے سہمے گوشے میں چھپے بیٹھے ہیں۔ جانے کونسا خوف انھیں میدان میں آنے سے روک رہا ہے لیکن اس ڈر کی وقعت کیا ہے۔ یہ سنگ و آہن کے شاعر سے پوچھیے یا سنیے ۔

وفا سرشت ہے اپنی ، خلوص فطرت ہے　　　مجال کیا ہے ، زمانہ نظر ملا کے چلے

وفا سرشتوں کے لیے بالکل غزل کے پیرائے میں حکیم رازیؔ نے جس صحت مند نکتے کی ترغیب دی ہے۔ کیا وہ مؤثر نہیں؟ تخریب کاری آج کے نظریات اور مسخ شدہ انسانی فطرت کے سبب عام ہوچکی ہے۔ آج ہیروشیما، ناگاساکی ہی نہیں، بھیونڈی، ٹھانہ اور ممبئی کی آباد اور گل وگلزار بستیاں پلک جھپکتے ہی تخریب کا نشانہ بن جاتی ہیں اور جب یہ اُجڑ جاتی ہیں تو انسان اسے پھر سے آباد کرلیتا ہے۔ کیوں، سنیے ۔

بستیاں آباد کرتا ہے ، مٹانے کے لیے　　　کس قدر تخریب سے مانوس انساں ہوگیا

بلند بانگ دعووں اور انسان دوستی کے نعروں کے درمیان جنم لینے والی تہذیب نے جینے کے اسباب چھین لیے ہیں۔ مرنے کے ہزاروں دروازے کھلے ہوئے ہیں اس تہذیب سے حکیم رازؔی اس طرح نفرت دلاتے ہیں، یہ طنزیہ اندازِ بیان، غزل کے دو مصرعوں میں دیکھیے ۔

داد کے قابل ہے یہ تہذیب کا لطف و کرم　　　موت سے پہلے ہی مرجانا اب آساں ہوگیا

تہذیب کا یہ 'لطف و کرم' ہی کیا کم تھا کہ 'چارہ سازانِ حیات' بھی ان کے ہم رکاب ہوگئے ۔

جان کے دشمن ہیں ، رازؔی چارہ سازانِ حیات
ہم یہ سمجھے کلفتِ ہستی کا درماں ہوگیا

اس کے باوجود شاعر یہ حوصلہ دلاتا ہے، غم اُٹھانے کی طاقت پیدا ہوجائے تو زندگی اس کے ساتھ چلے ۔

غم اُٹھانے کی تھی جس میں طاقت　　　ساتھ اُس کا دیا زندگی نے

انسان پرایوں کے زخموں اور اس کی جراحت بھول جاتا ہے۔ اندمالِ زخم کے بعد زخموں کے نشانات باقی رہتے ہیں۔ حافظہ ان کو کھرچ ڈالتا ہے مگر جو زخم اپنوں سے ملتے ہیں وہ اندمال کے بعد بھی محفوظ رہتے ہیں۔ یہ ایک عام تجربہ ہے جس سے تمام انسانی معاشرہ دوچار ہوتا رہتا ہے۔ اس تلخی پر اپنے شعر سے حکیم رازؔی جو شبنم برساتے ہیں وہ اس شدید درد کو گوارا بنا دیتا ہے ۔

ہمارے دل میں جو اپنوں کے داغ ہیں محفوظ　　　بجھے بجھے ہیں ، مگر سب چراغ ہیں محفوظ

بلند و بانگ دعوے اور اونچی باتیں، آج کے کارپردازانِ حیات کا مشغلہ ہیں۔ رازؔی اس نقاب کو یوں اُٹھاتے ہیں ۔

اس کاوشِ گفتار کا انجام بھی سن لو　　　بادل جو گرجتے ہیں وہ برسا نہیں کرتے

نامساعد حالات، مشکلات و مصائب میں گھرے ہوئے انسانوں میں حوصلہ اور زندگی کی لہر پیدا کرنا اور انھیں یہ بتانا ضروری ہے کہ اصل میں تمھارا اپنا ہی ہاتھ کارکشا اور کارساز ہے۔ مصافِ زندگی سے فرار نہیں، جم کر معرکہ آرائی ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی فطرت کے جوہر بخشے ہیں۔ انسان رستہ بھی ہے منزل بھی ہے ۔

کیسی تھکن ؟ کیا ناکامی ؟　　　رستہ ہم ہیں ، منزل ہم

تغزل، غزل کی بنیادی خصوصیت ہے۔ روایتوں اور غزل کے خاندان سے الفاظ لے کر

محبوب کے سراپا، اس کے ناز وادا کی پیکر تراشی، فنی پختگی کی علامت ہے۔ اس صنف میں بھی سنگ و آہن میں بکثرت ایسے اشعار مل جاتے ہیں جنھیں نقالی اور اندھی تقلید تو نہیں کہا جاسکتا، روایتوں کا احترام ضرور قرار دیا جاسکتا ہے۔

محبوب کے ہونٹوں کو میرؔ نے گلاب کی پنکھڑی سے تعبیر کیا ہے، حکیم رازیؔ، ہونٹوں کی لکیر دیکھ کر زخم دل کی تازگی کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ انتقالِ ذہنی، تشبیہ کا حسن اور غزل کا رنگ خوب رچا ہوا ہے۔

جانے کیا کیا رنگ لائے تیرے ہونٹوں کی لکیر
دیکھ میرے زخمِ دل پر تازگی بھی آ گئی

اُردو غزل کا اصل مخاطب محبوب ہے اور دل کو اس میں مرکزیت ہے۔ دل و نظر کے معاملات سے غزل کا یہ روپ تشکیل پاتا ہے۔ اُردو کا شاعر ہمیشہ محبوب کا شکوہ کرتا ہوا پایا گیا ہے۔

دل نے ہر پہلو سمجھایا ، نظروں نے سب حال کہا
پھر بھی تم نے بات نہ پوچھی پھر بھی تم خاموش رہے

کوچۂ جاناں، اگر کوچۂ رقیب بھی ہو تو اُردو غزل کا مَیں ، اس میں بھی سر کے بل جاتا ہے اور جب کوچۂ جاناں صرف کوچۂ جاناں ہی تو والہیّت کا عالم غالباً یہی ہوتا۔

سر کے بل کوچۂ دلدار میں جاتا رازیؔ   اس کا گھر خلد نہ ہوتا بھی تو مقتل ہوتا

غزل کی موجودہ ہیئت، صدیوں کے تعامل کے بعد ہنوز اپنی جگہ قائم ہے۔ اس دوران میں بہت سارے تجربات کیے گئے لیکن جو مقبولیت اسے حاصل ہے وہ تجربات کے حصے میں نہیں آئی۔ شاعری میں اگر نری ہیئت ہی ہیئت ہو، اور مضامین اور طرزِ اظہار میں تازگی نہ ہو تو پیکر تراشی ممکن نہیں۔ چورن، منجن بیچنے والے کی صدائیں شاعری نہیں۔ اگرچہ یہ بھی موزوں مصرعوں میں ہی لکھے جاتے ہیں۔

سجاد ظہیر کہتے ہیں: ''سوال یہ ہے، شعر یا شاعری کیا ہے، ظاہر ہے شعر کی ہیئت تو وہ جسد ہے، جس میں شاعر کی روح ہوتی ہے۔ اگرچہ جسد بغیر شعر کی روح کے ہو تو شعر ہو نہیں سکتا۔ ہمارے ہاں اسی کو تک بندی کہتے ہیں۔''

شعر کی ہیئت کی اہمیت اسی وقت تک ہے جبکہ وہ شاعری کی روح کے ساتھ وابستہ ہو۔ شعر

کے الفاظ و معنی، فنی تخلیق کا وہ خام مسالہ ہیں جن سے کہ ایک شاعر ایسے نئے اور نایاب حسین اور لطیف پیکر کی تخلیق کرتا ہے جو ہمارے ذہن اور احساسات و جذبات اور شعور پر ایک خاص قسم کا اثر ڈالتے ہیں۔ شاعر کی منطق، نثر کی منطق سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ وہ مختلف علامتوں، تشبیہوں اور استعاروں کے وسیلوں سے ایک مصوّر، سنگ تراش یا معمار کی طرح ایسی دلآویز تخلیق کرتا ہے جو ہم میں انبساط و سرور کی کیفیتیں پیدا کرتا ہے۔''

نئی غزل، اپنی ہیئت، اسلوب، شعری لفظیات کے علاوہ عصری تقاضوں اور عصری احساسات کو جس خوش اسلوبی سے اپنے اندر سمو چکی ہے، سنگ و آہن کی روایتی غزل میں بھی اس کی مثالیں بکھری ہوئی ہیں۔

موسمِ بہار کو آزادی مان لیجیے، گلشن پورا ملک ہے اور سب برادریاں یہاں کے پھول ہیں لیکن حال کیا ہے ...... کوئی مطمئن نہیں ...... سب غمگین، سب اُداس ہیں۔ اس عصری مسئلے کو رازی نے دو مصرعوں میں مرتسم کر دیا ہے ؎

میں موسمِ بہار پہ کیا تبصرہ کروں | گلشن میں پھول پھول کا چہرہ اُداس ہے

تعمیر و ترقی دو عصری لفظ ہیں۔ آج کی دنیا اس کو کثرت سے استعمال کرتی ہے۔ اس کے پیچھے کیا جذبہ ہے، سنیے ؎

ہوئے پھول غارت، نشیمن ہے ویراں | یہ کیسی ترقی ، یہ تعمیر کیا ہے ؟

وفا اور رشک، غزل کے لفظ ہیں۔ ان لفظوں کے سہارے سنگ و آہن کا شاعر، جس حقیقت کی طرف توجہ کھینچ لے جاتا ہے کیا وہ فن کا اعجاز نہیں ؎

ہماری وفاؤں پہ مشکوک نظریں | یہ اہلِ سیاست کی تقریر کیا ہے

مطالعے کے دوران جو احساسات و خیالات سامنے آئے، ایک طالب علم کی طرح اُسے حاصلِ مطالعہ کی طرح پیش کر دیا ہے۔ ۲۳ × ۱۸ کے ۱۲۸ صفحات پر مشتمل سنگ و آہن، کتابت، طباعت کے حسن کے علاوہ خوبصورت گٹ اپ بھی رکھتی ہے۔ اکبر مرزا کی کتابت شباب پر ہے، آفسیٹ کی طباعت اور اعلیٰ گلیز کاغذ نے اور وقار بڑھا دیا ہے۔ کتاب کی ابتدا میں حکیم شاعر کے عنوان سے شاعر کے استاد ادیبؔ مالیگانوی نے اپنے شاگردی کی شاعری اور ان کے کردار کو سراہا ...... 'قولِ سدید' کے عنوان سے عتیق احمد عتیقؔ نے مختصراً مگر جامع تبصرہ لکھا ہے۔ ان کی یہ رائے کتنی

महाराष्ट्र शासन

दारूबंदी प्रचार व शिक्षण विभाग, समाज कल्याण संचालनालय,
महाराष्ट्र राज्य, पुणे - १

प्रमाण-पत्र

श्री/श्रीमती हकीम अली आबिदी (पुणे)

व्यसनमुक्ती अभियानांतर्गत पुणे येथे दि. ६ ते ८ जुलै ९६ रोजी आयोजित कवि, लेखक व साहित्यीकांच्या प्रबोधन शिबीरात सहभागी झालात. त्याबद्दल आपणांस मन:पूर्वक धन्यवाद. भविष्यात आपल्या कलाअविष्कारातून व्यसनमुक्ती कार्याला पोषक अशी दर्जेदार साहित्याची निर्मिती व्हावी अशी अपेक्षा.

गं. पा. माने
उपसंचालक (दाप्रविशि)
समाजकल्याण संचालनालय,
म. रा. पुणे - १

मुश्ताक काझी
अतिरिक्त संचालक
समाजकल्याण, म. रा. पुणे - १

بچی ہے۔ ''اس کے (سنگ و آہن کے) خالق کے یہاں ذہانت بھی ہے، تفکر بھی اور مشاہدہ بھی۔''

طویل پیش لفظ ڈاکٹر عصمت جاوید نے تحریر کیا ہے۔ جناب نذیرؔ فتح پوری نے تعارف لکھنے کا حق ادا کردیا ہے۔ قاری اس مضمون میں بیک نظر حکیم رازؔی مع ولدیت معلوم کرسکتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ قبلۂ عالم الحاج پیر عبدالغفور بخش اللہ شاہ اشرفی (سرکار برہانپور) سے بیعت، ان کی تعلیمی قابلیت کا بھی علم یہیں سے ہوتا ہے۔ نذیرؔ فتح پوری نے حکیم رازؔی اور ان کی شاعری کے بارے میں سردار جوہرؔ امروہی، ڈاکٹر عصمت جاوید اور مشہور محقق اور معروف شاعر کالی داس گپتا رضاؔ کی گرامی قدر آرا نقل کی ہیں۔ میں نذیر صاحب کے ذریعہ یہ اضافہ کرنا چاہتا ہوں، ان کے (حکیم رازؔی کے) سینے میں دو دل ہیں، ایک حساس شاعر کا، ایک شفیق مسیحا کا۔ وہ کوئی رئیس نہیں، مگر ان کا یہ دستور ہے کہ نادار اور بے بس مریضوں سے پیسہ بھی نہیں لیتے ...... سنگ و آہن ...... جدید شعری کساد بازاری میں ایک اچھی شعری تصنیف ہے، اس میں روایت کا حسن بھی ہے، عصری مسائل کا بانکپن بھی ہے، نئی شعری ہیئت کا جوہر بھی ہے، سادگی، سلاست اور روانی اس کی بنیادی خصوصیت تو ہے ہی، مگر میں یہ کہنا چاہوں گا کہ سنگ و آہن جدید و قدیم نعرہ باز ادبی معرکہ آراؤں کے درمیان صحت مند اور مرنجاں مرنج تخلیق ہے۔ مریض اور دق زدہ ادب کی اس میں سمائی نہیں ہے۔

آخر میں، میرے منتخبہ چند اور شعر سن لیجیے ؎

چھپائے کس طرح آخر وہ اپنا زخمِ دل یارب
زمانہ جس کی خاموشی کو بھی اک داستاں سمجھے

کچھ نتیجہ ضرور نکلے گا
بات کا کوئی سلسلہ تو چلے

ایماں شکن ہیں گرچہ زمانے کے حادثات
رازؔی! رضائے حق پہ ہوں ثابت قدم ابھی

تجھے خبر بھی ہے اس دَورِ نامرادی میں
بہت ملیں گے ترا پیار بیچنے والے

ہائے وہ رات جلے جس میں نشیمن اپنے
بار بار آنکھوں کے آگے وہی منظر آئے

نگاہِ ناز کا خنجر چلے اور دل نہ ہو زخمی
نہ ہم گھائل، نہ وہ قاتل، نہ یہ ممکن نہ وہ ممکن

اے گیسوئے جاناں ذرا شانوں پہ بکھر اَور
ہوتی رہے دنیا یونہی کچھ زیر و زبر اَور

دور تک فرش آئینوں کا ہے
ہم سے آگے کوئی گیا ہے ابھی

اُن کے قدموں کی مہک جس میں بسی ہے رازؔی
اچھا لگتا ہے، اُسی راہ گزر میں رہنا

ریاض احمد خاں - مدیر قومی راج، ممبئی

سنگ و آہن کا شاعر - حکیم رازی ادیبی

وقت گزرتے دیر نہیں لگتی۔ یہ بات کل کی بات ہی لگتی ہے، جبکہ حکیم رازی ادیبی اور اُن کے ساتھ نذیر فتح پوری اپنے دل میں ایک ولولہ اور ایک اُمنگ لیے عروس البلاد بمبئی آئے اور دفتر میں مجھے پونہ کی سنگلاخ زمین سے ایک جریدہ 'اسباق' نکالنے کا مژدہ سنایا۔ ان کی لگن اور محنت سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ یہ دونوں حضرات اپنے ارادوں میں انشاء اللہ ضرور کامیاب ہوں گے۔ شکر ہے کہ 'اسباق' ادبی حلقوں میں شرفِ قبولیت پا رہا ہے اور پونہ ہی نہیں بلکہ مہاراشٹر کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے ادبی حلقوں میں بھی سراہا جا رہا ہے۔

حکیم رازی صاحب جب بھی بمبئی تشریف لاتے، مجھ سے ضرور ملتے اور 'اسباق' کے ساتھ ساتھ ادبی محفلوں کا بھی تذکرہ ہوتا۔ رفتہ رفتہ مجھے حکیم صاحب کی شاعرانہ صلاحیتوں کا پتہ چلتا گیا۔ میں نے یہ اندازہ لگانے میں دیر نہیں کی کہ حکیم رازی کا نہ صرف مطالعہ وسیع ہے بلکہ انھیں خیالات کو اشعار کے قالب میں ڈھالنے کا فن بھی بخوبی معلوم ہوتا ہے۔ حکیم رازی اور ہم جس دَور میں سانس لے رہے ہیں وہ ایک کرب، بے چینی اور بے حسی کے زمانے سے تاریخ میں جانا جائے گا۔ عام آدمی زمانے کی اس کجروی کو محسوس کرے گا اور الفاظ کی مدد سے اپنے خیالات ظاہر کرنے کے لیے اور اسے پُراثر انداز بخشنے کے لیے اپنی تمام تر قوتِ تخلیق کو بروئے کار لائے گا۔ یہی احساس، زمانے کی یہی چیخوں نے حکیم رازی کو بھی بے چین کر دیا اور بے ساختہ ان کے قلم سے یہ شعر اُبل پڑا ۔

غم اپنا دِکھانے کو اب جائیں کہاں یارو ہر شہر میں پتھر کے انسان نظر آئے

اسی طرح یہ شعر بھی اس کرب کے زمانے کی نشاندہی کرتا نظر آتا ہے ۔

سبھی بکھرے نظر آتے ہیں اپنے ہوں کہ بے گانے
زمانہ کاش انھیں ماضی کا ربطِ باہمی دے دے

رازؔی صاحب کے جمالیاتی احساسات ایک خاص ڈھانچے میں ڈھلتے نظر آتے ہیں، اس کے مختلف پہلوؤں میں شدید بیزاری کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ یہی کیفیت ان کے ذہن کو ایک رومانی جذبے سے بھی مربوط کرتی نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں بیاں لفظی ارتباط اور ہم آہنگی کی کمی محسوس نہیں ہونے پاتی۔

یہ میرا اپنا نظریہ ہے کہ شاعر جب کسی شعر کی تخلیق کرتا ہے تو اسے متعدد کرب سے گزرنا پڑتا ہے۔ اب اس کا تخلیق کردہ شعر عوام میں مقبول ہوتا ہے یا نہیں۔ دادِ تحسین پاتا ہے یا نہیں، اس سے شاعر کو کوئی سروکار نہیں، اس نے جو تخلیقی کام انجام دینا تھا، دے دیا۔ اب اگر شعر مقبولِ عام ہوتا ہے تو شاعر اچھا کہلاتا ہے۔ دوسری صورت میں اس کا نام بھی لینا پسند نہیں کیا جاتا۔ یہ کم از کم اُردو شاعری میں مروجہ ہے۔ آج تک ہمارے ملک میں ہزاروں شاعر گزرے ہیں، چند ہی ایسے شعرا ہیں جن کے کچھ اشعار زبان زد خاص و عام ہوئے ہیں۔

اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہی شاعر بڑا اور عظیم ہے جس کے اشعار عام طور پر لوگوں کو از بر ہوں۔ غالبؔ، اقبالؔ نے سیکڑوں اشعار تخلیق کیے مگر ان کا بھی ہر شعر زبان زد خاص و عام نہیں ہے۔

اس تھوڑی سی تمہید کے بعد میں حکیم رازؔی صاحب کے 'سنگ و آہن' کی طرف توجہ مرکوز کرنا چاہوں گا۔ رازؔی صاحب کے تخلیق کیے ہوئے اشعار میں ممکن ہے کہ چند ہی اشعار زبان زد خاص و عام ہوں مگر اس سے یہ فیصلہ کرلینا کہ شاعر عظیم ہے، بڑا ہے، مقبول ہے، صحیح نہیں ہے۔ شاعر صرف شاعر ہوتا ہے۔ عظیم، بڑا اور چھوٹا کی صفت اس میں احباب لگا دیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ صفت ان کے ساتھ ہر سخن فہم استعمال کرے۔

بصورتِ دیگر یہی وہ مقام ہوتا ہے جہاں سے یہ تفرقہ پیدا ہوتا ہے اور شاعری کا معیار خطرناک حد تک نیچے گرنے لگتا ہے۔ ہماری شاعری میں اس طرح کی بے شمار مثالیں مل سکتی ہیں۔

حکیم رازؔی نے اپنے اشعار سے یہ ظاہر کیا ہے کہ وہ اپنے اور اپنے دَور کے خیالات سے بے خبر نہیں ہیں، ان کے اشعار میں بانکپن کی جگہ سنجیدگی ہے۔ ثقیل الفاظ کی جگہ سہل، پُراثر اور آسان الفاظ ہیں۔

خیالات کی بلندی نے ان کی شاعری کو دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے، جہاں قاری یہ سوچنے پر

مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ فلسفیانہ انداز ہے یا جذبات کی بالیدگی۔ دراصل میرے خیال میں یہ شاعر کی سادگی کا کرشمہ ہے جو اسے دونوں مکتبۂ خیال لوگوں سے جدا رکھتا ہے۔ حکیم رازؔی کی شاعری کا یہی ایک پُر خلوص پہلو ہے۔ انھوں نے زندگی کی بے چینیوں کو قریب سے دیکھا ہے۔ انسان کو انسان کا دشمن دیکھا ہے اور کیونکہ ان کے سینے میں ایک حساس دل ہے اسی لیے انھوں نے اس دَور کی صحیح نقاشی کی ہے۔

مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ رازؔی صاحب نے سنگ و آہن میں اپنے استاد محترم حضرت ادیبؔ مالیگانوی کے نام جو نہ صرف مہاراشٹر بلکہ ملک کے صفِ اوّل کے شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں، انتساب کیا ہے۔ اسی طرح عتیق احمد عتیقؔ، ڈاکٹر عصمت جاویدؔ اور نذیرؔ فتح پوری صاحب نے اپنے رشحاتِ قلم سے رازؔی صاحب کی خاموش خدمات اُجاگر کی ہیں۔

میری دلی دعا ہے کہ 'سنگ و آہن' ہر مکتبۂ خیال میں مقبول ہو تاکہ رازؔی صاحب کی تخلیقی صلاحیتوں کو مزید بڑھاوا ملے، آمین۔

نظام صدیقی - اِلہ آباد

فیضِ یداللّٰہی

دستِ رازؔی کو میسر ہے ید اللہ کا فیض
زندگی میری فنا ہو نہیں سکتی رازؔی

دستِ رازؔی نے سنوارے ہیں مقدر کتنے
میں تو دریا ہوں سمندر میں اُتر جاتا ہوں

محترم حکیم رازؔی صاحب ...... تسلیم بصد تعظیم!

ماہنامہ 'اسباق' کے سالِ اوّلیں نمبر کے ساتھ (جو یقینی طور پر یادگاری اہمیت کا حامل ہے، اور آپ کے بیکراں خلوص کا انمول رتن بھی) آپ کا دلنواز شعری مجموعہ 'سنگ و آہن' نظرنواز ہوا۔ اس التفاتِ خاص کے لیے دل کی گہرائیوں سے ممنون ہوں۔ بلامبالغہ 'اسباق' کا سالنامہ نہ صرف پونہ کی ادبی اور شعری زندگی کی روح میں گردش کرتا ہوا آئینہ ہے۔ بلکہ پورے ہند و پاک کے دانشورانہ جمال و جلال کا جگمگاتا ہوا آئینہ خانہ ہے۔ آپ نے اپنے گرامی قدر تاثرات نامہ میں بجا فرمایا ہے کہ ''اسے زندہ رکھنا اُردو کو زندہ رکھنے کے مترادف ہے۔''

'سنگ و آہن' میں محفوظ و مامون آپ کی غزلیہ شاعری نہ صرف روح کا مکاشفہ ہے جو روح آفاق سے بھی اکثر ہم کلام ہے لیکن اس میں بیشتر غیر کشفی روایتی 'بہاؤ' کی کیفیت زیادہ ہویدا ہے۔ وجودی 'ٹھہراؤ' کا کیف و کم، کم اس لیے کشفی اور جمالیاتی ارتکاز، ایجاز اور اعجاز اکثر کمیاب ہے، جہاں ماورائی اور مادّی حقائق جمالیاتی اور وجدانی دسترس میں ہیں اور ان کی کیمیائی قلبِ ماہیت ہوگئی ہے تو آپ کے اکثر و بیشتر اشعار معجزہ کار ہیں، جو جمالیاتی لذت بھی عطا کرتے ہیں اور معنویائی بصیرت بھی، لیکن ان میں بھی ابھی وہ کشفی تاثیر کم ہی ہے جو ہڈیوں تک میں اُتر جاتی ہے۔ تاہم یہ اشعار میری روح کا زندہ اور دھڑکتا ہوا حصہ بن گئے ہیں ؎

جنوں کو دار نے آواز دی ہے
کہ تیرے پیار نے آواز دی ہے

شرحِ غم ہم جو کر گئے ہوتے
چڑھتے دریا اُتر گئے ہوتے

دل تو مفلس تھا اسے جو بھی ملا تم سے ملا   سوزِ دل کس کا ہے ، یہ دیدۂ نم کس کا ہے

تم کو زمانہ دیکھ رہا ہے   آؤ میری آڑ میں بیٹھو!

کون سنے پھر دل کی کہانی کون سراپا گوش رہے

ہم کہہ کر پچھتائے ہمیشہ ، تم سن کر خاموش رہے

آفاقی گداز، کشفی تاثیر کے لیے آپ کو الفاظ اور دماغ کے شور وشر سے ماوریٰ، 'بیکراں خاموشی' سے ہمکنار ہونا ہوگا، شعوری میں لاشعوری مَیں کی دیوارِ چین کے آگے خاموشی کے کھل جا سم سم کی کلید آپ کی منتظر ہے اور پھر تو فنا فی اللہ کا بیکراں سناٹا آپ کو اپنا مترنم وسیلہ بنائے گا۔ پھر آپ کو یہ روایتی شاعرانہ شکوہ باقی نہ رہے گا ؎

سمجھنے کی طرح رازؔی کو اہلِ دل کہاں سمجھے!

'بیکراں تخلیقی سرمستی میں آفاقی بصیرت' Cosmic vision in creative cestosy کی وجہ سے یہ تقاضہ پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔ وہ خود ہی تخلیقیت کا منبع ہے، مگر یہ بقول کبیؔر ؎

لکھا لکھی کی ہے نہیں، 'دیکھا دیکھی' کی بات   دولہا دولہن مل گئے ، 'پھیکی پڑی بارات'

آپ دیارِ پونہ کا ہم لوگوں کے لیے جگمگاتا ہوا امتیازی نشان بھی ہیں اور پہچان بھی۔

خالد اگاسکر۔ ممبئی

سنگ و آہن

پونا، مراٹھی کا ایک اہم اعلیٰ ادبی مرکز ہے۔ مراٹھی کے اس شہر میں اُردو زبان و ادب کے تعلق سے جو کچھ بھی کام ہو رہا ہے وہ قابلِ توجہ ضرور ہے۔ اسی شہر میں حکیم رازؔی ادیبی رہتے ہیں۔ باسٹھ سال کے اس شاعر کا عزم آج بھی جوان ہے۔ 'سنگ و آہن' موصوف کی غزلوں کا مجموعہ ہے۔ سنگ و آہن کا شاعر کلاسیکی شاعری سے اس حد تک متاثر ہے کہ اس نے اپنی ساری شاعری میں غزل کے مروّجہ مضامین ہی باندھے ہیں۔ اسی مناسبت سے مَیں یہ کہنے کا حق رکھتا ہوں کہ حکیم رازؔی ادیبی روایتی زبان اور مروّجہ لہجے کے شاعر ہیں۔

ابھی سے زخمِ دل کو چھیڑتی ہیں کیوں تیری نظریں
کہیں رسوا نہ ہوجائے محبت ہم نشینوں میں

بات ساری نظر پہ ہے موقوف — ورنہ کانٹے بھی پھول ہوتے ہیں
ہندو کوئی، تو کوئی مسلماں ہے آج بھی — انسان کی تلاش میں انساں ہے آج بھی
ان کی زلفوں کی قسم اپنے گریباں کی قسم — ہم تو پیچیدہ مراحل سے گزر جاتے ہیں
کوئی بتائے کیسے شبِ غم بسر کریں — وہ اختیار میں ہیں نہ دل اختیار میں

ایک ایسے دَور میں جہاں اقدار کے پیمانے بدل رہے ہوں، پرانی قدروں کی جگہ نئی قدروں نے لے لی ہو، وہاں وضعدار لوگ ہیں۔ پرانی قدروں کے محافظ بن سکتے ہیں۔ یہ وضعدار شاعر ان بدلتی ہوئی قدروں سے باخبر ہے اور اسے اس بات کا شدید خدشہ بھی ہے کہ یہ نئی قدریں اپنے قدم مضبوطی سے جما رہی ہیں، اسی لیے وہ کہتا ہے۔

نظامِ میکدہ قائم یوں ہی خدا رکھے — پرانی طرز کے اب تک ایاغ ہیں محفوظ

سنگ و آہن کا شاعر زندگی سے مایوس ہونا نہیں چاہتا۔ وہ زندگی کے منفی پہلوؤں پر ایک

نظر ڈالتا ضرور ہے لیکن ان پر عقلی اور منطقی طور پر غور وفکر کرنے سے احتراز کرتا ہے۔ اصل میں اس کا اعتماد اسے ان پہلوؤں کو غیر اہم سمجھنے پر مجبور کرتا ہے۔ نتیجے میں نہ ہی وہ ان مسائل کا تجزیہ کرتا ہے اور نہ ہی ان کے حل کی ذمہ داری قاری کو سونپتا ہے۔ سنگ و آہن کا شاعر اُردو زبان کے ساتھ ہونے والی زیادتی اور ناانصافی سے پریشان ہو اُٹھتا ہے لیکن مایوس پھر بھی نہیں ہوتا۔

یہ گلشنِ اُردو ہے خزاں آئے گی کیوں کر　　اُردو کی زمیں خیر سے زرخیز بہت ہے
مٹانا چاہتے ہیں صورتِ حرفِ غلط اس کو　　مرے نقشِ تمنا کو بھی وہ اُردو زباں سمجھے

حکیم رازیؔ ادیبی نے اپنے اشعار میں محاوروں کو بھی بڑی خوبی سے کھپایا ہے لیکن ایسے اشعار فکری اور فنی سطح پر کافی کمزور ہو گئے ہیں۔

غم کا مداوا اور ان کی آنکھ میں آنسو　　کہ جیسے لگ گئی ہو آگ بارش کے مہینوں میں
کسی کو ہو جو بلندیِ کہکشاں کی تلاش　　وہ میرے ساتھ قدم سے قدم ملا کے چلے

شاعر کلاسیکی تغزل کے دائرے سے باہر نکلنا نہیں چاہتا لیکن جہاں جہاں اس کا قدم باہر پڑا ہے وہاں اشعار متاثر کن بن گئے ہیں۔

آؤ میری آڑ میں بیٹھو　　تم کو زمانہ دیکھ رہا ہے
ظلم کرنے پر تلا ہو جیسے　　دَورِ حاضر کا خدا ہو جیسے

سنگ و آہن کی شاعری پر میں آخری بات اگر حکیم رازیؔ ادیبی کے حوالے سے کروں تو مناسب بھی معلوم ہوگی۔

فکر و تخیل کا ہوں قائل　　میری غزل الہام نہیں ہے

مہاراشٹر پرنٹنگ اسکول پونا میں شائع شدہ اس کتاب کی انتہائی صاف ستھری کتابت، طباعت اور عمدہ کاغذ قابلِ ذکر خصوصیات ہیں۔

محترم المقام جناب حکیم رازؔی ادیبی، سرپرست دو ماہی 'اسباق' پونہ کے پہلے شعری مجموعہ 'سنگ و آہن' کی اشاعت کے پر مسرت موقع پر

میرے احساسات۔ از رزّاق افسر، میسور

نذرِ حکیم رازؔی صاحب

۱۴۰۳ھ

تاریخِ اشاعت

۱۹۸۳ء

(۱)

فضلِ حق سے دیدنی ہے شہرِ فن کا بانکپن
انجمن در انجمن ہے جس پہ نازاں ہر نظر

اس میں سونے پر سہاگہ فکرِ رازؔی کا چمن
'سنگ و آہن' کے تراشوں سے بناؤ پھول بن

۱۴۰۳ھ

(۲)

شکر حق کہ کٹ گئی برسوں کی راہِ انتظار
محترم رازؔی ادیبی کے ہنر کو دیکھیے

صبح کی صورت دعاؤں کا ثمر ہے آشکار
سنگ و آہن سے بنایا نغمۂ صبحِ بہار

۱۴۰۳ھ

(۳)

فکرِ فردا کی صیانت ہو مبارک آپ کو
فن کے گنبد سے اے رازؔی آج یہ آئی صدا

مقصدِ فن سے رفاقت ہو مبارک آپ کو
سنگ و آہن کی اشاعت ہو مبارک آپ کو

۱۴۰۳ھ

ڈاکٹر عصمت جاوید - اورنگ آباد

رگِ سنگ اور حکیم رازؔی

سنگ و آہن (رازؔی صاحب کا پہلا مجموعۂ کلام، مطبوعہ ۱۹۸۳ء) سے 'رگِ سنگ' ۱۹۹۱ء تک حکیم رازؔی کے ادبی سفر میں جو چیز قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتی ہے وہ 'سنگ' ہے۔ سنگ میں سختی بھی ہے، اٹل رہنے کی صلاحیت بھی، وہ صحرا کی طرح بے برگ و گیاہ بھی ہے اور اس سے چشمے بھی اُبلتے ہیں۔ اگر اس میں بت بن کر پرستش کروانے کا رجحان بھی ہے تو وہ خوفِ خدا سے (من خشیۃ اللہ) سربسجود ہونا بھی جانتا ہے۔ سنگ کی یہ تمام خصوصیات حکیم رازؔی کی شخصیت کی تعمیر میں صَرف ہوئی ہیں، لیکن ان خصوصیات کا اثباتی پہلو منفی پہلو پر حاوی ہے، اس لیے 'سنگ' ایک استعارہ بن کر ان کے تحت الشعور میں جاگزیں ہے، جس کی توسیع ان کی شاعری ہے۔ رگِ سنگ میں وہ نئے خدوخال کے ساتھ نہیں آئے ہیں۔ روپ وہی ہے لیکن رنگ نکھرا ہوا ہے۔ ان کے کلام کا وہی رنگ جو 'سنگ و آہن' میں آج سے تقریباً ایک دہے قبل تھا، رگِ سنگ میں پختہ تر ہو گیا ہے۔

یہ بات قابلِ غور ہے اور قابلِ تعریف بھی کہ گزرتی ہوئی عمر کے ساتھ ساتھ حکیم رازؔی اپنے ادبی سفر میں ہانپتے ہوئے، تھکے تھکائے اور نڈھال نظر نہیں آتے بلکہ ان کے ادبی کس بل میں اضافہ ہی دِکھائی دیتا ہے، ورنہ یہ عام مشاہدہ ہے کہ نئی نسل کے کئی شعرا اور ادبی فنکار بجلی کی طرح تھوڑی دیر کے لیے آنکھوں میں چکاچوند پیدا کر کے ہمیشہ کے لیے بجھ جاتے ہیں اور معجون مقوی کے سہارے خود کو جوان ظاہر کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں تو وہ اپنے آپ کو واضح طور پر دہراتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اگر ان کا کوئی تازہ مجموعۂ کلام منظرِ عام پر آتا بھی ہے تو اس کا تین چوتھائی سے زیادہ حصہ ان کے پرانے مجموعے پر مشتمل ہوتا ہے، لیکن جس طرح عملی زندگی میں حکیم رازؔی سدابہار ہیں اسی طرح ان کے اندر کا شاعر بھی جوان سے جوان تر ہوتا چلا ہے۔

ان کی شاعری میں تلوار کی کاٹ بھی ہے، خلوص کی مہک بھی اور طنز کی تلخی بھی۔ اس میں

اعزاز نامہ

غزل اکیڈمی پونہ गज़ल अॅकेडमी पुना

محترم المقام الحاج حکیم رازی ادیبی صاحب (سابق مدیر "تکلم") کو
آپ کی ادبی / صحافتی / سماجی / تعلیمی / سیاسی خدمات کے
پیشِ نظر مذکورہ اعزاز نامہ تفویض کیا جاتا ہے۔

24th Aug. 2002.

• معتمد •
(لطیف جوہر)

• خازن •
(رفیق قاضی)

• معتمد •
(عالم فتح پوری)

• معتمد نشر و اشاعت •
(متین انصاری)

• سرپرست •
سید آصف
اسلم چشتی
اکبر خان

Ghazal Academy Poona

ماضی کی خوشگوار اور تلخ یادیں بھی ہیں اور حال کا کرب بھی۔

یہ اشعار ملاحظہ ہوں ؎

شاید مری تباہی میں کچھ رہ گئی کسر
پھر دوستی کا ہاتھ بڑھانے لگے ہیں لوگ

اپنے بچپن کو جہاں چھوڑ کے آیا تھا کبھی
میرے سر میں ہے اُسی گاؤں کا سودا لکّھا

مجھے تم نے اندھیروں کے حوالے کردیا لیکن
تمھارا درد ، دل میں چاند بن کر جگمگاتا ہے

نفرت کی آگ شہر میں اس درجہ بڑھ گئی
دامن بچا تھا صبر کا ، اب وہ بھی جل گیا

نشّہ ہوتا تھا ، اب نہیں ہوتا
ان کی باتوں سے کچھ ، شراب سے کچھ

خوشی کا رازداں کیا ہوگیا ہوں
سراپا درد بنتا جارہا ہوں

شام سے پہلے رازیؔ پہنچ جایئے
گاؤں جانے کا رستہ بہت تنگ ہے

حضرتِ رازیؔ کی غزلوں میں پختگی بھی ہے، روانی بھی، تلخی بھی ہے، شیرینی بھی، گھلاوٹ بھی ہے اور لگاوٹ بھی۔ رازیؔ صاحب کے پیالے میں ہر رنگ کی شراب ہے۔ کہیں خارجیت کا غلبہ، کہیں داخلیت کا رنگ شوخ ہے، کہیں صرف قافیہ پیمائی کا استادانہ ہنر ہے اور کہیں تخلیقی اظہار کا والہانہ پن بھی، لیکن وہ اپنے تجربات کو غزل کے ستّر حجابات میں سے بے نقاب کرنے کے ہنر سے اچھی طرح واقف ہیں۔ ان کی مشاقی کا یہ عالم ہے ؎

جب بھی رازیؔ نے کی ہے فکرِ سخن
خود چلا آیا قافیہ اچّھا

تو وہ کہیں اپنے تجربات کی تلخی کو بیان کی شیرینی اس طرح عطا کرتے ہیں ؎

زندگی کو نیا حوصلہ دے گیا
اس کا اک تلخ جملہ مزہ دے گیا

مجھے اُمید ہے کہ کلاسیکی اور جدید ، دونوں رنگوں کی غزلوں کے قدردان 'رگِ سنگ' میں اپنے اپنے ذوق کا سامان پائیں گے۔ حکیم رازیؔ نے یہ مقام ایک دن میں حاصل نہیں کیا ہے۔ بقول خود ؎

کتنی مشکلیں جھیلیں کتنے کوہ کاٹے ہیں
ہم نے شام کو اپنی تب سحر بنایا ہے

(نومبر ۱۹۹۱ء)

***

رگِ سنگ

ڈاکٹر امانت، ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی

نکتہ چیں ہے غمِ دل کس کو سنائیں رازیؔ
ہے 'رگِ سنگ' میں پوشیدہ پیامِ غالبؔ
جلوہ گر ہے کہیں اخترؔ[1] کی غزل کا پَرتو
صاف جھلکے ہے کہیں رنگِ کلامِ غالبؔ

[1]: جاں نثار اخترؔ (مرحوم)
(۲۰/اپریل ۱۹۹۲ء)

ناوک حمزہ پوری

حکیم رازؔی اور 'کاروانِ سنگ'

الحاج حضرتِ حکیم رازؔی ادیبی کی شخصیت بڑی پہلودار ہے اور ہر پہلو تحسین آفریں تشخصات سے مملو ہے۔ مثلاً وہ طبیب حاذق ہیں اور خدمتِ خلقِ خدا میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔ صوفی صافی بزرگ ہیں اور اس زاویے سے خدا کے بندوں کی روحانی صحت مندی کے لیے بھی کوشاں رہتے ہیں۔ خلیق، ملنسار، انسان نواز، دوست دار، مخلص اور سیدھے سادے آدمی ہیں اور اس لیے مقامی طور پر ہی نہیں، دور دراز کے لوگوں میں بھی ہر دل عزیز ہیں۔ تلوار سونت کر میدانِ جنگ میں کود پڑنے کا اب نہ موقع ہے نہ مصلحت، لیکن وہ لوگ جو بفضلہٖ تعالیٰ مسلمان ہیں ان کے سامنے "تَأمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" کا فریضہ تو ہر وقت جہاد کا متقاضی ہے۔ ایسے میں جہاد بالقلم کی راہ اختیار کرتے ہوئے آپ نے شعر و ادب کی ترویج کے لیے بھی نیز اصلاحِ حال کے لیے کاوشیں کی ہیں۔

حضرت رازؔی ادیبی شاعر بھی ہیں اور یوں تو متعدد اصناف سخن میں جوہرِ فن دِکھلائے ہیں لیکن زیادہ تر غزلیں ہی کہیں ہیں لیکن غزل کے لغوی معنی میں بقول کسے 'چوما چاٹی' کی شاعری کبھی نہیں کی۔ شاعری آپ نے جس وقت شروع کی وہ ترقی پسندی کی تحریکات کا دور تھا لیکن اس کے زیرِ اثر انھوں نے اپنی شاعری کو نہ تو کوری نعرے بازی بننے دیا نہ روٹی کے پیچھے بھاگنے دیا۔ جدیدیت کی تحریک کا بھی انھوں نے مظاہرہ کیا لیکن اس آندھی میں بھی بہہ کر اپنی شاعری کو ابہام و اہمال کے غبار میں گم ہونے سے بچائے رکھا۔

حضرتِ رازؔی بزرگ شاعر ہیں اور بیسیوں برسوں سے میرے مطالعے میں رہے ہیں۔ ان کی شاعری کو دیکھ کر، پڑھ کر 'ہنوز ابرِ رحمت دُر افشاں است' کہنے پر مجبور ہو جاتا ہوں۔ یہ دیکھ کر مسرت سے پیمانۂ دل لبریز ہو جاتا ہے کہ انھوں نے ادب کی تخلیق کے مقصد کو سمجھا ہے اور یہ ہر

قدم اپنی ہر کاوش کو کسی طرح کی بھی بے ادبی کا شکار ہونے نہیں دیا۔ غزل کے فنی تقاضوں کا بھرپور احترام کرتے ہوئے نہ سطحی جنسی شاعری کی، نہ زبان کی سنجیدگی اور ژولیدہ پانی سے شعر کو ناقابلِ فہم بننے دیا بلکہ محسوسات و مشاہدات کو تہذیب کے لباس سے آراستہ کرکے تعمیر پسند فکر و خیال کی ترجمانی کرتے ہوئے ہمیشہ اُردو ادب کی صحت مند قدروں کا پاس و احترام کیا ہے۔

میرے پیشِ نظر اس وقت رازیؔ صاحب کا مجموعۂ کلام 'کاروانِ سنگ' ہے۔ تبصرہ، تنقیدی مضامین کی طرح تفصیل کی گنجائش نہیں رکھتا بلکہ اس کا منصب یہ ہے کہ زیرِ تبصرہ کلام کا اجمالی تعارف ہوجائے اور اس کی تائید میں یا رد میں جو باتیں کہی جائیں نمونوں سے اس کی توثیق بھی ہوجائے۔

کسی بھی فن پارے پر بحث کرتے ہوئے یہ دیکھنا لازم ہوجاتا ہے کہ وہ جس عہد کی تخلیق ہے اس عہد کی سیاسی، سماجی، معاشی، معاشرتی، تہذیبی، ثقافتی، ملکی، ملّی اور قومی صورتِ حال کو شاعر نے اپنی تخلیق میں جگہ بھی دی ہے یا آنکھ بند کرکے آسان گزر گیا ہے۔

خوش قسمتی یا بدقسمتی سے ہم جس بحرانی دَور میں جی رہے ہیں (میں نے ہم اسی لیے لکھا کہ اس میں رازیؔ بھی آجائیں) وہ ہر قدم عبرت کا مرقع پیش کرتا ہے۔ اس بات کو ذہن نشین رکھیے کہ ہر قاری شعر پڑھتے وقت اس کے مفہوم کو اپنے اپنے حالات کے مطابق سمجھتا ہے۔ میرا حال یہ ہے برسوں سے گاؤں گاؤں، قصبے قصبے، شہروں شہروں گھوم رہا ہوں یہ دیکھنے کے لیے کہ آبادی کی آبادی میں مسلمانوں کی تعداد کہیں کم کہیں زیادہ ہوتے ہوئے بھی بہت زیادہ ہے لیکن کسی گاؤں میں کسی قصبے میں، کسی بستی میں کیا کوئی ایسا گھرانہ بھی ہے جس کے مسلمان افراد فی المعنی مسلمان بھی ہیں۔ خال خال بعض ثقہ حضرات انفرادی طور پر تو قابلِ رشک نظر آئے لیکن اُن کا گھرانہ بھی ایسا نہ ملا جس کا ہر فرد یا کم ازکم بیشتر افراد لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صرف زبانی نہیں کہتا ہو بلکہ اس کا عملاً بھی مظاہرہ کرتا ہو۔

ایسے میں رازیؔ صاحب کا زیرِ نظر مجموعہ جو کھولا اور اس کی پہلی غزل ہی پڑھی تو لگا کہ کسی نے میرے دل کی بات کہہ دی ہو۔ اس کے درج ذیل اشعار دیکھیے، یہ ہمارے معاشرے، ہمارے حالات اور ہماری زندگی کا منظرنامہ ہے ؎

زندگی تیرا نمایندہ نہیں ہے کوئی
ایسا لگتا ہے کہ اب زندہ نہیں ہے کوئی

ایسا لگتا ہے قیامت کی گھڑی ہے نزدیک اپنے اعمال پہ شرمندہ نہیں ہے کوئی
ایک مرکز کا کوئی خواب حقیقت میں ڈھلے اس کا امکان بھی آئندہ نہیں ہے کوئی

وقف ملت کے لیے خود کو جو کردے رازؔی
ایسا اب قوم میں کارندہ نہیں ہے کوئی

یہ اوّلین غزل کے اشعار ہیں۔ کھوج بین کر رازؔی کی حمایت کے لیے انھیں میں نے منتخب نہیں کیا ہے۔ یہ اشعار مجھے وجد دلاتے ہیں۔ آپ کا بھی احساس وضمیر زندہ ہو اور اچھی شاعری کے مطالعے کا ذوق ہو تو یہ مجموعۂ کلام حاصل کرکے اس کے افکارِ عالیہ سے حظ اندوز ہوں، عبرت پکڑیں اور ممکن ہو تو کم از کم اپنی ذات کی حد تک اصلاحِ حال کی سعیٔ بلیغ فرمائیں۔

(۱۹۹۹/۵/۳۱ء)

مولانا حسن عباس فطرت - مدیر اخبار صداقت - پونہ

رسالہ 'اسباق' کا گوشۂ حکیم رازی ادیبی

عام ہوا تو یہی ہے کہ ماضی پر ڈالو خاک اور جٹ جاؤ حال کو بینتنے سوارنے میں البتہ مستقبل کی لو لگی رہے۔ بس اسی میں مست و مگن رہو مگر کبھی کبھی کہیں کہیں اس کلیہ میں استثنا بھی دیکھنے میں آتا ہے اور دنیا کی خوبصورتی و رنگینی بھی اسی سے قائم ہے۔ جی ہاں، ایک طبقہ ایسا بھی دیکھنے میں آتا ہے اگرچہ اقلیت در اقلیت ہے وہ گروہ، اس کا کہنا ہے کہ ماضی لاکھ دُور سہی، دھند آلود بلکہ آفاق سے پرے سہی مگر اسے کشاں کشاں ہی سہی سامنے لاؤ، اس کی باتیں سب کو سناؤ، جمود دور ہو، نئی حرکت آئے، تشکر و امتنان، لطف و عنایات کا گن گان ہو اور اس ذکر سے حال و استقبال میں تازہ آب و تاب پیدا کرو۔

چنانچہ مدیر 'اسباق' نے یہی کیا ہے اور اپنی چوبیس سالویں اشاعت میں ایک گوشہ 'اسباق' کے اوّلین مربی و سرپرست جناب حکیم رازؔی ادیبی صاحب کے ذکرِ جمیل سے منور و مزین کیا ہے اور اس طرح زوال پذیر اخلاقی اقدار کو بلندی و احترام بخشا ہے۔

گوشۂ حکیم رازؔی کو مدیرِ 'اسباق' نے ایسی ہنرمندی و چابکدستی سے ترتیب دیا ہے کہ اس کی شان ایک گلدستہ جیسی ہوگئی ہے اور چند مختصر تحریروں سے حکیم رازؔی کی شخصیت و فن کے تمام پہلو نکھر کر سامنے آجاتے ہیں۔ خود مدیر 'اسباق' کا مضمون بھی خاصے کی چیز ہے۔ مدیر کے علاوہ حکیم رازؔی کی شاعری و شخصیت پر قریب و دور کے کئی نامور ادیب و شعرا نے اپنے اپنے انداز سے روشنی ڈالی ہے تو ان کے پہلو بہ پہلو جوان اہلِ قلم بھی ہیں۔

ڈاکٹر امانت صاحب نے تھوڑی تفصیل کے ساتھ حکیم رازؔی کے فن کا جائزہ پیش کیا ہے اور اس طرح کہ اس سے موصوف کی شاعر سے قربت و وابستگی کی خوشبو بھی پھوٹتی رہتی ہے۔ مشتاق

مدنی نے حکیم رازؔی کو قریب سے دیکھا ہے اور ان کی من بھاون شخصیت کے صد رنگ، جاذبِ نظر پہلوؤں کو آئینہ دکھایا ہے۔ علامہ کالی داس گپتا رضؔا کا نوکیلا خراجِ عقیدت بھی بیش قیمت ہے۔ لطف و مدارا سے بھرپور، ان کی تحریر نے حکیم رازؔی کی شخصیت کی کئی دبی ہوئی پرتوں کو دلآویز بنا کر سامنے رکھ دیا ہے۔ نذؔیر فتح پوری کے علاوہ مظہر امام، عتیق احمد عتیؔق، مناظر عاشق ہرگانوی، قیصر الجعفری، یوسف ندیؔم نے بڑی سنجیدگی و ذمہ داری کے ساتھ حکیم رازؔی کے اشعار و مزاج کو تولا ہے۔ خود حکیم رازؔی صاحب نے بھی اپنا مختصر سوانحی خاکہ لکھ کر عمدہ نثرنگاری کا ثبوت دیا ہے اور اپنے استاد ادیؔب مالیگانوی کے چند تحسینی کلمات کو شامل کر کے اپنی نیازمندی و عقیدت مندی دِکھائی ہے۔

میری سنیے تو شہرِ پونہ اہلِ دل کا شہر ہے جس کے سرور و سردار حکیم رازؔی ہیں۔ ان کے اشعار کا تخاطب بھی اہلِ دل سے ہوتا ہے اور دل کی بات دل والے سنتے اور اس پر سر دُھنتے رہتے ہیں۔ ان کی شاعری روایت کی پاسدار اور داخلیت، دل گرفتگی کی امانت دار ہے، پُرکیف بھی ہے، رنگین و سادہ بھی ...... روزمرہ کی زبان کا استعمال کرتے ہیں یعنی عام بات چیت کی زبان، اسی لیے ان کے کلام کی پذیرائی ہر طرح کی محفل میں ہوتی ہے اور ہر حلقہ میں اسے اونچی نشست ملتی ہے۔ حکیم رازؔی مروّت و شرافت، انکساری و خاکساری میں بھی اپنا جواب آپ ہیں۔ ان کو آپ کبھی اپنی بڑائی کرتے پائیں گے نہ دوسروں کی عیب جوئی۔ وہ آج بھی اپنے مطب کی مصروفیات پر دوستوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ محنتِ شاقہ سے گھبراتے نہ آسانیوں کی چھاؤں ڈھونڈتے ہیں، اسی لیے بڑھتی عمر ان کا کچھ بگاڑ نہیں پائی ہے۔ وہ فکرِ سخن میں غرق رہتے ہوئے سماجی ذمہ داریوں کو بڑھ چڑھ کر نبھاتے ہیں۔ اہلِ خانہ و دواخانے کی تمام ضروریات کو تنہا پورا کرتے ہیں۔ کبھی ان کے چہرے پر شکن نہیں دیکھی نہ ان کی مسکراہٹ گئی۔ انھوں نے نہ لباس بدلا نہ طرزِ زندگی، نہ سواری نہ مکان و دوکان۔ میرے خیال سے اس بلند حوصلگی کی داد دیے بغیر کوئی رازؔی نامہ مکمل ہو نہیں سکتا۔

گزشتہ بیس سال سے حکیم رازؔی صاحب کے سایۂ رحمت میں زندگی بسر کرنے کو میں اپنی خوش نصیبی جانتا ہوں اور دعا ہے کہ آگے کے بیس سال بھی ان کے دامنِ فیض سے متمتع ہونے کا زرّیں موقعہ ہم نیازمندوں کو ملتا رہے۔

ڈاکٹر عبدالرحیم نشترؔ

پونہ میں اُردو کا ساچا پیر - حکیم رازیؔ

پونے کی ادبی تاریخ میں نہایت ممتاز، مقبول و معروف اور ایک محترم ہستی کا اسم گرامی محمد رجب تو کسی پیدائشی سند میں چھپ کر رہ گیا لیکن حکیم رازیؔ کا نام جہاں جہاں اُردو اخبارات اور رسائل پہنچتے ہیں گونجتا رہتا ہے۔ وہ شعر و ادب کی دنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔

یوں بھی طبیعت کے قلندر ہیں۔ شہرت اور ناموری کی طمع نہیں رکھتے لیکن شہرت ہے کہ ان کے قدموں میں لوٹتی رہتی ہے۔ ۸۵؍ سال عمر ہونے کو آئی لیکن تخلیقی جوت پچّیس سال کے جوانوں جیسی۔ رَوِش بھی ہے متحرک بھی۔ صوفیوں جیسا لباس بدن پر اور صوفیوں جیسا مزاج باطن میں۔ سب کے ساتھ بھلا کرتے آئے، بھلا کرتے رہے اور بھلا کرتے جا رہے ہیں۔ ساچا پیر اسٹریٹ پر وہ سچ مچ کے ساچا پیر ہیں جس کی کرامتوں سے بہتوں نے بولنا سیکھا، بہتیرے فنکار کہلائے اور اکثر صاحبِ کتاب بھی بن گئے۔ عمدۃ الاطباء حکیم رازیؔ صرف جسمانی علاج نہیں کرتے، ذہنی اور روحانی کی تدبیر بھی فرماتے ہیں۔

وفادار ایسے کہ حضرت الحاج پیر عبدالغفور بخش اللہ شاہ اشرفی برہانپوری کے ہاتھوں پر بیعت کی تو ہنوز ارادت و عقیدت میں حرف نہیں آنے دیا بلکہ 'سرودِ بخش اللہ' (نعتوں اور منقبتوں کا مجموعہ) کے نام سے اپنی عقیدت مندی کا برملا اظہار و اعلان بھی فرمایا۔ حضرتِ ادیبؔ مالیگانوی کے آگے زانوئے تلمذ طے کیا تو حقِ شاگردی کے ادا کرنے میں ایک مثال قائم کر دی۔ حضرتِ ادیبؔ کے لیے جو کام مالیگاؤں والے نہیں کر سکے وہ کام پونے کے اس شاگردِ رشید نے کر دِکھایا۔ ریاستِ مہاراشٹر اور ملک بھر میں ماضی کے ادیبی شاعروں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے جن سے چند عظمت و شہرت کی بلندیوں پر چھونے لگے تو اپنے ادیبی ہونے سے منکر بھی ہو گئے لیکن حکیم رازیؔ کئی شاگردوں کا استاد ہو کر بھی اپنے ادیبی ہونے پر فخر و مسرت کا اظہار کرتے ہیں بلکہ انھوں نے تمام

ادبی شاعروں کی ایک منظوم فہرست بھی جاری کردی۔

ایولہ، حکیم رازی کا مولد ہے جہاں ۱۰ر فروری ۱۹۲۰ء کو ولادت ہوئی۔ شہر کے ادبی ماحول اور صاحبانِ ذوق بزرگوں کی صحبت میں بچپن گزرا۔ پندرہ سال کی عمر سے شعر کہنے لگے۔ اس زمانے کے مشہور رسالے غنچہ اور پھول میں ان کی نظمیں چھپنے لگیں۔ ۱۹۴۰ء میں پونے آئے تو بس یہیں کے ہوکر رہ گئے۔ یہاں کی ادبی فضا، شعری ماحول اور شاعرانہ رتوں میں ان کے اندر کا فنکار ایسا تندرست و توانا ہوا کہ باید و شاید، آج بھی تخلیقی عمل اسی طرح جاری و ساری ہے۔ دو تازہ مجموعے ۲۰۰۴ء کے اوائل میں شائع ہو چکے ہیں۔

حکیم رازی نہایت تیز و طرار، سیماب آسا نہایت سرگرم، فعال اور متحرک انسان ہیں۔ جو سوچ لیا اسے کرکے رہتے ہیں۔ زندگی کے سنگلاخ راستوں سے مایوسی اور نامرادی کے پتھروں کو ٹھوکروں میں اُڑاتے آئے ہیں۔ اسی لیے مزاج میں سنگینی تو ہے لیکن ترش کر ہیرا بن جانے کی گنجائش بھی محفوظ رکھی ہے۔ ''سنگ'' ان کی مخصوص شعری علامت ہے جس کے مختلف رنگ، شیڈس اور کیفیات ان کے اشعار میں تو نکھرتے ہیں لیکن شعری مجموعوں کے ناموں میں یہ علامت زیادہ روشن ہے۔ وہ بدن سے قدیم اور روایتی لگتے ہیں لیکن فکر، اظہار اور اسلوب میں جدت اور جدیدیت دونوں کی جلوہ گری ہے۔

حکیم رازی نے ساٹھ برسوں میں اُردو خدمات سے کبھی منہ نہیں موڑا۔ شہر کی شعری روایت کے تحفظ و توسیع، فن خطاطی کے پھیلاؤ، خوش خطی کے رجحان، ادبی صحافت کے ثبات، ادبی ماحول کی تشکیل، شعری ذوق کی تربیت، مطالعے کی ترغیب، ادبی رسائل و جرائد کے خرید کر پڑھنے کے شوق میں اضافے کی کوشش غرض جس طرح بھی بن پڑا وہ اُردو زبان و ادب کی خدمت کرتے رہے۔ انھوں نے بڑے بڑے مشاعرے منعقد کیے۔ کل ہند مشاعرے کرنے والی ہستیاں پیدا کیں۔ غیر مسلموں سے قریب ہوئے، ان کو اپنے قریب کیا اس طرح وہ اُردو کی یک جہتی کے کردار کو چمکاتے رہے۔ ان کا دواخانہ زبان و ادب کا بہترین پلیٹ فارم رہا ہے۔ یہاں اُردو کی مایۂ ناز اور عظیم ہستیوں نے بھی حاضری دی ہے۔ حکیم رازی نصف صدی سے پونے میں اُردو زبان و ادب کی عملی خدمت کسی ستائش و صلے کی تمنا کے بغیر کررہے ہیں۔ ان کی اُردو خدمات کا طویل سلسلہ انھیں پونے میں اُردو کا ساچا پیر ثابت کرتا ہے۔ ماہنامہ اسباق و تکلم کی ادارت اور سنگ و آہن،

رگِ سنگ، کاروانِ سنگ، جہانِ سنگ، ارمغانِ نعت جیسے شعری مجموعوں کی اشاعت ہی ان کے لیے وجہ سکون ہے۔

'رگِ سنگ' کے اجراء کے موقع پر حضرت حکیم رازی کی پچاس سالہ ادبی خدمات کے اعتراف میں ۲۳ر مئی ۱۹۹۲ء بروز سنیچر لیڈی حوا بائی گرلز ہائی اسکول میں 'جشنِ رازی' کا اہتمام کیا گیا تھا جس کی صدارت ڈاکٹر عصمت جاوید نے کی تھی۔ اس موقع پر ایک مجلّہ بھی شائع کیا گیا تھا جس میں ان کی شخصیت اور شاعری پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے ڈاکٹر اشفاق انجم لکھتے ہیں :

''حکیم رازی ایک شخص نہیں، ایک عہد کا نام ہے جس کی آنکھیں غلامی کی تاریک تر راتوں میں ایک شمع کی طرح آفتابِ آزادی کے انتظار میں جلتی پگھلتی رہیں اور جب یہ آفتاب طلوع ہوا تو اس کی تیز کرنیں کرچیوں کی طرح ان کی آنکھوں میں چبھ کر رہ گئیں اور اس کے تپتے آنسوؤں میں لہو کا رنگ بھی شامل ہوگیا۔ سارے خواب، سراب ہوگئے لیکن ان لبوں کی شگفتگی اور مسکراہٹ میں اور ہی رنگ پیدا ہوگیا''۔

حکیم رازی تاحال اُردو کے عشق اور اس کی ترویج و اشاعت کے جنون میں مبتلا ہیں۔ پچاسی (۸۵) برس کی عمر ہونے کو آئی لیکن اُردو مزاج کی تشکیل وتعمیر کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

(ڈاکٹر عبدالرحیم نشتر کی تصنیف ''پونے میں اُردو تعلیم' سے ماخوذ)

دکن مسلم انسٹی ٹیوٹ پونہ

توصیفی سند

نئی صدی کو سلام

۲۶ جنوری ۲۰۰۱ء جشنِ جمہور کے موقع پر دکن مسلم انسٹی ٹیوٹ

جناب . . . . حکیم رازی ادیبی . . . . کی

ادبی خدمات کے اعتراف میں توصیفی سند پیش کرنے کی سعادت حاصل

کرتے ہوئے مسرت محسوس کر رہا ہے۔

آپ نے اپنی تصنیفات کے ذریعہ پونہ شہر کا نام ادبی دنیا میں روشن کیا ہے۔

اس کارنامہ کے لئے ہمیں اور اہالیانِ پونہ کو آپ کی ذاتِ گرامی پر فخر ہے۔

عابدہ انعامدار (صدر)	صالح محمد خان سکریٹری	قاضی مشتاق احمد کنوینر کلچرل کمیٹی

مناظر عاشق ہرگانوی

تبصرہ - سنگ و آہن - حکیم رازؔی ادیبی

صفحات : ۱۲۸، سائز : ڈیمائی، قیمت : ۲۰ روپے،

ناشر : اسباق پبلی کیشنز، ۲/۵۷۲، ساچا پیر اسٹریٹ، پونہ-۱

حکیم رازؔی ادیبی مسرتوں کی اداسیوں کے شاعر ہیں۔ یوں تو ان کا غم بڑا گمبھیر ہے لیکن اس کے پہلو بہ پہلو نغمگی کی ایک مدھر سوت پھوٹ نکلی ہے جس نے غم کی تلخیوں کو گوارا بنادیا ہے۔ ان کی غزلوں میں غم کی رعنائی ایک طلسم ہے جس نے باطنی حسیات کو اسیر کر رکھا ہے۔ یہ نشتریت ایک جانب رازؔی کی طبعِ الم پسند اور مخصوص افتاد ذہن کی نشاندہ ہے تو دوسری طرف روح کی بے مثال پاکیزگی اور جذبہ و خیال کے بے لوث خلوص کی مظہر بھی ہے لیکن رازؔی کا غم صرف لہو کی دھار سے عبارت نہیں ہے، اس پر سرمستی، سرور اور مدہوشی کا ایک انتہائی لطیف و سہ رنگا آنچل بھی سایہ فگن ہے۔ ان کا غم ایک باشعور انسان کا غم ہے جس میں سنجیدگی، وقار اور اعتدال و توازن کی ہمہ جہتی صفات موجود ہیں۔ اس غم میں فلسفیانہ گہرائیاں نہ سہی، البتہ موضوع سے متعلق چند بنیادی نکات کی صراحت موجود ہے۔

فردوس مسرت کی تحصیل نہیں آساں
دنیا کو گذرنا ہے دوزخ کے مراحل سے

میں رکھوں تو کہاں رکھوں دلِ بے مدعا یارب
نہ وسعت آسمانوں میں نہ گنجائش زمینوں میں

دردمندی کے ما سوا رازؔی
سارے رشتے فضول ہوتے ہیں

اب کوئی صورت نہیں ہے بھول جانے کی ہمیں
نقش ہوکر رہ گئے ہیں ہر دَر و دیوار میں

رازؔی اُن کے لطف و کرم کی شان انوکھی دیکھی
آنکھوں سے مل کر دل میں سمائے نظروں سے روپوش رہے

اس غم پسندی کے پہلو بہ پہلو آج جس ماحول میں وہ سانس لے رہے ہیں، اس کے تقاضے کی نشاندہی بھی رازؔی نئے لب و لہجے میں یوں کرتے نظر آتے ہیں۔

ان کے چہرے سے یہ محسوس ہوا
کل کا اخبار پڑھا ہو جیسے

دنیا چلی ہے لوٹ کے انعامِ رنگ و بو
بیٹھے ہیں فصلِ گل کی تمنا میں ہم ابھی

زندگی یوں تو جان لیوا ہے
پھر بھی جینے کا حوصلہ ہے ابھی

شیشوں کے مکانوں کے پرے لوگ کھڑے ہیں
پستی سے بلندی کی طرف سنگ چلا ہے

بھیگی ہوئی سی دیکھ رہا ہوں میں چشمِ دوست
دل میں اُتر گئی ہے مری بات کس طرح

ہم کو پڑھیے جہاں سے جی چاہے
ایک کردار ہیں کہانی میں

زرد پتوں کی طرح جھڑ گئے ایک اک کرکے
راس آیا نہ انھیں شاخِ شجر میں رہنا

آفسٹ پر چھپے غزلوں کے اس مجموعے میں ایک حمد، ایک نعت بھی ہے اور ادیبؔ مالیگانوی، عتیق احمد عتیقؔ، ڈاکٹر عصمت جاویدؔ اور نذیر فتح پوریؔ نے پیش لفظ اور تعارف وغیرہ لکھا ہے اور خود رازؔی نے ''کچھ اپنے متعلق'' کے تحت اپنے اس اوّلین مجموعۂ کلام کی اشاعت کے بارے میں تفصیل بتائی ہے۔ سرورق دیدہ زیب ہے، پشت پر رازؔی صاحب کی تصویر بھی ہے۔

قیوم راز

'قبول عام سند ہے مرے ترانے پر
کہ میں نے لکھی ہے اپنی کتھا زمانے پر'

اس شعری آئینے میں حکیم رازیؔ۔ شخص و شاعر

انسان اشرف المخلوقات ہے مگر خالق و مالک نے اسے دو طبیعتوں کے درمیان رکھ دیا ہے۔ ایک 'مدنی' طبیعت ہے جس کے تحت وہ گروہ، سماج، شہر/ گاؤں میں رہنا پسند کرتا ہے۔ دوسری طبیعت 'ذاتی' طبیعت ہے۔ وہ سب کے ساتھ رہتے ہوئے بھی الگ رہتا ہے۔ اس لیے اپنا گھر بناتا ہے اور بڑی حد تک یہ بھی سچ ہے کہ وہ اپنے گھر میں رہتے ہوئے بھی، کبھی اپنے ہی اندر بند ہو جاتا ہے۔ یہ وجہ اوّل و دوّم حکیم رازیؔ صاحب صراطِ مستقیم کے شاعر ہیں۔ بنیاد، انسانی اور آفاقی اقدار اعلیٰ کے لحاظ سے وہ ساری دنیا کے اچھے اور سچے انسانوں کے ساتھ ہیں کہ جن میں رہنا، ان کی فطرت اوّل کا اولی تقاضہ ہے مگر ذاتی میلانِ طبع کے لحاظ سے اپنی سوچ اور اس کے اظہار کے لحاظ سے دوسروں سے مختلف بھی ہیں اور متنوع بھی، مگر چشمہ احساس مدنی، معاشرتی، اخلاقی و روحانی ماورائی دھارے ہی سے منسلک ہے۔

ان کی شاعری کے موضوعات عموماً وہی ہیں جنھیں صدیوں کے تسلسل نے مستند اقدار تسلیم کر لیے ہیں، جو سکہ رائج الوقت عالمی کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ قدریں 'زمین اور آسمان'، 'دل اور دنیا' دونوں کو محیط کیے ہوئے ہیں۔ لہٰذا رازیؔ صاحب ایک باشعور، حساس اور باریک بین معاشرتی فرد ہونے کے ساتھ ساتھ خود آشنا اور ماورا آشنا بھی ہیں۔

زمین اور آسمان، دونوں دنیاؤں کو مربوط اور مضبوط رکھنے کے لیے انھوں نے جس زینے کا انتخاب کیا ہے وہ 'دردمندی' ہے۔ دردمندی بھی وہ جس میں دشمنی نہیں، درگزر، دوستی اور دوسروں کے لیے مٹنے میں ایک طرح کا اطمینان، گہرے معاشرتی طنز کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ فرماتے ہیں۔

شاید مری تباہی میں کچھ رہ گئی کسر
پھر دوستی کا ہاتھ بڑھانے لگے ہیں لوگ

دردمندی کے ما سوا رازؔی سارے رشتے فضول ہوتے ہیں

اسی دردمندی نے انھیں بیک وقت شعورِ حیاتِ ارضی اور عرفانِ حق کے چشموں سے ہم کنار کردیا ہے۔ فکر وفن کی یہ اساس، حیات بخش، سکوں پرور نورانی و آفاقی قدروں سے ماخوذ ہے جس کا سلسلہ سنتوں اور صوفیوںؒ سے ہوتا ہوا 'انبیا' اور وہاں سے عارفانہ جست کے ذریعے ماورائیت کے بحرِ ذخار میں گم ہوجاتا ہے۔ یہ گم ہوجانا، فلسفیانہ اُلجھن نہیں بلکہ خشوع وخضوع یا احسان کی راہ سے ایمان و ایقان کی پختگی کا ثمرہ ہے۔ مگر یہ ہمہ صفت شاعر رازؔی صاحب، عالم بالا کی بلند پروازیوں میں بھی، اپنے دل کی مٹی کی بھینی بھینی خوشبو، رچا بسا دیتے ہیں۔ لہٰذا ان کے کلامِ بلاغت مقام میں، اجزائے دل کی تابناکی اور سوز وساز اپنے عہد کی تلخ نوائیوں سے ہم آہنگ ہوگئے ہیں۔ وہ اپنے عہد کی خستہ حالی، اقداری پائمالی، اہلِ جبر کی بالادستی اور عام انسانوں کی بے بسی دیکھ کر پریشان اور رنجیدہ ضرور ہوتے ہیں، مگر مایوسی کی انتہا پر پہنچ کر اندھیروں ہی کو زندگی کا بدل تسلیم نہیں کرلیتے ہیں۔ ان کی زنبیلِ ادب، اس صورت حال کے علاج کے لیے مجرب نسخہ ہائے تزکیۂ ذات وکائنات سے منور ومزین ہے۔

یہ تزکیۂ ذات وکائنات کا نغمۂ پرسوز، خلوص پرور، دل کش اور سلیس اندازِ بیاں کے ذریعے قلبی تزکیہ کی راہ کھولتا ہے، جس کی بنیادی لَے 'دردمندی اور آرزومندی' کے تعمیری خمیر سے اُٹھتی ہے۔ وہ تہذیبی و سیاسی بگاڑ کو بغیرِ علاج نہیں چھوڑ دیتے کہ وہ امراض کے حکیم ہونے کے ساتھ ساتھ حکیمِ اخلاق بھی ہیں۔ انسان ہونے کے ناطے کہیں کہیں برہمی کا شکار بھی ہوجاتے ہیں مگر ان کا اجتماعی طرزِ فکر، احساس اور اظہار، حکیمانہ نرم روی اور شریفانہ گرمئ دل کا پُرخلوص اظہارِ تجربات و مشاہدات ہے۔

'وقت کی گنگا اُلٹی بہہ رہی ہے' یہ انھیں معلوم ہے مگر وہ ایک فرض شناس اور دردآشنا انسان ہیں۔ کہیں بے باکی اور کہیں اشاریت کے انداز میں اعلان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

آج کے دور میں تاریخ کچھ ایسی بدلی دست یوسف ہے گریبانِ زلیخا کی طرف
فریب، مکر، خوشامد، ریا، دروغ، ہَوس انھیں سہاروں پہ دنیا کا کام چلتا ہے
آدمی اتنا سخت جاں کب تھا زہر پی کر بھی جی رہا ہے ابھی
یوں جڑیں کھوکھلی کرتا ہے وطن کی ہر شخص جیسے اس ملک کا باشندہ نہیں ہے کوئی

انسانی رشتوں کی شکستگی اور عہد کی تلخ روی اور ملک کی سیاسی بدحالی کو اپنی ذات کے آئینے میں دیکھنے اور دِکھانے کا سلیقہ انھیں خوب آتا ہے۔ دراصل ان کی کتھا، اپنے اجتماعی شعور کی کتھا ہے، جو 'حال، ماضی اور مستقبل' تینوں زمانوں پر محیط ہے۔ 'مذکورہ اشعار' اپنی گھڑت اور پیرایۂ اظہار کے لحاظ سے گہرے طنز، حکیمانہ فکر اور احساس کے اظہار میں حد درجہ کامیاب ہیں۔ ایسا لگتا ہے، رازی صاحب تجربے کو خود 'ایکٹ' کر رہے ہیں اور ان کا قلم حقیقتِ حال کو خلوص اور جذبے کی زبان میں مجسم دِکھا رہا ہے۔

ان کے ایسے اشعار فنی لحاظ سے بھی بڑے پراثر اور معنی خیز ہیں۔ شاعر، قاری کے تجربے میں آسانی سے شریک ہوجاتا ہے اور شاعر کے تجربۂ ذاتی کی بازیافت اسے (قاری کو) مسرت اور بصیرت سے ہم کنار کرتی ہے۔ جیسا کہ میں نے کہا وہ خراب صورت حال کو خراب رہنے نہیں دیتے بلکہ علاج کے لیے نسخہ ہائے کیمیا ضرور فراہم کردیتے ہیں۔ محروم تمنا، بے بس اور ستائے ہوئے انسانوں کے لیے وہ خود جائے پناہ بن جاتے ہیں۔ یہ وسیع مشربی، درد کی آگ میں بے غرض تپے جلے بغیر کسی کے ہاتھ نہیں آتی۔ انسان اور انسانیت سے یہ گہری محبت، مسیحائی لہجہ اختیار کرکے، جیسا بھی قاری سمجھ سکے، کبھی دھیمی اور کبھی زوردار آواز میں پکار اُٹھتی ہے۔ گو لہجہ خطابت اور خود کلامی سے معمور ہے۔ فرماتے ہیں۔

آؤ میری آڑ میں بیٹھو　　تم کو زمانہ دیکھ رہا ہے
فردوس مسرت کی تحصیل نہیں آساں　　دنیا کو گزرنا ہے دوزخ کے مراحل سے

دل میں بشر کے درد کی یہ صورت گری بھی قابلِ دید ہے۔ فرماتے ہیں۔

مرے دل میں بشر کا درد اس صورت سے ہے رازی
کہ جیسے قلب انساں میں کوئی آیت اُتر آئے

اور وہ اپنی آرزو کے دھارے کو صاحبِ آیت کی طرف موڑ دیتے ہیں کہ وہی اصل میں منبع راحتِ جان ہے مگر اس شرط کے ساتھ۔

تجلی تو بہر صورت نگاہوں کا مقدر ہے　　شناسا آدمی ہوجائے اپنی ذات سے پہلے

اور جب آدمی اپنی ذات سے شناسائی حاصل کرلیتا ہے تو دوسرے انسانوں کی محبت بھی اسے حاصل ہوجاتی ہے۔ محبت ہی ضمانتِ امنِ عالم اور مقصودِ حیاتِ ابدی بھی ہے! یہی وہ جرعۂ

زمزم روحانی ہے جو انسان کے لیے مصائب میں سہارا، سکون اور امن کا سامان فراہم کرتا ہے۔ فرماتے ہیں ؂

محبت میں جو حال اپنا فقیرانہ بناتے ہیں
وہی کون و مکاں کو اپنا دیوانہ بناتے ہیں

ایماں شکن ہیں گرچہ زمانے کے حادثات
رازؔی رضائے حق پہ ہوں ثابت قدم ابھی

دراصل رازؔی صاحب کی شاعری اور شخصیت میں بے ربطگی نہیں ہے، صدیوں کے سلسلے کی قائم کردہ مستند انسانی اقدار پر ان کا یقین کامل ہے۔ یہاں تک کہ وہ جب اپنے مخصوص ملّی تناظر میں بھی اپنے تجربے اور مشاہدے کا تجزیہ کرتے ہوئے نتیجہ اخذ کرتے ہیں تو وہ اسی عالمی صداقت کا حصہ بن جاتا ہے۔ تبھی تو وہ بہ اعلان خطابی ترنگ کو ہوا دیتے ہوئے فرماتے ہیں ؂

سبب پسپائی کا اس کے سوا کچھ ہو نہیں سکتا
ہمارے بیچ کوئی میر صادق، میر جعفر ہے

یہاں میر صادق و میر جعفر مخصوص تاریخی تناظر سے نکل کر آفاقی بدحالی اور تباہی کی علامت بن گئے ہیں۔ دنیا کے طول و عرض میں ایسے غداروں کی نشان دہی چنداں مشکل امر نہیں لیکن شخصیات کو علامت میں تبدیل کرنا، غیر معمولی فن کاری ہے۔

یہاں میں پھر یہی کہنا چاہتا ہوں کہ اعلیٰ انسانی اقدار کی نغمہ سرائی ہی ان کی شاعری کا نچوڑ ہے، بے مثال جواز بھی اور طرۂ امتیاز بھی! یہیں سے ان کی شاعرانہ، حکیمانہ، والہانہ، عارفانہ عصری رنگ و آہنگ میں رنگا ہوا دردمند و حوصلہ مند، نورانی لہجہ اپنی مخصوص شناخت بناتا ہوا، مختلف موضوعات کو چھوتا اور مترنم کرتا ہوا دل کو نرمانے، گرمانے اور شرمانے کا سبب بن جاتا ہے۔ یہی دردمند، احساساتی، اصلاحی، طنزیہ لہجہ انھیں صراطِ مستقیم کا شاعر بناتا ہے۔ یہی ان کی انفرادیت ہے جو دردمندی کے پھولوں سے معطر ہو کر ان کے رومانی اشعار کو بھی ترفع، وقار سوز اور والہانہ پن عطا کرتی ہے۔ ان کا دل کش نغمۂ دلبری بھی دلوں کو گدگدانے لگتا ہے۔

وہ میرے مقابل کبھی چہرہ نہیں کرتے
آئینہ صفت آئینہ دیکھا نہیں کرتے

پھر یقیناً قرب کے لمحے میسر آئیں گے
کاش! لگ جائے کسی کے وعدۂ فردا میں آگ

صرف اک بار اسے دیکھا تھا تیرہ شب میں
عمر بھر پھر مری آنکھوں سے اُجالے نہ گئے

اسے چھو لینا یعنی خواب میں تتلی پکڑنا ہے
قریب آتے ہی وہ خوشبو کی صورت پھیل جاتا ہے

یہاں آخری شعر کا اولیٰ مصرع عروضی آرٹ سے مزین ہے۔ اس فنی خوبی کے ساتھ ساتھ ان کا رومانی شعری رویہ اور احساس نارمل انسان کی طرح سچا اور پرخلوص ہے مگر شوخیِ بیان، رنگینی، رعنائیٔ خیال، اشاریت، کنائیت اور ترفع سے معمور ڈرامائی کیفیت بھی لیے ہوئے ہے۔ الفاظ کا برتاؤ، رکھ رکھاؤ، صحت مند روایت کا امین ہے۔ زندگی کی راہِ دشوار میں پائے استقلال کے ساتھ چلنے کا عمل بھی ہے۔ وہ بھی اسی صراطِ مستقیم کا پرتو ہے۔ ان کی اقدار کا خزانہ مجہول اور مبتذل ہرگز نہیں۔ لہٰذا ان کا کلام بھی زبان، فکر، احساس اور روح کے اضمحلال سے بڑی حد تک پاک ہے۔ احتجاجی اشعار میں بھی طبیعت کا رکھ رکھاؤ نمایاں ہے۔ وہ ماضی کو حال و مستقبل میں بھی آئینہ دِکھانا چاہتے ہیں۔ فردوس گم شدہ کی آرزو انسانی فطرت کے اجتماعی شعور ہی کی ایک لے ہے جسے نظر انداز کر کے آدمیت، عظمتِ آدم سے دور ہوگئی ہے۔ انسانی زندگی ایک تاریخی تسلسل ہے اور اپنی تاریخ کو بھلا دینا، انسانی تہذیب کے ارتقا کی غلط تشریح و تعبیر کے سوا کچھ نہیں۔ کتنا اچھا کہا ہے۔

خواب بچوں سے بزرگوں کے سنبھالے نہ گئے　　　نئی تہذیب ، روایات کی پابند نہیں

امن، آشتی، محبت اور رواداری کے خواب دیکھنا اور دکھانا، مکمل طور پر جب بند ہو جائے تو یہ دنیا ویرانے کی شکل اختیار کر لے گی۔ رازؔی صاحب جیسے انسان دوست شاعر یہ نہیں چاہتے بلکہ وہ عظمتِ آدم کی بحالی کے طالب ہیں۔ دراصل ان کا شاعرانہ طرزِ اظہار ہمہ گیر ہے، جیسا تجربہ، جیسا موضوع، ویسا ہی اندازِ بیان وہ اختیار کر لیتے ہیں۔ قادر الکلام شاعر ہیں مگر قادر الکلامی سے آگے بھی روحِ فن کے رمز سے آشنا ہیں۔ غزل کے لیے جس متوازن، متین، منتخب، نرم اور دل کش لب و لہجہ کی ضرورت ہے، جس اشاریت اور کنائیت کی ضرورت ہے وہ ان کے یہاں بے حد نمایاں ہے۔ سادگی اور پرکاری ان کے اسلوب کا نمایاں وصف ہے۔

موضوعاتِ شاعری گوناگوں ہیں جو ان کی وسیع النظری اور گہرے احساس کی دین ہے۔ دنیا کے بدلتے ہوئے حالات، معاشرت کی گمراہی، انسانیت اور انسانی قتلِ عام، یہ سبھی حالات انھیں مضطرب اور بے چین ضرور کرتے ہیں۔ لہجہ کبھی کبھی تلخ بھی ہو جاتا ہے مگر وہ اقدارِ اعلیٰ کے حوصلہ مند چراغ جلانے سے کبھی نہیں تھکتے۔ بلحاظ عمر وہ کافی بوڑھے ہیں مگر بلحاظ فکر و فن کاروانِ سخن کے توانا و باعمل نوجوان ہیں۔ دراصل وہ انسان، خدا اور کائنات کے رشتے کی رمزیت کو پا چکے ہیں۔ معرفتِ حق انھیں حاصل ہوگئی ہے۔ فقیرانہ بے نیازی نے انھیں اس کمال تک پہنچا دیا ہے جہاں وہ فرماتے ہیں ۔

ہم سے قلندروں کا نہ کچھ حال پوچھئے　　تنہا بھی بیٹھتے ہیں تو محفل لیے ہوئے

ابھی ہیں سیکڑوں پردے تکلم پر، تبسم پر　　سمجھنے کی طرح رازؔی کو اہلِ دل کہاں سمجھے

جیسی عارفانہ صورت حال سے وہ دوچار ہیں۔ یہی فقیرانہ آگہی اور بے نیازی نے انھیں اس چشمۂ زم زم میں بدل دیا ہے جس سے ہرکوئی فیض یاب وشفایاب ہوسکتا ہے۔ مزید فرماتے ہیں۔

جو بھی در پر آئے گا　　ہم سے دعا لے جائے گا

دوستوں کے واسطے ہوتا ہے جو حسن سلوک　　ہے وہی دستور میرا اپنے دشمن کے لیے

بات ساری نظر پہ ہے موقوف　　ورنہ کانٹے بھی پھول ہوتے ہیں

ان کے یہاں میرؔ و غالبؔ اور اقبالؔ سے استفادہ ضرور ہے مگر آواز، الفاظ اور حالات حکیم رازؔی کے اپنے ہیں۔ ان کے دل کا خلوص ہر شعر کے بدن میں رواں دواں خون ہے۔ زندگی سے ہارے ہوئے انسانوں کے لیے وہ دوائے شفا، جسمانی ہی نہیں، روحانی کا صندوق بھی کھولے ہوئے بیٹھتے ہیں۔ ان کے اشعار دامنِ دل ہی کو نہیں کھینچتے ، دماغ کو بھی متاثر کرتے ہیں، متنوع فکر اور جذباتی صورت حال، ان کے شاعرانہ اظہار سے دل کش ہی نہیں، پُراثر بھی ہے۔ شخصیت، عصریت اور آفاقیت کے چشموں سے فیض یاب شاعری، اہلِ ادب کے لیے مسرت سے بصیرت تک معنی خیز سفرنامۂ حیاتِ رازؔی ہے۔ لامرکزیت میں ایک مضبوط مرکز کا اعلانِ حق بھی ہے۔ مزید چند اشعار اس بات کے غماز ہیں کہ ان کے مجموعوں میں جدید لب ولہجہ اور جدید طرزِ فکر واحساس کے نمائندہ اشعار بھی ان کے کلام میں نگینوں کی طرح ٹنکے ہوئے ہیں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ادبی سلسلے سے جڑے ہوئے ہیں۔ ان کی اکتسابی طبیعت ایسے اشعار بھی کہلواتی ہے، جن میں ندرتِ تخیل، پیکر تراشی اور استعارات کے معنوی انسلاکات قاری کو دور تک لے جاتے ہیں۔ ایسے اشعار معنوی تہہ داری سے لبریز ہیں۔

اشک پلکوں پہ مری یاس کا ایسا ٹھہرا　　جیسے جلتا ہو سر شام دیا پانی پر

اسے چھو لینا یعنی خواب میں تتلی پکڑنا ہے

قریب آتے ہی وہ خوشبو کی صورت پھیل جاتا ہے

ذہنی و روحانی تزکیہ ہی ہوس رانی، سائنسی، فلسفیانہ تباہ کاری کی دنیا میں امنِ عالم کے حصول کی خاص کلید ہے۔ صارفیت، پیداواریت، نفع خوری اور جنگی تباہ کاری کے دَور میں انسانیت

کی اعلیٰ اقدار کے نغمات چھیڑنا، اگر کارِ ثواب نہیں تو انسانیت افروز عمل ضرور ہے اور رازؔی صاحب جیسے فن کار سے یہ حق چھینا نہیں جا سکتا۔ مقصدیت پسند اور انسانیت پرور ہونا ادب میں راندۂ درگاہ ہونا نہیں ہے کہ ادب زندگی کی ترجمانی ہی نہیں بلکہ تنقید بھی ہے اور تنقید تند و تیز بھی ہوتی ہے اور ملیح بھی! جس کی شخصیت پارہ پارہ نہ ہو، بڑے اعتماد اور عقیدت کے ساتھ کہتا ہے بلکہ دعویٰ کرتا ہے۔

میں نے اللہ کو جس وقت پکارا رازؔی میری ہر ایک مصیبت ہوئی پارہ پارہ

۲۴ جنوری ۲۰۰۷ء

زید احمد قاسمی - یونانی میڈیکل کالج، پونہ

حکیم رازؔی - پونہ کا ایک ممتاز شاعر

حکیم رازؔی کبھی محمد رجب تھے لیکن آج محمد رجب کم اور رازؔی زیادہ ہیں۔ رازؔی کے تخلص میں بھی ایک راز ہے، وہ امام فخر الدین رازی اور ابوبکر رازی دونوں سے رشتہ استوار رکھنا چاہتے ہیں؛ ایک کے ساتھ پیشے میں، دوسرے کے ساتھ شاعری میں لیکن یہاں ان کی شاعری پر چند سطور لکھنے کی جرأت کرتا ہوں ...... مشہور نقاد ڈاکٹر عصمت جاویؔد نے لکھا ہے، حکیم رازؔی کے بارے میں:

> ''حکیم رازؔی نے شاعری کے کوچے میں ایک عمر گذاری ہے، پونہ کی ادبی محفلوں میں، شعری نشستوں اور عوامی مشاعروں میں ان کی ہستی جانی پہچانی جاتی ہے۔''

سردار جوہؔر امروہی نے لکھا ہے:

> ''حکیم رازؔی اپنے اوصاف و صفات میں پونہ میں ایک نمایاں اور مثالی حیثیت اور شخصیت کے مالک ہیں، رازؔی صاحب جہاں ایک حکیم کی حیثیت سے مشہور ہیں وہیں ایک ممتاز شاعر کی حیثیت سے بھی کم معروف نہیں۔ پونہ میں حکیم صاحب کو بڑی ہر دلعزیزی اور مقبولیت حاصل ہے۔''

یہ رازؔی کے سلسلے میں چند صاحبِ بصیرت کی رائیں تھیں لیکن یہاں کلام کو سمجھنے کی کوشش کی جا رہی ہے، زندگی اور عمل ایک شے کی دو مختلف تعبیریں ہیں، زندگی کی کامیابی یا ناکامی جہدِ مسلسل اور سعئ پیہم پر موقوف ہے۔ کچھ لوگ من و سلویٰ کے منتظر بغیر عمل کے زندگانی کی لذتوں کے حصول پر ایمان رکھتے ہیں۔ رازؔی کو اس سے اختلاف ہے۔ اس کا ایمان ہے کہ زندگی کی خوشیاں بغیر عمل نامکمل ہیں، بلکہ زندگی کو سنوارنے کے لیے ہر وقت ہر آن، ہر لحہ آزمائشوں سے گزرنا پڑتا

CHIEF MINISTER'S SECRETARIAT
Mantralaya, Bombay-400 032

۵ر جنوری سنہ ۱۹۸۱ء

محترم ادیبی صاحب، تسلیم

وزیر اعلیٰ کے نام آپکی تخلیق کردہ منظوم نذرانہ عقیدت "دستیاب" ہوا۔ وزیر اعلیٰ آپکی اس کاوش کے لیے مشکور ہیں۔ آپکی تخلیق شاعری کا مجموعہ نمائندگی کرتی ہے۔

فقط

مخلص

راجا محمد خاں
پبلک ریلیشنز آفیسر

جناب حکیم رازی ادیبی
رازی چوک، پونہ-۱

ہے اور ان آزمائشوں میں کامیابی کے بعد ہی زندگی کی رعنائیوں کے حصول کا امکان ہے۔

فردوسِ مسرت کی تحصیل نہیں آساں
دنیا کو گذرنا ہے دوزخ کے مراحل سے

ماہ و انجم بوقتِ عزمِ سفر
میری راہوں کی دھول ہوتے ہیں

غم اُٹھانے کی تھی جس میں طاقت
ساتھ اُس کا دیا زندگی نے

رازؔی کا دل ایک دردمند دل ہے جس میں خلوص اور سچائی کے علاوہ کچھ نہیں۔ وہ انسانوں کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ وہ انسانیت اور ہمدردی کے علاوہ تمام رشتوں کو فضول اور بے کار محض گردانتا ہے۔ وہ تعلقات محض انسانیت اور دردمندی پر استوار رکھنا چاہتا ہے۔

دردمندی کے ماسوا رازؔی
سارے رشتے فضول ہوتے ہیں

ہندو کوئی تو کوئی مسلماں ہے آج بھی
انسان کی تلاش میں انساں ہے آج بھی

رازؔی کو اس پیری میں بھی اپنے عشق و عاشقی کا زمانہ یاد ہے یہاں تک کہ اگر ان کے محبوب کو اپنے حسن پر ناز تھا تو رازؔی کو بھی اپنی نوجوانی پر ناز تھا۔

حسن میں تم ہی بے مثال نہ تھے
ہم بھی یکتا تھے نوجوانی میں

رازؔی کا محبوب سے اندازِ تخاطب بہت ہی پیارا ہے یہاں تک کہ کلامِ رازؔی کا مطالعہ کرنے والا کسی حسین وادی میں کھو جاتا ہے۔

دل مہکتا ہے آج بھی رازؔی
کتنی خوشبو تھی رات رانی میں

رازؔی نے رات رانی کہہ کر اپنے محبوب کو یاد کیا ہے۔ رات رانی کا تصوّرِ ادنیٰ بھی قلب و جگر کو فرحاں و شادماں کر دیتا ہے۔ اس کی حقیقت سے اہلِ ہند خصوصاً واقف ہیں، اہلِ عرب ایسے موقعوں پر قرنفل وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔

رازؔی اپنے عشق کا حال پردۂ راز میں رکھنا چاہتا تھا تاکہ رسوائی سے بچ سکے۔ وہ عشاق کی بدنام فہرست میں نہیں آنا چاہتا تھا مگر رازؔی کی ظالم نگاہ نے سارا راز فاش کر دیا۔

راز اُلفت کا چھپایا تھا مگر اے رازؔی
کیا کریں جب نگہہِ شوق نمایاں کر دے

رازؔی کو اپنے جانِ محفل اور آبروئے مجلس ہونے کا کس قدر اعتبار ہے۔

رنگینیٔ محفل سب رہ جائے دھری ساقی
اُٹھ جائے اگر رازؔی منہ پھیر کے محفل سے

آج کل ہر شخص مہمانِ خصوصی بننے کا دعویدار ہے۔ ہر شخص کرسی و اقتدار کا بھوکا ہے۔ ہر

شخص بڑے پن کا دیوانہ ہے لیکن یہ بڑے پن کا حصول عوام کی خدمت کے ذریعے نہیں بلکہ چمچوں اور ابن الوقتوں کی مدح سرائی کے ذریعہ۔ اس رویے سے رازؔی کو سخت نفرت ہے اس بات پر اس کا اعتقاد ہے کہ بڑے پن کا حصول قوم کی خدمت اور حسن عمل کے ذریعے حاصل کرنا چاہیے۔

عظمتِ ہستی سے ہے حسنِ عمل کا واسطہ
لوگ رہتے ہیں پریشاں کیوں بڑے پن کے لیے

رازؔی بھی دوست دشمن کی ایک اچھی تعداد رکھتا ہے لیکن اس کا رویہ دونوں کے ساتھ یکساں ہے۔ وہ تفریق کو پسند نہیں کرتا بلکہ اس کی ہمدردیاں دوست دشمن دونوں کے لیے عام ہیں۔

ہے وہی دستور میرا اپنے دشمن کے لیے		دوستوں کے واسطے ہوتا ہے جو حسنِ سلوک

کلامِ رازؔی کے مطالعہ سے اس بات کا شدت سے احساس ہوتا ہے کہ رازؔی ایک زندہ دل انسان ہے۔ وہ آلام ومصائب سے بالکل نہیں گھبراتا۔ وہ کٹھن سے کٹھن موقعوں پر جہاں صبر وضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے وہاں بھی رازؔی صبر وتحمل کا ایک مرقع نظر آتا ہے۔ اس کا ہر شعر جہدِ مسلسل اور سعیٔ پیہم کا نمائندہ ہے۔ وہ زندگی سے مایوس نہیں لیکن زندگی کو کھیل بھی نہیں سمجھتا۔ وہ ہر غم اور ہر مصیبت برداشت کرنے کو تیار ہے مگر جرأتمندانہ طریقہ سے، اسے اس بات کی چنداں ضرورتِ فکر نہیں کہ لوگ کیا کہیں گے، دیوانہ یا ناعاقبت اندیش۔

ہوں گے وہ اور جو حالات سے ڈر جاتے ہیں		ہم کو معلوم ہیں جینے کے سلیقے رازؔی
مجھ سے کیا جرم ہوا مجھ کو بتاؤ تو سہی		ہر سزا مجھ کو گوارا ہے پر اس سے پہلے
دیوانہ ہوں دیوانے سے اُلجھا نہیں کرتے		بہتر ہے کہ ہٹ جاؤ مری راہ گذر سے
پھر بھی جینے کا حوصلہ ہے ابھی		زندگی یوں تو جان لیوا ہے

رازؔی کا کہنا ہے کہ عوام کی پریشانیوں، مصیبتوں کا حل صرف حکومت کے پاس ہی نہیں ہے بلکہ اس کا اعتقاد ہے کہ ہم سب مل جل کر ایک ہوجائیں اور ایک دوسرے کی مصیبتوں کو سمجھنے کی کوشش کریں تو یہ آلام ومصائب کے بادل خود بخود چھٹ جائیں گے۔

انسانوں کی مشکل ہم		دور کریں گے مل جل کر

حکیم رازؔی خارجی دنیا سے بےخبر نہیں ہے بلکہ سیاست سے اچھی طرح واقف ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ ہندوستان نے آزادی کی بہار حاصل کرلی لیکن وہ پھولوں کی اُداسی پر ماتم کناں ہے۔

وہ امنِ عالم کے لٹیروں کو خوب پہچانتا ہے، وہ حکّامِ وقت کو ہر سازش، ہر فساد اور ہر اُودھم کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے اور اس کو اس میں باک نہیں محسوس ہوتا۔

میں موسمِ بہار پر کیا تبصرہ کروں　　گلشن میں پھول پھول کا چہرہ اُداس ہے
اسکائی لیب اور یہ ایٹم کی برکتیں　　دنیا کے گوشے گوشے میں خوف و ہراس ہے
طوفانِ غم سے پار لگے گی یہ کس طرح　　کشتی کا ناخدا ہی اگر بدحواس ہے

لیکن رازؔی ترکِ گلشن کا مشورہ نہیں دیتا بلکہ بڑے پیار سے سمجھاتا ہے۔

بہر صورت اگر رہنا ہے اپنے ہی نشیمن میں　　تو پھر مانوس ہونا ہی پڑے گا برق و باراں سے

حکیم رازؔی اُردو زبان کا شیدائی ہے۔ وہ اُردو زبان کی دل آویزی کا قائل ہے لیکن ساتھ ہی اُردو طبقے سے نالاں ہے۔ وہ یومِ غالبؔ منانے والوں سے شکوہ بھی کرتا ہے جس کی کارروائی دعوتِ طعام سے آگے نہیں بڑھتی ہے۔

'یومِ غالبؔ' جو مناتے ہو مناؤ لیکن　　کوئی اُردو کا بھی منشور بناؤ تو سہی

رازؔی اُردو کے مستقبل سے مایوس نہیں بلکہ اس میں ارتقا کی رمق محسوس کرتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ ارتقا کے تمام عناصر اس زبان میں موجود ہیں لیکن وہ تحقیق و تنقید کو معیارِ اصلی قرار دیتا ہے۔

یہ گلشنِ اُردو ہے خزاں آئے گی کیوں کر　　اُردو کی زمیں خیر سے زرخیز بہت ہے
بے لاگ بنو اور اسے معیار پہ جانچو　　اُردو کا ہر اک لفظ دلآویز بہت ہے

حکیم رازؔی قدیم خاک نشینوں کی یادگار ہیں۔ وہ پرانی قدروں کے نہ صرف محافظ بلکہ اس کی عملی تفسیر نظر آتے ہیں۔ پونہ جیسے ماڈرن شہر میں آج بھی وہ دوسرے میرؔ نظر آتے ہیں بلکہ اپنی وضع قطع اور ہیئت جسمانی سے ان پر غالبؔ کا دھوکہ ہوتا ہے۔

نظامِ میکدہ قائم ، یونہی خدا رکھے　　پرانی طرز کے اب تک ایاغ ہیں محفوظ

غرض کہ کلامِ رازؔی میں تخیل کی بلندی بھی، شوخی و سنجیدگی بھی، حسن و عشق کی روایت بھی، عصری آگہی بھی اور جذبات کی بالیدگی بھی ہے۔ کبھی کبھی طبّی رموز بھی ان کے اشعار میں جھلکتے نظر آتے ہیں۔

جگر کی حرارت کو تسکین بخشے　　یہ صندل کا شربت بھی اکسیر کیا ہے

اگر قلمی شورے کو پانی سے پی لو نکالے یہ پتھری یہ تقطیر کیا ہے
رہوگے توانا جو کم کھاؤ رازؔی یہی ایک نسخہ ہے اکسیر کیا ہے

حکیم رازؔی جہاں ایک ممتاز شاعر ہیں وہیں ایک کامیاب طبیب بھی۔ ایشیا کی مردہ پرستی کے پیشِ نظر رازؔی کو سمجھنے میں کچھ وقت لگتا ہے، خود رازؔی کو اس کا احساس ہے۔

ابھی ہیں سیکڑوں پردے تکلم پر تبسم پر سمجھنے کی طرح رازؔی کو اہلِ دل کہاں سمجھے

غرض کہ ڈاکٹر خنداںؔ کی زبان میں حیاتِ رازی کا دو مقصد واضح طور پر نظر آتا ہے۔

یہی ہیں زندگی کے اپنے دو مقصد فقط خنداںؔ حسینوں کو دعا دینا ، مریضوں کو دوا دینا

رشید قاسمی جلگانوی

سنگ و آہن - پونہ کے قلعہ میں اُردو کی گونج

'سنگ و آہن' پر کچھ کہنے سے قبل یہ اعتراف ضرور ہوجاتا ہے کہ پونہ اُردو کے تخلیقی ادب کے لیے کچھ زیادہ سازگار نہیں۔ یہاں بڑی عمدہ درسی کتابیں تو شائع ہوتی ہیں لیکن نثری اور شعری مجموعے شاذ و نادر ہی منظر عام پر آتے ہیں۔ اس کتاب کے نقد و تبصرہ کے ذیل میں، مَیں اس اعتراف کو اہمیت دیتا ہوں۔

داغؔ، سیمابؔ، شفاؔ اور محوی صدیقی کی طرح حضرتِ ادیبؔ کے لاتعداد تلامذہ ملک بھر میں علم و ادب کا نور پھیلا رہے ہیں۔ حکیم رازیؔ صاحب نے اپنے مجموعۂ کلام 'سنگ و آہن' کا انتساب اپنے اُستاد حضرتِ ادیبؔ کے نام کیا ہے جس سے اُن کی عقیدت مندی اور سعادت مندی کا اظہار ہوتا ہے۔

حضرت ادیبؔ مالیگانوی، حضرت عتیق احمد عتیق، ڈاکٹر عصمت جاوید اور جناب نذیرؔ فتح پوری نے ہر زاویے سے سنگ و آہن اور حکیم رازیؔ ادیبی کی شخصیت پر بھرپور روشنی ڈالی ہے۔ ماسوا کیا کہا جاسکتا ہے؟ ہاں - اگر کچھ کہا ہی جائے تو یہ کہنا مناسب ہوگا کہ ادھر پچھلے کچھ عرصہ سے جدید لب و لہجہ کے کئی شعری مجموعے منظر عام پر آئے، جن میں زبان فہمی کے کمالات، زبان و ادب کی خدمت کے دعوے اور خود ستائی کے جلوے قدم قدم پر نظر آجاتے ہیں ...... سنگ و آہن میں کوئی لسانی پیچیدگی نہیں، دعوے داری نہیں، بلکہ سلاست اور سادگی اس مجموعے کی نمایاں خصوصیت ہے۔ وہ توحید اور رسالت کا اقرار بھی اسی طرح کرتے ہیں جیسے کسی فکری رجحان کی عکاسی کر رہے ہیں۔ حمد اور نعت اس کی بیّن مثال ہے! گو حضرت رازیؔ کسی تحریک کے زیرِ اثر نہیں لیکن مجموعے کے صفحہ صفحہ پر روایت ترقی پسندی اور (کچھ کچھ) جدیدیت پسندی کے نشان مل جاتے ہیں یعنی وہ عصبیت کے قائل نہیں اور روشن خیالی کو ادب میں نہ صرف ضروری سمجھتے ہیں بلکہ اسے برتتے بھی ہیں۔

تدبیر سدا راہ کا پتھر ہی بنی ہے — کیوں لوگ مقدر پہ بھروسہ نہیں کرتے
اساتذہ نے نہ چھوڑا کوئی تخیل بھی — کہاں سے لائیں مضامین شاعری کے لیے
سن کے رازؔی کی غزل اک دیدہ ور نے کہہ دیا — احتیاطِ فن ہے لازم صاحبِ فن کے لیے
ہم کو تنقیص کا ہے خوف نہ تنقید کا غم — اہلِ فن ، فن کی کسوٹی پہ نکھر جاتے ہیں
بستیاں آباد کرتا ہے مٹانے کے لیے — کس قدر تخریب سے مانوس انساں ہوگیا

مندرجہ بالا اشعار میں روایتی پن چمک جاتا ہے اور اب مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ کیجیے۔

دور کریں گے مل جل کر — انسانوں کی مشکل ہم
اپنی عظمت کو فقیروں نے اگر جان لیا — تاج چڑھ جائیں گے نیلام پہ سلطانوں کے

ترقی پسند ذہن کی واضح رواں شعروں میں موجزن نہیں اور اب مانوتا واد کے وجود کا اظہار بھی دیکھ لیجیے۔

دردمندی کے ماسوا رازؔی — سارے رشتے فضول ہوتے ہیں
ہندو کوئی تو کوئی مسلماں ہے آج بھی — انسان کی تلاش میں انساں ہے آج بھی

اور روایتی طرز میں سہی، قلمی کاوشوں کو اس سے اچھا خراج پیش بھی کیا جاسکتا ہے۔

جب قلم خونِ جگر سے تر بتر ہوجائے گا — شہر پتھر کا اجنتا کا نگر ہوجائے گا

کیا آج ہم، تعلیم یافتہ طبقہ کی جاہلانہ روش سے متاثر ہوکر یہ کہنے پر مجبور نہیں، ع:

وہیں چھڑتی ہے رازؔی جہل کی بات — جہاں پر علم کا چرچا بہت ہے

اور جب شاعری کی فکر میں روایت شکنی درآتی ہے تو یوں تغزل کا نزول ہوتا ہے۔

رازؔی یہ زندگی بھی کوئی زندگی ہے جو — پابند، رسم و نذرِ روایات ہوگئی

ہاں! ان کے اس خیال سے ہم متفق بھی ہوں، ضروری نہیں۔

اساتذہ نے نہ چھوڑا کوئی تخیل بھی — کہاں سے لائیں مضامین شاعری کے لیے

عام شعرا کی طرح رازؔی بھی خود آگہی کے اظہار سے منکر نہیں۔

حقیقتوں کی یہ تلخی ، اُصول کی سختی — کوئی بھی ہو نہ سکا مل کے شادماں ہم سے

رسائل اور اخبارات و کتب کی تعدادِ اشاعت نیز کھپت کے پس منظر میں رازؔی صاحب کا یہ

شعر تعجب خیز بھی ہے عبرتناک بھی۔

یہ گلشنِ اُردو ہے خزاں آئے گی کیوں کر　　　اُردو کی زمیں خیر سے زرخیز بہت ہے

یہ تو ہوا شاعرِ موصوف کے ستھرے روایتی یا ترقی پسندانہ لہجے کا عام سا جائزہ، 'سنگ و آہن' میں چونکا دینے والی بات دراصل اب شروع ہوگی۔ یہی بات حکیم رازؔی ادیبی کے آئندہ شعری سفر کا سنگِ میل ثابت ہوگی۔ اس باب میں عصری حسیت، نیا شعری اسلوب اور خوش آئند پیش گوئی بھی ہے۔

کچھ نتیجہ ضرور نکلے گا　　　بات کا کوئی سلسلہ تو چلے

ہم کو پڑھئے جہاں سے جی چاہے　　　ایک کردار ہیں کہانی میں

اسکائی لیب اور یہ ایٹم کی برکتیں　　　دنیا کے گوشہ گوشہ میں خوف و ہراس ہے

جو دن بھی نکلا وہ روزِ حساب کا نکلا　　　کہ لمحے لمحے میں صدیوں کا فاصلہ نکلا

ظاہری طور پر کتاب ہر عیب سے پاک ہے۔ گٹ اپ، کتابت اور طباعت سب کچھ شاندار ہے۔ نفاست ہر صفحہ سے جھلکتی ہے۔ اگر اس میں تھوڑی سی (ایک آنچ کی) کسر رکھ دی جاتی تو قیمت کچھ نیچے اُتر سکتی تھی، اس حساب میں تو بیس روپے زیادہ قیمت نہیں، قیمتیں کم ہوں، کتابیں کتب خانوں میں نہیں، ہاتھوں میں محفوظ ہوں، اس کا خیال نوعمر فنکاروں کو نہ سہی ...... حکیم رازؔی صاحب جیسے جہاندیدہ اصحابِ فکر کو رکھنا ضروری ہے ...... میرے خیال میں 'سنگ و آہن' پونہ کے تاریخی میدان میں غریب اُردو کی ایک بیباک اور بلند آواز ہے جس کی پذیرائی بہرحال اُردو والوں پر لازم ہے۔

❊❊❊❊

ڈاکٹر ایم. آئی. ساجد- یادل

حکیم رازؔی ادیبی - صدی کا آدمی

حکیم رازؔی ادیبی صاحب کی پروقار، پر بہار اور پرکشش شخصیت کو مدنظر رکھتے ہوئے مجھے بیک وقت دو شعر بے ساختہ یاد آرہے ہیں۔ ایک تو نریش کمار شادؔ نے کہا تھا اور کیا خوب کہا تھا۔

بارے دنیا میں رہو شاد یا ناشاد رہو　　　ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

اور ڈاکٹر اقبالؔ کا یہ شعر بھی اپنی مثال آپ ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

درج بالا دونوں اشعار کا اطلاق حکیم رازؔی ادیبی پر خوب ہوتا ہے۔

حکیم رازؔی ادیبی ......ایک مخلص و دوراندیش انسان، ہنستا مسکراتا خوبصورت چہرہ، گندمی رنگ، منحنی بدن، سر پر درویشانہ ٹوپی، خوش رنگ سفید داڑھی، سفید لمبا کرتا پجامہ، چہرے کے نقش و نگار ملائم و صبیح، لمبا قد اور آواز میں گھنگھناہٹ۔ یہ سراپا ہے حکیم رازؔی ادیبی کا جو عمر کی چھیانوے بہاریں دیکھ چکے ہیں اور ایک صدی کا تقاضہ پورا کرنے جارہے ہیں (خدا میری دعا قبول کرے) حکیم پھر حکیم ہی ہوتا ہے۔ اس طویل العمری میں بھی زندگی کے شب و روز کیسے گزارنا چاہیے اچھی طرح جانتا ہے ورنہ اس عمر میں لوگ یا تو کوچ کر جاتے ہیں یا پھر بستر سے لگ کر اللہ اللہ کرتے رہتے ہیں۔ لیکن حکیم صاحب بڑے عزم اور مزے سے سائیکل کی سواری کرتے ہوئے ساچاپیر اسٹریٹ پر اپنے چھوٹے سے مطب میں حسبِ معمول آتے ہیں، تمام چیزیں بڑے سلیقے اور قرینے سے لگاتے ہیں اور پھر مریضوں کی شفایابی میں جٹ جاتے ہیں۔

حکیم رازؔی ادیبی صاحب کی شخصیت میں کچھ ایسی کشش ہے کہ جو بھی ان سے ایک بار مل

لے پھر وہ ہمیشہ کے لیے ان کا گرویدہ ہو جاتا ہے کہ خلوص و محبت اور مروّت ان کے رگ رگ سے طلسمی شعاعوں کی طرح پھوٹتی رہتی ہیں۔

میری پہلی ملاقات ان سے یہی کوئی ۸۴-۱۹۸۳ء میں ساچا پیر اسٹریٹ پر اُن کے مطب میں ہوئی تھی جب میں بال بھارتی اُردو بورڈ کے تین روزہ ورک شاپ میں کتابوں پر تجزیے کے لیے آیا تھا اور قیام بھی ساچا پیر اسٹریٹ کی جمی لاج میں تھا۔ حکیم صاحب سے ملاقات کا پہلا ہی نقش کچھ اتنا گہرا تھا کہ آج تک اس حصار سے نکل پایا ہوں نہ اس کی خواہش ہے۔

میری ہی طرح پتہ نہیں ہندوستان اور بیرونِ ملک سے کتنے ہی ادبا، شعرا، دانشور اور مختلف مکتبۂ فکر کے معروف و غیر معروف اشخاص حکیم صاحب کے چھوٹے سے مطب کے بینچ اور تختے پر بیٹھ کر ان کی مہمان نوازی اور شعری و ادبی گفتگو کا لطف اٹھا چکے ہیں اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔ وہی مسکراہٹ، وہی خلوص، وہی مہمان نوازی اور وہی مقناطیسیت کا جادو۔ اس موقع پر مجھے اپنا ہی ایک شعر یاد آ گیا کہ۔

شاید خلوص و پیار کی معراج ہے یہی — نکلے زباں سے لفظ تو لعل و گہر ہوئے

صدی کے اس آدمی میں نہ جانے کتنے آدمی بستے ہیں اور اس ایک چہرے پر نہ جانے کتنے ہی چہرے لگے ہیں۔

وہ ایک سیدھے سادے، سچے اور نیک انسان بھی ہیں۔ گھریلو ذمہ داریوں سے بھی نبرد آزما ہوتے ہیں۔ ایک فطری و کامیاب شاعر بھی ہیں۔ اپنے روحانی پیشوا اور پیر و مرشد محترم الحاج محمد عبدالغفور بخش اللہ اشرفی صاحب (برہانپوری) سے بھرپور عقیدت بھی رکھتے ہیں اور ہر سال برہانپور جا کر اپنی بے پناہ عقیدت کا ثبوت بھی دیتے ہیں۔ مرحوم ادیب مالیگانوی کے نہ صرف سچے شاگرد ہیں بلکہ ان سے قرابت داری بھی رکھتے ہیں۔ گاہے گاہے شاگرد ہونے کا حق بھی ادا کرتے رہتے ہیں۔ حکیم صاحب نے صحافتی خدمات بھی انجام دی ہیں۔ ماہنامہ 'اسباق' سے الگ ہونے پر کامیابی کے ساتھ ایک بڑے عرصے تک ماہنامہ 'تکلم' کو زندہ رکھا اور نمبر بھی نکالے۔ کئی شعری مجموعوں کے خالق ہیں۔ حمد، نعت و منقبت میں مہارت رکھتے ہیں۔ علمِ عروض پر دسترس رکھتے ہیں، شاگردوں کے کلام پر اصلاح بھی کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ حکیم رازؔی ادیبی صاحب ایک بہترین خطّاط بھی ہیں۔ انھوں نے گاہے گاہے جو خطوط راقم الحروف کو لکھے ہیں وہ خطّاطی کا بہترین نمونہ ہیں۔ بقول

مدیر 'اسباق' پونہ ''وہ پیشہ ور خطاط نہیں ہیں لیکن فنِ خطاطی کے تمام اصولوں سے واقف ہیں، کتابت کی نزاکتوں اور باریکیوں کا علم رکھتے ہیں، ان کی مکتوب نگاری قابلِ رشک ہوتی ہے۔''

(ماہنامہ 'اسباق' ص:۶، جنوری ۲۰۰۵ء، پونہ)

۱۹۹۲ء میں حکیم رازؔی صاحب کا ادبی خدمات کے اعتراف میں پچاس سالہ جشن بھی بتایا گیا جو بے حد کامیاب رہا۔ اسی طرح ۸۳-۱۹۸۴ء میں انھیں مسلم بینک پونہ کا وائس چیئر مین بھی نامزد کیا گیا۔ حکیم رازؔی صاحب صوفیانہ مسلک سے وابستہ ہیں۔ ساتھ ہی طب و حکمت سے لوگوں میں صحت بھی تقسیم کرتے ہیں اور یہی اُن کے روزگار کا وسیلہ بھی ہے۔ خدا جانے اس ایک مسکراتے چہرے پر اور کتنے چہرے ہوں گے جو نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ غرض یہ کہ حکیم رازؔی ادیبی اپنی ذات میں خود ایک مکمل انجمن ہیں، ایک تنظیم ہیں، ایک ادارہ ہیں۔ حکیم رازؔی ادیبی ایک ایسے دیدہ ور و فعال شخص کا نام ہے جو صدیوں سے جنم لیتا ہے۔

حکیم رازؔی ادیبی صاحب کی بے پناہ محبت، خلوص، سادہ مزاجی اور اپنائیت کا ایک واقعہ مجھے یاد آ گیا۔ ۲۰۰۵ء میں روزنامہ 'انقلاب' کے ادبی صفحے پر میری غزل شائع ہوئی۔ حکیم صاحب نے فوراً مبارکبادی کا خط لکھ کر غزل کی تعریف کی اور برملا لکھا کہ آپ کی غزل کا مطلع ویسے تو بہت خوب ہے لیکن اس کا مصرعہ ثانی اگر یوں کر دیں تو اور زیادہ خوبصورت بن جائے گا۔ میری غزل کا مطلع تھا۔

چاندی کی طرح ہے نہ یہ سونے کی طرح ہے
دنیا مری مٹھی میں کھلونے کی طرح ہے

حکیم صاحب نے کہا اس طرح کر دیں (مصرعہ ثانی)
'دنیا مرے ہاتھوں میں کھلونے کی طرح ہے'

اس خوبصورت ترمیم پر میں نے فوراً حکیم صاحب کو شکریہ کا خط لکھا۔

جیسا کہ میں اوپر ذکر کیا حکیم رازؔی ادیبی کی ایک شخصیت میں کئی شخصیتیں سانس لیتی نظر آتی ہیں لیکن ادبی اعتبار سے ان کی شناخت ایک فطری و کامیاب شاعر کی حیثیت سے اظہر من الشمس ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ایک طویل عرصے سے شعرگوئی کی طرف راغب ہیں۔ ان کے کلام میں کلاسیکی و روایتی انداز کے ساتھ ساتھ دَورِ جدید کے تقاضوں کی بازگشت بھی سنائی

CHIEF MINISTER

MAHARASHTRA

Mantralaya, Bombay 400 032

Date

18 MAR 1981

جناب حکیم رازی ادیبی صاحب

مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ پونے کے علمی مرکز سے دو ماہی رسالہ "اسباق" کا وسط مئی ۱۹۸۱ء سے اجراء ہو رہا ہے۔

میں اس موقع پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے امید کرتا ہوں کہ "اسباق" قارئین کی علمی، ادبی اور سماجی معلومات میں اضافہ کرنے کا باعث ہوگا اور انکی دلچسپیوں میں اضافہ کرے گا۔

مخلص

(عبدالرحمن انتولے)

جناب حکیم رازی ادیبی
پونے-۱

دیتی ہے۔ اس لیے ان کے کلام پر ہم کسی مخصوص تحریک کا لیبل نہیں لگا سکتے۔ صاف ستھری، عمدہ، اخلاقی و مقصدی شاعری ان کا وصف رہا ہے۔ خصوصاً ان کی غزلیں پڑھنے والے کو اپنی طرف متوجہ کرلیتی ہیں۔ حکیم صاحب کے شعری سفر کا آغاز بچوں کی نظمیں لکھنے سے ہوا۔ بقول حکیم رازیؔ :

''اسکول کے زمانے ہی سے شاعری کی ابتدا ہوچکی تھی، اس زمانے میں دہلی اور بجنور سے بچوں کے دو پرچے 'غنچہ' اور 'پھول' شائع ہوتے تھے، میری نظمیں ان میں اکثر شائع ہوتی تھیں۔''

(ماہنامہ 'اسباق'، ص: ۸، جنوری ۲۰۰۵ء، پونہ)

اُردو میں غزل کل بھی مقبول تھی، آج بھی ہے اور کل بھی تابناک ہے۔ آیئے چلتے چلتے حکیم رازیؔ صاحب کی غزلوں کے کچھ چنندہ اشعار ذہن نشین کرلیں۔

کردیتی ہے ان لوگوں کو تاریخ فراموش
جو اپنے اصولوں کی حفاظت نہیں کرتے

ہم جیت کے شیدائی کسی طرح گوارا
ہارے ہوئے لشکر کی قیادت نہیں کرتے

جنگ نفرت کی چھڑی ایسی وطن زخمی ہے
ایک دو گھاؤ نہیں سارا بدن زخمی ہے

دردمندی کے ماسوا رازیؔ
سارے رشتے فضول ہوتے ہیں

ہم کو پڑھئے جہاں سے جی چاہے
ایک کردار ہیں کہانی میں

منصور مزاجی کی بدولت یہ ہوا حال
اسباق نے رازیؔ کو سرِ دار کیا ہے

ہم نے جو رختِ سفر باندھ لیا باندھ لیا
اور ہوگا کوئی رستے میں ٹھہرنے والا

فریبِ دوستی سو بار کھاکر
کسی پر پھر بھروسہ کررہا ہوں

دشمنی کے کئی کردار ہوا کرتے ہیں
جاں نثاروں میں بھی غدار ہوا کرتے ہیں

تیز تر دھوپ ہے مسائل کی
حوصلہ سائبان جیسا ہے

اُسے چھو لینا یعنی خواب میں تتلی پکڑنا ہے
قریب آتے ہی وہ خوشبو کی صورت پھیل جاتا ہے

دعا ہے کہ یہ گھنا پیڑ یوں ہی تھکے ماندے لوگوں کے سروں پر سایہ فگن رہے۔

***

ڈاکٹر زبیر احمد قمؔر دیگلوری

حکیم رازؔی - فکر وفن کے آئینے میں

اک ہمارے دم سے ہیں دنیا کی ساری رونقیں ہم اگر مرجائیں گے سونا نگر ہوجائے گا
ماہر ہوں اپنے فن کا میں اپنے کمال کا پتھر کو بولنے کا ہنر دے کے جاؤں گا

درج بالا اشعار اُردو کی عظیم المرتبت شخصیت الحاج حکیم رازؔی ادیبی اشرفی صاحب کے ہیں۔ اِن اشعار کے مفہوم پر غور کرنے کے بعد راقم الحروف نے ان کے تمام شعری مجموعوں کا مطالعہ اس لیے کیا کہ واقعی یہ بزرگ اپنے فن کے ماہر ہیں یا خیال برائے خیال جیسی شاعری ہے۔

یمین السلطنت آصفجاہی مہاراجہ سرکشن پرشاد شادؔ ایک طویل عرصے تک سلطنتِ آصفیہ میں وزیر اعظم رہے۔ دیوانِ قمؔر پر مہاراجہ نے اُردو میں تقریظ لکھی ہے اور قمؔر کی شاعری کی داد دیتے ہوئے ایک جگہ مہاراجہ لکھتے ہیں:

''تمھاری بیاض کا ہر ایک مصرعہ روانی میں چلتی ہوئی تلوار ہے اور ہر ایک لفظ چبھتا ہوا نشتر اور ہر ایک حرف افتر وختم اخگر اور ہر ایک کلمہ پھڑکتا ہوا شعلہ ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اِس بیاضِ عاشقان کو حرزِ جان بناؤں اور اپنے دلِ شیدا کو عمر بھر معانی کا تصویر خانہ ٹھہراؤں۔''

درج بالا تقریظ کا ہر لفظ حضرت حکیم رازؔی ادیبی صاحب کی شاعری پر مکمل طور پر منطبق ہوتا ہے۔

دکن کے مایہ ناز شاعر سکندر علی وجدؔ نے ایک جگہ لکھا ہے:

''تمام فنونِ لطیفہ کی طرح شاعری بھی بڑا ریاض چاہتی ہے۔ اعلٰی شاعری کی منزل تک پہنچنے کا کوئی آسان اور قریب کا راستہ نہیں ہے، برسوں کی محنت،

مشق اور مطالعے کے بعد اچھا شعر کہنے کا سلیقہ آتا ہے۔''

حضرت الحاج حکیم رازؔی ادیبی اشرفی صاحب نے بڑی محنت، ریاضت اور مشقت کے بعد اپنا مقام بنایا ہے۔ رازؔی صاحب بڑی اعلیٰ صلاحیتوں کے شاعر ہیں۔ انھوں نے اپنے فن کے ہیروں کی تراش خراش اور اُن کی آب و تاب نکھارنے میں بڑے خلوص اور انہماک سے ریاضت کی ہے۔ حکیم رازؔی ادیبی صاحب کا کلام درحقیقت کلامِ بلاغت نظام ہے۔

(۱) ارمغانِ نعت، (۲) سرود بخش اللہ، (۳) سنگ و آہن، (۴) جہانِ سنگ، (۵) رگِ سنگ، (۶) کاروانِ سنگ ان کے شعری مجموعے ہیں۔

حکیم رازؔی ادیبی صاحب سے میں گزشتہ دس برسوں سے غائبانہ متعارف ہوں اور مختلف رسائل میں ان کا کلام شائع ہوتا ہے اور ان ہی رسائل میں ان کا کلام پڑھتا رہتا ہوں۔ بزرگ شعرا کے حلقوں میں جو تذکرے ہوتے ہیں اُن میں حکیم رازؔی صاحب کا نام بھی نہایت ادب واحترام سے لیا جاتا ہے۔ حضرت رازؔی صاحب سے جب مراسلت ہوئی تو اُن کی تحریر سے اور ان کے ذریعے ارسال کردہ شعری مجموعوں کے اشعار سے یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ ایک کہنہ مشق قادر الکلام نعت، منقبت اور غزلوں پر مبنی شاعری کا خالق حکیم بھی ہے اور شاعر بھی ہے۔ قطعۂ تاریخ و تاریخ گوئی کا ماہر ہے۔ ماہنامہ 'اسباق' کے حکیم رازؔی ادیبی اشرفی کے گوشہ سے یہ بات واضح ہوئی کہ حضرت رازؔی مرنجانِ مرنج شخصیت کا نام ہے جو ایک حرف چوطرف کے مصداق ہے۔ مجھے ان کے درجِ ذیل غزل کی لفظیات اور تخیل بے حد پسند آئے۔ اِس غزل کے تمام اشعار حضرتِ رازؔی صاحب کے تجربے و مشاہدے پر مبنی ہے جن میں ناصحانہ رنگ ہے اور خطیبانہ لہجہ بھی ہے۔ غزل۔

جو بھی در پہ آئے گا — ہم سے دعا لے جائے گا
تو نے کانٹے بوئے ہیں — پھول کہاں سے پائے گا
جس نے دل توڑا میرا — من ہی من پچھتائے گا
چشمِ بصارت کھونے والے — راہ کہاں سے پائے گا
تن کر چلنا چھوڑ بھی دے — ورنہ ٹھوکر کھائے گا
حق کا طوفاں اُٹھے گا — دنیا پر چھا جائے گا
دنیا والے ڈھونڈیں گے — رازؔی جب مر جائے گا

شاعر بننے کے لیے جو چیزیں اجزائے ترکیبی کی حیثیت سے ناگزیر ہیں وہ رازؔی صاحب کے اندرون میں بھی بقدرِ وافر موجود ہیں اور باہر سے بھی فراہم ہوئیں۔ مثلاً مزاجِ موزوں، دلِ حساس، طبع دردمند، نگاہِ ژرف بیں، اُردو و فارسی زبان و ادب اور عروض و رموزِ فن کا معتد بہ علم، ادبیاتِ عالیہ کا مطالعہ...... اتنی ساری چیزوں کی فراہمی کے بعد وہ اچھے شاعر نہ بنتے تو حیرت کی بات ہوتی۔ مخصوص لب و لہجہ اور منفرد انداز میں وہ بہت اچھا کلام کہتے ہیں جو بعض اوقات دل کو چھوتا اور روح میں اُتر جاتا ہے۔ اِمروز و فردا پر محیط ان کی شاعری وارداتِ قلبی کا مناسب و موزوں اظہار ہوتی ہے۔

'سنگ و آہن' کے یہ اشعار مجھے بے حد پسند آئے۔

اے حسیں جس راہ سے تیرا گذر ہوجائے گا
ذرّہ ذرّہ خاک کا شمس و قمر ہوجائے گا

شہر پتھر کا اجنتا کا نگر ہوجائے گا
جب قلم خونِ جگر سے تربتر ہوجائے گا

رازؔی صاحب کی زبانِ اُردو سے بے پناہ عقیدت و محبت ملاحظہ کیجیے۔

یہ گلشنِ اُردو ہے خزاں آئے گی کیوں کر
اُردو کی زمیں خیر سے زرخیز بہت ہے

بے لاگ بنو اور اُسے معیار پہ جانچو
اُردو کا ہر اک لفظ دِل آویز بہت ہے

بادِ خزاں سے دور رہے گا سدا بہار
اُردو زباں کا ایسا شجر دے کے جاؤں گا

'یومِ غالبؔ' جو مناتے ہو مناؤ لیکن
کوئی اُردو کا بھی منشور بناؤ تو سہی

اُردو زبان کی سب سے مقبولِ عام صنف غزل ہے۔ غزل کا جادو کل بھی سر چڑھ کر بولتا تھا اور آج بھی بولتا ہے۔ یہ ایسی صنفِ شاعری ہے جس کی کشش اور شگفتگی سب کے دلوں کو مسحور کرلیتی ہے۔ غزل، غزال صفتی سے لے کر غزال گزیدگی تک کے تمام مراحل کو اپنے اندر سمیٹنے کی خوبیوں سے مالامال ہے۔ اس صنف کا کمال یہ ہے کہ یہ اپنے قارئین کو جتنی مسرت بخشتی ہے اتنی ہی بصیرت بھی عطا کرتی ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ شاعری جذبات کا نہیں جذبات کی تہذیب کا نام ہے۔ جب شاعر کے جذبات و احساسات اور افکار و خیالات غزل کا پیکر اختیار کرتے ہیں تو قارئین کے دل اپنے آپ اس کی اثر پذیری قبول کرلیتے ہیں۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ آج کی سیاسی فضا نے اُردو زبان کا قافیہ تنگ کردیا ہے۔ ایسے میں اُردو کے شیدائیوں کا گیسوئے اُردو میں چاند ستارے ٹانکنا خوشگوار کیفیت سے ہم آہنگ کردیتا ہے۔ تخلیقِ فن کا معاملہ اکتسابی اور فیضانی سے زیادہ وجدانی

اور عرفانی ہوتا ہے۔ یہ شعوری کوشش کی شکل میں آورد کا شکار ہوکر اِنقباضِ تاثیر کا سبب بن جاتا ہے تو آمد کی موَاجی اُس کے حسن میں چار چاند لگا دیتی ہے۔ غزل اور غزلیہ تہذیب کی وادی اِتنی پُرکشش ہوتی ہے کہ ہر کوئی وارفتہ ہوکر اُس میں اُتر جاتا ہے لیکن یہ بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ اس وادیٔ گل پوش کی سیر کرنے والوں میں کتنے لوگوں کو جمالیاتی شعور کا اِدراک تھا اور کتنوں کو نہیں تھا۔ غزل ایک مرغوب لیکن مشکل ترین صنفِ شاعری ہے۔ اسی لیے آل احمد سرور نے غزل کو 'چاول پر قل ھو اللہ' لکھنے سے تعبیر کیا ہے۔ بظاہر سادہ آسان، دل کش اور سبک نظر آنے والا یہ فن بباطن تفکر، تخیل تعمق، تجمل، تدبر اور تحمل کا متقاضی ہوتا ہے۔ الحاج حکیم رازؔی ادیبی کی شاعری زندگی کے رویّوں کی سچی عکاسی کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا فن فسوں کاری کا شکار نہیں ہوا ہے۔ ان کا اندازِ فکر، ان کا اسلوب اور شعرگوئی کا طریقہ سادہ ہونے کے ساتھ ساتھ دلنشیں بھی ہے جسے ہم سادگی میں پُرکاری سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ وہ اپنے احساسات و جذبات اور تجربات و مشاہدات کو اپنی شاعری کے پیکر میں ڈھالتے ہیں جس سے وہ گذر چکے ہیں۔ اُن کے فن میں جو سچائی ہے وہ اُن کے مختلف تجربات و مشاہدات کی اکائی ہے۔

شاداب و پُر بہار رہے گا مرا کلام — رازؔی غزل کو خونِ جگر دے کے جاؤں گا

حکیم رازؔی ادیبی اشرفی کی غزلیات کے مختلف متفرق اشعار مختلف کیفیات کے غمّاز ہیں۔

میں نے اللہ کو جس وقت پکارا رازؔی — میری ہر ایک مصیبت ہوئی پارہ پارہ

دوستوں کے واسطے ہوتا ہے جو حسنِ سلوک — ہے وہی دستور میرا اپنے دشمن کے لیے

سن کے رازؔی کی غزل اِک دیدہ ور نے کہہ دیا — احتیاطِ فن ہے لازم صاحبِ فن کے لیے

ہم کو تنقیص کا ہے خوف، نہ تنقید کا غم — اہلِ فن، فن کی کسوٹی پہ نکھر جاتے ہیں

کاشی سے کچھ اُمید نہ کعبے کی آس ہے — بندہ نواز میرا خدا میرے پاس ہے

دلوں میں یہ نفرت، یہ تحقیر کیا ہے؟ — اہنسا کی بھارت میں توقیر کیا ہے؟

غم اپنا دِکھانے کو اب جائیں کہاں یارو — ہر شہر میں پتھر کے انساں نظر آئے

دستور یہی دیکھتے آئے ہیں ازل سے — اچھوں کو زمانے نے بہت خوار کیا ہے

فریب، مکر، خوشامد، رِیا، دروغ، ہوَس — ان ہی سہاروں پہ دنیا میں کام چلتا ہے

اپنا اپنا ظرف ہے یہ بھی، کچھ مے کش پُرجوش رہے
ساقی کی بدمست نظر سے، کچھ پی کر خاموش رہے

اپنے اُستاد حضرت ادیبؔ مالیگانوی سے اپنی فرمانبرداری اور عزیز ترین شاگرد ہونے کا ثبوت ملاحظہ ہو۔

ہاتھ میں آیا ہے رازیؔ دامنِ فیضِ ادیبؔ
یہ اُنہیں کا فیض ہے کہ شاعری بھی آ گئی

حب الوطنی پر مبنی شعر ملاحظہ کیجیے۔

ضرورت پر بہایا ہے، بڑھاپے میں جوانی میں
ہمارا خون شامل ہے وطن کی پاسبانی میں

خدا کی نعمتوں کا اعتراف ملاحظہ کیجیے۔

جس کو توفیق خدا دیتا ہے اس دنیا میں
گرتے گرتے بھی وہ انسان سنبھل جاتا ہے

بزرگوں کی دعاؤں کی اہمیت رازیؔ صاحب یوں پیش کرتے ہیں۔

فیض جاری ہے بزرگوں کی دعاؤں کا ابھی
کوئی طوفان بھی اُٹھتا ہے تو ٹل جاتا ہے

غریبوں کی دعاؤں کی اہمیت کو رازیؔ صاحب یوں پیش کرتے ہیں۔

لو غریبوں کی دعائیں کہ دعاؤں کے طفیل
ہم نے دیکھا ہے مقدر بھی بدل جاتا ہے

اپنے اسلاف کے کارناموں پر مبنی روایت کے بارے میں رازیؔ صاحب کا یہ خیال بہت اہم ہے۔

صلیب و دار پہ اکثر وہ جھول جاتی ہے
''جو قوم اپنی روایت کو بھول جاتی ہے''

حکیم رازیؔ ادیبی کے تجربات و مشاہدات پر مبنی چند سبق آموز اشعار ملاحظہ کیجیے۔

بھولے سے بھی ہم اُن کی حمایت نہیں کرتے
جو ظلم تو سہتے ہیں بغاوت نہیں کرتے

کردیتی ہے اُن لوگوں کو تاریخ فراموش
جو اپنے اصولوں کی حفاظت نہیں کرتے

ہوتی نہیں جن لوگوں میں ایمان کی تابش
وہ روئے منور کی زیارت نہیں کرتے

محشر کا جنھیں خوف ہوا کرتا ہے یارو
وہ لوگ امانت میں خیانت نہیں کرتے

جس حال میں بھی رکھے خدا شکر ہے رازیؔ
ہم اپنے مقدر کی شکایت نہیں کرتی

حکیم رازیؔ ادیبی اشرفی صاحب کے دو نعتیہ شعری مجموعوں کا مطالعہ کرنے کے بعد راقم الحروف اِس نتیجے پر پہنچا کہ حضرتِ امام اہلسنّت رضا خان فاضلِ بریلویؒ کے عشقِ نبی سے شعاعِ عشق لے کر حبِ نبیؐ میں مست ہو کر نعت خوانی کی ہے۔ آپ کے نعتیہ مجموعۂ کلام میں وہ سب کچھ ہے جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اولیائے اسلام کی محبت و شان میں ہونا چاہیے اور کیوں

نہ ہو، آپ اشرفی سلسلے سے ہیں۔ شریعت، طریقت، معرفت، تصوف یہ سب کچھ آپ کے ان دو نعتیہ شعری مجموعوں میں ہے؛ ارمغانِ نعت اور سرودِ بخش اللہ کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے ؎

ہیں وہ ذرّے بھی پُر انوار مدینے والے — جن کو حاصل ہے ترا پیار مدینے والے
چشمِ بینا ، دلِ بیدار مدینے والے — تیرے فیضانِ کرم سے ہوئے رازؔی کو عطا
تمھارے نام ہی پر ہے گذارا یا رسول اللہ — سگِ دربارِ اشرف ہوں کرم کیجیے کرم کیجیے

بحرِ متقارب سالم میں رازؔی صاحب کی نعت کے دو شعر ملاحظہ کیجیے ؎

دو عالم کے تم ہو سہارا محمدؐ — تمھیں عاصیوں نے پکارا محمدؐ
جدائی کے لمحے گوارا نہیں ہیں — مدینہ بلالو خدارا محمدؐ

رازؔی صاحب کی نعتیہ شاعری کی روشنی میں راقم الحروف کی یہ رائے ہے کہ ایک باعمل متقی و پرہیزگار جن کا قلب حبِ نبی و اولیائے اسلام سے پُر صوفی منش انسان کے احساساتِ قلبی اور کیفیاتِ قلبی لغت، منقبت اور سلام کے روپ میں خدا نے اپنے حبیب کے صدقے میں رازؔی صاحب کے ذریعے قرطاس پر بکھیر دیے ہیں۔ غزل ہو یا نعت، حمد و مناقب رازی صاحب نے اپنی اعلیٰ فن کاری کے نمونے پیش کیے ہیں۔ زبان و بیان پر قدرت ہے۔ ایک قادر الکلام کہنہ مشق پختہ خیال استاد شاعر کہلانے کے وہ مستحق ہیں۔

'کلامِ رازی' کا عروضی تجزیہ' کے عنوان پر تحقیقی مضمون لکھنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ رازؔی صاحب نے کن بحور کو برتا۔ آیا وہ عام طور پر برتی جانے والی بحریں ہیں یا سنگلاخ بحروں میں بھی طبع آزمائی کی گئی ہے۔ ان کے علاوہ ان کے قطعۂ تاریخ پر ان کے مادّۂ تاریخ پر بھی طویل مضمون تحریر کرنے کی ضرورت باقی ہے۔

اپنے مضمون کو مزید طویل نہ کرتے ہوئے میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ قلم کے ذریعے اُردو کی خدمت رازی صاحب نے کی ہے۔ مسلسل لکھتے جارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے میں دعا گو ہوں کہ وہ اسی طرح صحت مند رہتے ہوئے اُردو کی خدمت میں لگے رہیں اور ہم جیسے نوجوان اُن سے حوصلہ پاتے رہیں۔

عبدالسمیع بوبیرے - مدیر صبح اُمید، ممبئی

حکیم رازؔی ادیبی

پونہ کے حکیم رازؔی ادیبی سے جب ملاقات ہوئی تو خیال تھا کہ یہ عام حکیموں کی طرح 'حکمتِ عملی' سے کام لیں گے لیکن محترم رازؔی صاحب کے یہاں ایک نہیں کئی حکمتیں دیکھی۔ پہلی حکمت کہ وہ حکیم ہیں۔ حکمت کا راز جاننے پر رازیؔ ''رازی دواخانہ'' ہیں۔ اس ضمن میں وہ مریضوں کی دُکھتی رگ پکڑتے ہیں۔ خدا نے ان کے ہاتھوں میں شفا دی ہے، اس لیے مریض شفایاب ہوتا ہے۔ دوسری حکمت ان کی یہ ہے کہ اگر مریض یا دوست احباب پریشان ہوں تو پھر گل افشانئ گفتار سے اچھا کرتے ہیں۔ اور اگر اس پر بھی اثر نہ ہوا تو تیسری حکمت پر عمل پیرا ہوتے ہیں یعنی شاعری۔ ان کی شخصیت اور شاعری کا یہ اثر ہوتا ہے کہ کوئی جانا بھی چاہے تو جا نہیں سکتا۔ حکیم صاحب کے شگفتہ و مرصع کلام سے ہر ایک محظوظ ہوتا ہے اور اس پر بھی کسی دل جلے یا دل کے مارے کا مداوا نہیں ہوتا تو محترم حکیم رازؔی صاحب اخیر میں یہ کہتے ہیں کہ

ایماں شکن ہیں گرچہ زمانے کے حادثات　　　رازؔی رضائے حق پہ ہوں ثابت قدم ابھی

رازؔی صاحب اپنی تصویر سے جتنے پابندِ وضع لگتے ہیں ملاقات پر بھی آپ ان کی وضعداری کو محسوس کریں گے۔ رازؔی صاحب کا دواخانہ جہاں مریضوں کی شفایابی کا مرکز ہے وہیں تشنہ کامانِ ادب کی پیاس بجھانے کا مرکز بھی۔ ایک حکیم رازؔی شہرہ آفاق تھے، ہمارے حکیم رازؔی ادیبی صاحب زبان وادب، شعروسخن کی قابلِ قدر خدمت پونہ جیسے غیرادبی ماحول میں (بمبئی کے مقابلے میں) کررہے ہیں۔ شعری نشستیں، کبھی کبھار مشاعرے اور کوی سمّیلن (اُردو، ہندی، مراٹھی، گجراتی) میں رازؔی صاحب، ان کے شاگرد اور پونہ کے دیگر شعرا حضرات پرچمِ اُردو لے کر شرکت کررہے ہیں اور اُردو شاعری کو مقبولیت بھی غیراُردو داں طبقے میں حاصل ہے۔

حکیم صاحب کا نام محمد رجب محمد سلیمان ہے۔ تخلص رازؔی ہے۔ ۱۰ر فروری ۱۹۲۰ء کو ایولہ ضلع

ناسک میں پیدا ہوئے۔ آبائی وطن مبارک پور ضلع اعظم گڑھ ہے۔ آپ کے آبا و اجداد ۱۸۵۷ء کے غدر میں وطن چھوڑ کر مہاراشٹر کے مختلف علاقوں میں سکونت پذیر ہوگئے۔ رازؔی صاحب کی تعلیم ایولہ میں ہوئی۔ موصوف نے اجمل طبیہ کالج امرتسر سے امتحان دے کر عمدۃ الاطباء کی سند حاصل کی۔ شاعری کی ابتداء چوتھی جماعت ہی سے ہوچکی تھی۔ اس وقت بجنور (یوپی) کے 'غنچہ' اور 'پھول' میں آپ کی نظمیں شائع ہوئی تھیں۔ ۱۹۴۰ء میں پونہ آئے اور یہاں آ کر طبابت شروع کردی جو آج تک جاری ہے۔ پہلے مرحوم سرشار کسمنڈوی (جانشین علاّمہ محوی صدیقی لکھنوی مرحوم) سے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ ان کے انتقال کے بعد حضرتِ ادیبؔ مالیگانوی سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔

رازؔی صاحب کی تحریر بڑی نفیس ہے اور بڑے اچھے خوش نویس بھی ہیں۔ اچھا کہتے ہیں۔ رازؔی صاحب کا کلام اکثر اخبارات و رسائل میں شائع ہوتا ہے۔ پونہ میں شعرا حضرات میں ان کا دم غنیمت ہے۔ رازؔی کے چند منتخب اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

دفترِ اسرار و معنی ہے ہمارا حرف حرف
یاد رکھے گا زمانہ ہم سے دیوانوں کی بات

یہ کیا دستور ہے، کیسا چلن ہے، ریت ہے کیسی
خطا کوئی کرے الزام اہلِ دل کے سر آئے

ہے جن کے پھولوں کی خوشبو ہنوز عطر فشاں
کمالِ علم و ہنر کے وہ باغ ہیں محفوظ

مٹانا چاہتے ہیں صورتِ حرف غلط اس کو
مرے نقشِ تمنا کو بھی وہ اُردو زباں سمجھے

ایک کانٹا بھی جو ہوتا ہے چمن میں پامال
چشمِ گل شدتِ احساس سے تر ہوتی ہے

جسے احساس ہو وسعت کا اپنی
سمندر سے وہی قطرہ بہت ہے

بن گیا وہ ساری دنیا کے لیے وجہِ نشاط
مثلِ بوئے گل جو عالم میں پریشاں ہوگیا

ابھی ہیں سیکڑوں پردے تکلم پر تبسم پر
سمجھنے کی طرح رازؔی کو اہلِ دل کہاں سمجھے

جب سے ان کا جلوہ دیکھا
رازؔی خود کو بھول گیا ہے

ساقی ہم رندانِ ازل کی شبنم سے کیا پیاس بجھے
فطرت کی آزاد فضا میں برسوں دریانوش رہے

شاغلؔ ادیب (ایم اے) - حیدر آباد

'کاروانِ سنگ' میری نظر میں

مہاراشٹر میں بمبئی، اورنگ آباد، مالیگاؤں اور ناگپور کی طرح پونہ بھی اُردو شعر و ادب کا ایک اہم مرکز ہے۔ حکیم رازیؔ ادیبی پونہ کے شعری و ادبی حلقوں میں اپنی ایک شناخت رکھتے ہیں۔ آپ کا شعری و ادبی سفر ۱۹۳۵ء سے جاری ہے۔ آپ کو 'مالیگاؤں' (مہاراشٹر) کے نامور اُستادِ سخن فخرِ مہاراشٹر، ادیب الملک حضرتِ ادیبؔ مالیگانوی سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ زیرِ نظر شعری مجموعہ 'کاروانِ سنگ' سے پہلے آپ کے دو شعری مجموعے 'سنگ و آہن' اور 'رگِ سنگ' شائع ہو کر بے حد مقبول ہو چکے ہیں۔ علاوہ ازیں ان کی نعتوں اور منقبتوں کا ایک مجموعہ 'سرودِ بخش اللہ' بھی شائع ہو چکا ہے۔

کاروانِ سنگ میں ایک حمد، دو نعتیں، ایک سلام، تین نظمیں اور سو غزلیں شامل ہیں۔ 'کاروانِ سنگ کے مطالعے سے یہ بات صاف کھلتی ہے کہ حکیم رازیؔ ادیبی کی طبیعت غزل کی جانب شدت سے مائل ہے۔

اُردو غزل کے تعلق سے جناب اخترؔ انصاری اپنی تصنیف 'غزل اور غزل' کی تعلیم میں لکھتے ہیں: ''غزل ایک ایشیائی شاعری کی مقبول ترین صنف ہے اور ادھر کئی سالوں سے ہماری شاعری کی روحِ رواں بنی ہوئی ہے۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہو کہ ابھی کچھ دنوں تک اُردو شاعری اور غزل دو مترادف چیزیں تھیں مگر موجودہ دَور میں اُردو شاعری نے گنگناتے غزل کی حدود سے تجاوز کر کے بیان کے لیے نو بہ نو وسعتیں اور اظہار کے لیے تازہ بہ تازہ پہنائیاں ایجاد کی ہیں۔''

اُردو غزل نے امیر خسروؔ سے آج تک ترقی و ارتقا کی اَن گنت منزلیں طے کی ہیں۔ غزل میں کبھی روایت پسندی، کبھی ترقی پسندی، کبھی جدیدیت اور کبھی مابعد جدیدیت کی تحریکیں اور رویّے

MINISTER OF STATE FOR
Education, Protocol and Aukaf
GOVERNMENT OF MAHARASHTRA
Mantralaya, Bombay 400 032

مورخہ 23 ستمبر 1985

مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی ہے کہ مراٹھی زبان کے مرکز پونے سے اردو کا ایک موقر ماہنامہ "اسباق" گزشتہ تین سالوں سے شائع ہو رہا ہے جسکے لئے اسباق ٹرسٹ مبارک باد کا مستحق ہے۔ مزید خوشی اس بات کی بھی ہے کہ اسباق کا تیسرا سالنامہ، شاعرِ حیات حضرت ادیب مالیگانوی کی پچاس سالہ ادبی خدمات کے اعتراف میں شائع کیا جا رہا ہے۔

مجھے امید ہے کہ یہ خصوصی شمارہ ہر طرح سے حضرت ادیب مالیگانوی کی ادبی خدمات پر ایک دستاویز کی حیثیت اختیار کرے گا۔

نیک خواہشات کے ساتھ

مخلص
جاوید خان
(پروفیسر جاوید خان)

بخدمت حکیم رازی ادیبی
572 ، ساچا پیر اسٹریٹ
پونے - 411001

عام رہی ہیں۔ حکیم رازؔی ادبی بھی اپنی طویل عمر میں ادب کی ان تمام تحریکوں اور رویّوں سے گزرے ہیں۔ لیکن انھوں نے اپنی غزل کو کسی خاص تحریک یا رویہ کا شکار ہونے نہیں دیا۔ البتہ حکیم رازؔی کی غزل روایت و جدت کا ایک حسین امتزاج رکھتی ہے جسے شعری و ادبی حلقے قدر و احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

ابتدا ہی سے اُردو شاعری کو قومی یکجہتی اور بھائی چارگی کے پیام کو تقویت پہنچانے کا شرف حاصل ہے۔ اس سلسلے میں صوفیائے کرام کی خدمات کو بھی بھلایا نہیں جاسکتا۔ اس موضوع پر حکیم رازؔی کے دو شعر ملاحظہ کیجیے ؎

کاش قائم بھائی چارہ کی فضا ہو ملک میں   آج بھی تو دل میں جاری نفرتوں کی جنگ ہے
یوں جڑیں کھوکھلی کرتا ہے وطن کی ہر شخص   جیسے اس ملک کا باشندہ نہیں ہے کوئی

جدید غزل کا دامن اتنا وسیع ہے کہ اس میں ہمہ اقسام کے مضامین، ہمہ اقسام کے موضوع کو بآسانی سمویا جاسکتا ہے۔

تاریخ کے موضوع پر رازؔی صاحب کے یہ اشعار دیکھیے ؎

سبب پسپائی کا اس کے سوا کچھ ہو نہیں سکتا   ہمارے بیچ کوئی میر صادق میر جعفر ہے
آج یہ حال ہے محکوم بنے ہیں ورنہ   ہم نے صدیوں اسی دنیا پہ حکومت کی ہے
جن کو تاریخ کے اوراق نے محفوظ کیا   گود میں ماضی کی ایسے بھی پڑے ہیں کچھ لوگ

حکیم رازؔی کی غزلوں میں ضرب الامثال اور محاوروں کا استعمال بھی خوب ہے۔ یہ شعر دیکھیے ؎

آستیں کے سانپ نکلے دوستوں کو کیا کہوں   زندگی بھی ڈس رہی ہے مجھ کو ناگن کی طرح

دلّی کی تاریخی اہمیت اور اس پر غیر ملکیوں اور فرنگیوں کے حملوں کی وجہ سے اس کے اُجڑنے اور برباد ہونے کا ماتم ہمارے بیشتر متقدمین کے یاں ملتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دلّی کئی بار اُجڑی اور کئی بار بسی۔ اس ضمن میں رازؔی صاحب کا شعر دیکھیے ؎

لاکھ طوفانِ حوادث نے اُجاڑا ، لوٹا   پھر بھی دلّی کی طرح ہم ہیں کہ بس جاتے ہیں

کس نے کہا ہے کہ اگلے وقتوں کی شاعری اگلے لوگوں کے ساتھ ختم ہوگئی لیکن ایسا قطعی نہیں ہے۔ ماضی کے عظیم فنکاروں (میرؔ، غالبؔ) کا فن آج کے شعرا کے ذہنوں میں اب بھی جگمگاتا

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

ہے۔ دَورِ جدید کے شعرا آج بھی اگلے وقتوں کی شاعری سے متاثر ہیں۔ رازؔی صاحب کے دو شعر ملاحظہ فرمایئے۔

شاہ و گدا میں فرق کیا، کوئی نہ چھوٹا اور بڑا — میری نظر میں جامِ جم، جامِ سفال کی طرح
ہے دلِ محزوں کی دھڑکن شعر میں — سوچئے تو میرؔ کے انداز پر

آزادی کے بعد اُردو زبان کو اس کے وطن میں تاخت و تاراج کرنے کی سعیٔ ناکام جاری ہے مگر اُردو اتنی سخت جان ہے کہ لاکھ ستم سہنے اور لاکھ زخم کھانے کے باوجود آج بھی زندہ ہے، بقیدِ حیات ہے۔ اُردو کے موضوع پر رازؔی صاحب کے چند اشعار ملاحظہ فرمایئے۔

یہ گلشنِ اُردو ہے خزاں آئے گی کیوں کر — اُردو کی زمیں خیر سے زرخیز بہت ہے
مٹانا چاہتے ہیں صورتِ حرفِ غلط اس کو — مرے نقشِ تمنا کو بھی وہ اُردو زباں سمجھے

سچائی زندگی کی بنیاد ہے۔ انسان کو چاہیے کہ سچائی کو اپنی زندگی کا نصب العین بنائے۔ سچ کے عمل میں تسکین ہے لیکن سچائی کے راستے میں قدم قدم پر کٹھنائیوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

رات کو رات کہا اس میں برائی کیا تھی؟ — اپنے ہاتھوں میں لیے آپ جو پتھر آئے

مگر ان کٹھنائیوں اور مشکلات کے باوجود بھی کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو سچائی کے راستے میں اپنی جان بھی دے دیتے ہیں۔

سب باطل کے طرف دار ہیں، ایسا تو نہیں — امن و انصاف کی خاطر بھی لڑے ہیں کچھ لوگ

بارش جہاں رحمت ہے وہاں زحمت بھی ہے۔ کئی چھتیں ٹپکتی ہیں، کئی دیواریں بیٹھ جاتی ہیں لیکن ان ساری زحمتوں کی پروا کیے بغیر حضرتِ رازؔی اس کی رحمت ہی کا لطف اُٹھاتے ہیں۔

دیوار کا ہے رنج نہ چھت کا ملال ہے — بارش سے کچھ نہ کچھ تو ہمارا لگاؤ تھا

تعلیمی و تدریسی حلقوں میں، شعری و ادبی اداروں میں استادوں اور شاگردوں کا رشتہ اپنے دامن میں گلہائے عقیدت و احترام لیے ہوئے ہوتا ہے۔ ہر شاگرد اپنے مشفق استاد کی جی جان سے قدر کرتا ہے۔ حکیم رازؔی نے بھی اپنے استاد کے احترام میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی۔ یہ اشعار دیکھیے۔

اُستاد محترم ہو جو کوئی ادیبؔ سا — کیا فکر جو کلام ہو مشکل لیے ہوئے

یہ انھیں کا فیض ہے کہ شاعری بھی آ گئی　　ہاتھ میں آیا ہے رازؔی دامنِ فیضِ ادیبؔ

عام طور پر کوئی فنکار، کوئی ادیب، کوئی شاعر مکمل طور پر آسودہ حال نہیں ہوتا۔ مزید برآں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ فرمائشِ فن کی تکمیل پر اس کے ہاتھ بھی کاٹ دیے جاتے ہیں کہ وہ کوئی اور برتر فنی مظاہرہ نہ کر سکے۔

رازؔی یہ پوچھتا ہے مرا ذوقِ شاعری　　آسودۂ حیات کوئی اہلِ فن بھی ہے
فنکار سدا موردِ الزام ہوا ہے　　کٹتے ہوئے دیکھے ہیں یہاں دستِ ہنر بھی

دَورِ حاضر، اضطراب، کرب و درد، آگ اور فساد، کشمکش اور حشر ساماں کیفیات اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ رازؔی صاحب کے ذیل کے اشعار انھیں کیفیات کی عکاسی لیے ہوئے ہیں۔

کل یہی میرا چمن سرسبز تھا، شاداب تھا　　گوشہ گوشہ جل رہا ہے آج ایندھن کی طرح
سکونِ قلب و جگر اب کہاں سے حاصل ہو　　ہر ایک شخص یہاں اضطراب میں گم ہے
تیز کتنے ہیں فسادات کے شعلے یارو　　بند کمروں میں بھی اب لوگ جھلس جاتے ہیں
نفرت کی آگ شہر میں اس طرح بڑھ گئی　　دامن بچا تھا صبر کا، اب وہ بھی جل گیا
داد کے قابل ہے یہ تہذیب کا لطف و کرم　　موت سے پہلے ہی مرجانا اب آساں ہوگیا

بہرحال حکیم رازؔی ادیبی ایک کامیاب غزل گو شاعر ہیں۔ ان کی غزلیں سادگی و پرکاری کی اچھی مثال پیش کرتی ہیں۔ ان کی غزلیں روایت اور جدیدیت کا حسین امتزاج رکھتی ہیں۔ ان میں داخلیت بھی ہے اور خارجیت بھی۔ ان میں ذاتی یا شخصی شعور سے اجتماعی شعور تک پہنچنے کا ہنر موجود ہے۔ آخر میں ان کا ایک مقطع سماعت فرمائیے۔

سن کے رازؔی کی غزل اِک دیدہ ور نے کہہ دیا
احتیاطِ فن ہے لازم صاحبِ فن کے لیے

رازؔی ادیبی کی غزلیں ان کی فنی احتیاط انھیں صاحبِ فن بنا دیتی ہے۔ میں حکیم رازؔی ادیبی کو ان کے شعری مجموعہ 'کاروانِ سنگ' کی اشاعت پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اُمید ہے کہ حلقۂ شعر و ادب میں اس کی خوب پذیرائی ہوگی۔

اپنے وقتوں کے ہیں یہ لوگ ....

شروع مئی کی کوئی تاریخ، تین سوا تین کا عمل، دھوپ میں تیزی، شدت کی گرمی، دھوپ کی حدت سایوں کو بھی دبوچ رہی تھی۔ میں اور عمران، ڈاکٹر اشفاق انجم کے ہمراہ بھکّو چوک سے گذر کر مشاورت چوک کی جانب بڑھ رہے تھے۔ ابھی ہم لوگ مسجد سے کچھ ہی آگے بڑھے ہوں گے کہ اچانک سامنے سے ایک بڑے میاں نے بڑے تپاک سے ہاتھ اُٹھا کر سلام کیا۔ ڈاکٹر انجم صاحب سے نہایت اخلاص اور محبت سے مصافحہ کیا۔ پھر اسی اپنائیت سے ہم لوگوں سے بھی ہاتھ ملایا۔ ان کے چہرے پر چھدری سی خشخشی داڑھی جس کے سارے کے سارے بال سفید، سفید پاجامہ، سفید کرتہ، اس پر کالی لیکن صاف ستھری اچکن زیب تن کیے ہوئے۔ سر پر کالی اونچی دیواروں والی گول ٹوپی، لہجے میں حلاوت اور ملائمت۔ ڈاکٹر انجم صاحب سے زیادہ دنوں بعد ملنے پر تھوڑا سا شکوہ لیکن اس اچانک ملاقات پر اس سے زیادہ خوشی کا اظہار۔ ڈاکٹر انجم صاحب چونکہ ہم لوگوں پر بڑی شفقت کرتے ہیں ہم لوگوں کا ان سے تعارف کرایا ''ان سے ملئے۔ یہ ہیں حکیم رازؔی صاحب۔''

حکیم رازؔی ادیبی کا نام میں نے پہلے بھی سن رکھا تھا۔ شہر کے اخبارات میں اکثر ان کی غزلیں دیکھی تھیں۔ پونہ سے نکلنے والا رسالہ 'اسباق' بھی میرے لیے نیا نہ تھا۔ حکیم صاحب کی ادارت میں نکلنے والا یہ رسالہ اپنے مقام اور ادبی رتبے میں کسی اور ادبی جریدے سے کم نہ تھا لیکن حکیم رازؔی سے ملاقات کا پہلا اتفاق تھا۔ دبلے پتلے، مرنجاں مرنج لیکن پہلی ہی ملاقات میں قدیم اشراف گھرانوں کی شرافت کا احوال جو کتابوں میں پڑھ رکھا تھا اپنے سامنے حکیم رازؔی کی صورت میں مجسم دیکھ رہا تھا۔

رازؔی صاحب کسی شادی کی تقریب میں شرکت کی غرض سے مالیگاؤں آئے ہوئے تھے اور اب اسی مقصد کے لیے نکلے تھے کہ راستے میں ہم سے ملاقات ہوگئی۔ انھوں نے اس کا ذکر کیا لیکن

ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ہوجانے پر ان کے ساتھ چلنے پر تیار ہوگئے۔ ڈاکٹر صاحب نے انھیں ایسا کرنے سے باز رکھا اور کہا کہ آپ شادی میں شریک ہولیں پھر فرصت پایئے تو آیئے گا ہمیں آپ کا انتظار رہے گا۔ رازؔی صاحب نے مذکورہ شادی کے لیے کچھ اشعار قلمبند کیے تھے۔ رقعہ لفافے میں رکھ کر اچھی طرح چسپاں کر چکے تھے لیکن ڈاکٹر صاحب کو اپنی تازہ تخلیق دِکھانے کے لیے لفافے کو چاک کر ڈالا۔ مجھے خیال گزرا کہ شاعرانہ دادطلبی کا مرض عود کر آیا ہے۔ شاعروں سے متعلق میرا سوئے ظن تھا لیکن تھوڑی ہی دیر بعد مجھے اپنے ہی خیالات پر شرمندگی ہونے لگی۔ ڈاکٹر صاحب نے اشعار دیکھے، داد بھی دی لیکن ایک جگہ ایک مصرعے پر انھوں نے بڑے سلجھے ہوئے مؤدبانہ انداز میں نشان دہی کی کہ یہاں گرہ پڑتی ہے۔ رازؔی صاحب نے غور کیا اور فوراً اپنی کوتاہی اور اپنے شعر کے نقص کو مان لیا۔ نہ اُدھر رازؔی صاحب کے یہاں کسرِ شان سمجھنے کی غلط فہمی تھی نہ اِدھر ڈاکٹر انجم صاحب کے رویے سے فن پر گرفت اور علم دانی کا رعب ڈالنے کا احساس ہوتا تھا۔ یہ دو بڑے لیکن معاملات میں اخلاص و انکسار برتنے والے انسانوں کی علمی معاونت تھی۔ ادب کی پُرخلوص خدمت! اس واقعے سے جہاں میرے دل پر حکیم رازؔی کی وسیع المشربی اور انکساری کا اثر ہوا وہیں مجھے یہ اندازہ بھی ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کو اپنے فن پر کس قدر عبور اور قدرت ہے اور کیسا بیدار ذہن رکھتے ہیں۔

حکیم رازؔی کا وہ مکمل شعر تو اب میرے ذہن میں محفوظ نہیں رہا لیکن ان کا وہ مصرعہ کچھ اس طرح تھا جس میں گرہ پڑی تھی ؎

شاد اب زندگی رہے رازؔی کی ہے دعا

ڈاکٹر انجم صاحب نے مصرعے کو اس طرح تبدیل کردیا تھا کہ ؎

شاداب تو سدا رہے رازؔی کی ہے دعا

شاعروں اور ادیبوں کی حاضر دماغی اور فی البدیہہ اشعار کے واقعات کتابوں میں تو بکثرت ملتے ہیں لیکن میرے لیے یہ پہلا موقع تھا کہ ایسے کسی واقعے کا میں چشم دید تھا۔ اس کا میرے دل پر بہت اثر ہوا اور کیوں نہ ہو۔ اپنے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انھیں کچھ نہ کہو۔

(۲۸ جون ۱۹۹۳ء۔ ''افق'' ویکلی مالیگاؤں سے)

شکیل گوالیاری

'کاروانِ سنگ' اور حکیم رازی

حکیم رازیؔ ادیبی اشرفی صاحب کا نام دنیائے ادب میں محتاجِ تعارف نہیں۔ آپ ایک طبیبِ حاذق، شاعرِ اعلیٰ صفات اور ایک سنجیدہ و باوقار جریدے (تکلم) کے کامیاب ترین مدیر ہیں۔ 'کاروانِ سنگ' کے نام سے حکیم رازیؔ صاحب کا دلآویز مجموعۂ کلام حال ہی میں شائع ہوکر منظر عام پر آیا ہے، جو نہ صرف موصوف کی شاعرانہ عظمت اور فنکارانہ چابکدستی کا مظہر ہے بلکہ اُن کی روشن اور دُھلی منجھی شخصیت کا بھی آئینہ ہے۔ ایک ایسی شخصیت جو حیات و کائنات کے تعلق سے عہدِ حاضر کے دانشورانہ مغالطے کا شکار نہیں ہے۔ جس کی سوچ خودساختہ سوالوں میں اُلجھ کر نہیں رہ گئی۔ یہاں مبہم مبہم سی خود کلامی ہے اور نہ بے رنگ سپاٹ بیانیہ۔ سادگی میں پُرکاری کا طلسم ہر شعر میں نمایاں ہے۔ فکر کی بلندی، احساس کی گہرائی، اخلاقی قدروں کی پاس داری اور عصری آگہی کے ساتھ غزل کی تہذیب کا رکھ رکھاؤ 'کاروانِ سنگ' کی ایسی خصوصیت ہے جو متاثر کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔ سب سے پہلے جو چیز متاثر کرتی ہے وہ شاعر کی خود اعتمادی ہے کہ ایک بھی توصیفی مضمون اِس مجموعے میں شامل نہیں ہے۔ مقدمہ کے عنوان سے پورے صفحے پر بس ایک جملہ -'اللہ بس باقی ہوس' شاعر کے فن و شخصیت کا واضح اور مکمل اشاریہ ہے۔ اس سے زیادہ جامع مقدمہ ہو بھی نہیں سکتا۔

حکیم رازیؔ صاحب کی سوچ پوری طرح اسلامی ہے (ہونا بھی چاہیے)۔ لہجے میں اصلاحی تیور بہ آسانی تلاش کیے جاسکتے ہیں۔ نوعِ انساں کو اس کی حقیقی منزل کی طرف رہنمائی کو وہ اپنا فرضِ منصبی سمجھتے ہیں لیکن اِس کے لیے جو طرزِ سخن اختیار کرتے ہیں وہ خطیبانہ کم اور شاعرانہ زیادہ ہوتا ہے۔ مثلاً یہ شعر دیکھیے۔

لوگ بے ساختہ بڑھ جاتے ہیں دنیا کی طرف
کوئی عقبیٰ کی طرف پاؤں بڑھاتا ہی نہیں

اِس شعر میں 'پاؤں بڑھانے' اور 'بے ساختہ بڑھ جانے' میں جو فرق ہے وہ اظہار و بیان پر

کامل دسترس کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ کئی جگہ عصری حقائق کو بڑے تیکھے اور کاٹ دار لہجے میں بیان کیا۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ۔

بات ہو حق کی تو چپ رہتی ہے ساری دنیا
یعنی ہو جاتے ہیں یاروں کے دہن پتھر کے

کل کچھ نہ جاننے کی سزا پا رہے تھے ہم
اب آگہی بھی اپنے لیے اک صلیب ہے

داد کے قابل ہے یہ تہذیب کا لطف و کرم
موت سے پہلے ہی مرجانا اب آساں ہوگیا

اُدھر تعمیر مندر کی پڑی ہے
اِدھر اپنی حکومت سو رہی ہے

اِسی طرح کے موضوعات وہ ہیں جن کے بغیر آج کی غزل کا تصور ممکن نہیں لیکن غزل کی شاعری میں بہت کچھ ماورائے عصر بھی ہوتا ہے۔ یہ وہ نقوش ہوتے ہیں جو کبھی دھندلے نہیں پڑتے۔ یہاں آ کر شاعر صرف شاعر ہوتا ہے۔ قدامت و جدیدیت، قنوطیت و رجائیت کے تمام جھگڑے بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ حکیم رازؔی صاحب کی غزل کا یہ پہلو بڑا جاندار ہے اور بے پناہ گہرائی اپنے اندر رکھتا ہے۔ بطورِ نمونہ چند اشعار نذرِ قارئین ہیں ۔

ہمارے دل میں جو اپنوں کے داغ ہیں محفوظ
بجھے بجھے ہیں مگر سب چراغ ہیں محفوظ

نظامِ میکدہ قائم ، یونہی خدا رکھے
پرانی طرز کے اب تک ایاغ ہیں محفوظ

پوشیدہ رکھو زخمِ جگر بوالہوسوں سے
گفتارِ زمانہ نمک آمیز بہت ہے

میں نے جو کہا باغ میں ہے جشنِ بہاراں
صیاد نے کاٹی ہے مری بات بھی پر بھی

قید کیوں لکھی ہے تقدیر میں تنہائی کی
دوست ہوتا کوئی میرا کوئی دشمن ہوتا

اور تو کچھ نہیں ہوتا ہے مآلِ تدبیر
صرف اپنا ہی کیا سامنے آجاتا ہے

اپنا سب کچھ لٹا کے بیٹھے ہیں
لوگ جن کو فقیر کہتے ہیں

برمحل منہ سے جو نکلتا ہے
اہلِ دل اُس کو تیر کہتے ہیں

اُسے چھوُ لینا یعنی خواب میں تتلی پکڑنا ہے
قریب آتے ہی وہ خوشبو کی صورت پھیل جاتا ہے

المختصر 'کاروانِ سنگ' کی شاعری ایک جانب اگر عصری تقاضوں کو پورا کرتی ہے تو دوسری جانب شاعری کی اعلیٰ قدروں کی پاسداری کا بھی ثبوت فراہم کرتی ہے۔ کتاب ظاہری و باطنی حسن سے آراستہ ہے اور ہر اعتبار سے قابلِ مطالعہ ہے۔

❋❋❋

ماہنامہ سازِ سرمدی سے

محمد ایوب خان

مکرمی مدیر 'سازِ سرمدی' ڈیرہ دون ...... سلام مسنون

ماہِ جون ۱۹۸۲ء کا سازِ سرمدی کا شمارہ نظرنواز ہوا۔ نذیر فتح پوری، مدیر ماہنامہ 'اسباق' کا تعارفی مضمون 'حکیم رازی ادیبی' نظر سے گزرا۔

یوں لگتا ہے ، نذیر صاحب نے بڑی رواروی میں مضمون لکھا ہے۔ حکیم صاحب تو ایک تاریخ ہیں، تاریخ کا صفحہ نہیں۔ حکیم صاحب کی زندگی کے کئی ایک گوشے ہنوز تشنہ ہیں۔ پونا گو کہ تعلیمی مرکز ہے لیکن یہاں کوئی ملک گیر ہی سہی ، شہرت کا تعلیمی ادارہ یا کوئی اخبار یا رسالہ نہیں نکل سکا ہے۔

حکیم صاحب موصوف کی زندگی کا یہی پہلو بڑا دلچسپ ہے۔ آپ کی اَنتھک کوششوں سے یہاں ایک ڈگری کالج بھی قائم ہوا ہے اور ایک بہت اچھا رسالہ 'اسباق' بھی آپ ہی کی کاوشوں کا مرہونِ منت ہے۔ خوبی یہ کہ ، یہ دونوں کام آپ نے پس پردہ ، بغیر کسی صلے کی تمنا یا پروا کیے بغیر خاموشی سے انجام دیے ہیں۔ بہت کم لوگ اس حقیقت سے واقف ہیں۔

کاش دو چار 'دیوانے' اس طرح کے پونا کو اور مل جائیں۔

اللہ تعالیٰ موصوف کو درازیٔ عمر بالخیر نیز مزید قوت و طاقت عطا فرمائے، آمین۔

مورخہ: ۱۲؍جولائی ۱۹۸۲ء　　　　فقط ، محمد ایوب خان

سابق پرنسپل اینگلو اردو بوائز ہائی اسکول، پونہ

حکیم رازؔی ادیبی

میں کیوں لکھتا ہوں؟

حادثہ دل پہ جو گزرے گا رقم بھی ہوگا　　　درد ہو دل میں تو ہاتھوں میں قلم بھی ہوگا

میں کیوں لکھتا ہوں ؟ پتہ نہیں، پھر بھی لکھتا ہوں۔ طالب علمی کے زمانے میں کبھی تاریخ، جغرافیہ، علم ریاضی، سائنس، صرف ونحو، مراٹھی، انگریزی، حفظانِ صحت، غزلیں، نظمیں اور کبھی اُردو زباندانی کے اسباق لکھا کرتا تھا۔

اسکول اور کالج کے زمانے میں نہایت مہذب، شائستہ اور سلیم الفطرت اساتذہ کے زیر تربیت رہا۔ جو کچھ تعلیم حاصل کی اس میں اپنی کوشش سے زیادہ اساتذہ کی ہمہ گیر قابلیت کا حصہ ہے۔ میں تو صرف اکتسابِ نور کرتا رہا اور شمعیں جلتی رہیں۔ ایسے ماحول میں لکھنے لکھانے اور شعرگوئی کا شوق خود بخود پیدا ہوگیا۔ زباندانی کے اسباق کے دوران نثر سے زیادہ نظم ہی مجھ کو اپنے اندر جذب کرتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ قدیم شعرا کے سیکڑوں اشعار نوکِ زبان پر تھے۔ ان ہی اشعار کی فضا اور شاعر کی ذہنی کیفیت مجھ پر عود کر آتی تھی۔ اس پر اساتذہ کی فطرت شناس نظریں کام کرتی رہیں اور میں سنورنے لگا۔

...... اس لیے میں لکھتا ہوں ....

یہ میری خوش نصیبی ہے کہ تعلیم کی تکمیل کے بعد جب ذوقِ سخن کی تشنگی بڑھنے لگی تو فخر مہاراشٹر، ادیب الملک، شاعر حیات حضرتِ ادیبؔ مالیگانوی مدظلہ جیسی عظیم شخصیت کی فنِ شعر میں رہنمائی حاصل ہوئی۔ میں آج جو کچھ ہوں اسی شمعِ روشن کا پرتو ہوں۔

.... اسی لیے میں لکھتا ہوں ....

جب زندگی کے عملی میدان میں قدم رکھا تو وہ شمعیں ایک ایک کرکے گل ہوتی گئیں مگر جو

जा. क्र. स्वीय/संदेश/पी. आर.
शिक्षण उपसंचालक, पुणे विभाग,
पुणे. ४११ ००१.
दिनांक : ४ ऑक्टोबर, १९८५.

शां. भा. चांदिकर,
शिक्षण उपसंचालक.

प्रिय श्री. अदीबी,

यह बड़ी खुशी की बात है कि "असबाक ट्रस्ट" की जानीब से मासिक असबाक का तीसरा वार्षिक अंक "अदीब नंबर" निकल रहा है।

इस नंबर के लिए असबाक ट्रस्ट को मुबारक बाद देता हूँ।

आपके मासिक द्वारा इसी प्रकार उर्दू साहित्य का प्रसार हो और राष्ट्रीय एकात्मता बनी रहे।

[शां. भा. चांदिकर.]
शिक्षण उपसंचालक,
पुणे विभाग, पुणे. १.

श्री. हकीम राज़ी अदीबी,
प्रेसिडेंट, असबाक ट्रस्ट,
५७२ साचापीर स्ट्रीट,
पुणे. ४११ ००१.

اُجالے میرے رگ و ریشہ میں خون بن کر تیر رہے تھے ان کی بدولت وہ اندھیرے محسوس بھی نہ ہوئے۔ وطن کی فضا شعر و ادب سے مالا مال تھی تو میں کہاں تہی دامن رہ سکتا تھا۔ اس پر زندگی کے حادثات اور تجربات مستزاد تھے۔

.... اس لیے میں لکھتا ہوں ....

میں سمجھتا ہوں دنیا ایک وسیع کتب خانہ ہے۔ اس کا ہر فرد ایک چلتی پھرتی کتاب ہے۔ بنظرِ غائر، اس کتاب کے ایک ایک ورق اور اس کی ایک ایک سطر کا مطالعہ کیا جائے تو مضامین کی کیا کمی ہو سکتی ہے۔ طبیعت کا موزوں ہونا اور حسنِ بیان پر قدرت، ہر واقعے کو شعر کی صورت میں ڈھال سکتی ہے۔

.... اس لیے میں لکھتا ہوں ....

کسی کی شادی ہو تو دلہا کے لیے سہرا اور دولہن کے لیے رُخصتی لکھتا ہوں، کسی کے بچہ تولد ہو تو تاریخی نام نکال کر لکھتا ہوں، کسی کی موت پر قطعۂ تاریخِ وصال لکھتا ہوں، دوست احباب اور رشتہ داروں کو عید کی مبارکباد اور خطوط کے جوابات لکھتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا خیال آتا ہے تو حمد لکھتا ہوں، سرکارِ دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد میں نعت شریف لکھتا ہوں۔ بزرگانِ دین کے لیے منقبت اور شہدائے کربلا کے لیے سلام لکھتا ہوں۔ کوئی حادثہ پیش آئے تو قطعہ یا رباعی لکھتا ہوں۔ کبھی اپنی زندگی کے حالات لکھتا ہوں۔

پھر بھی آج تک یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ ''میں کیوں لکھتا ہوں''۔ الغرض لکھتا ہوں ....

شبیر محمود مجاہد - نامہ نگار، اُردو ٹائمز، ممبئی

۸۵ سالہ نوجوان حکیم رازؔی

حکیم رازؔی کا نام ذہن میں آتے ہی گول چہرہ، تیکھا سلونا رنگ، آج عمر کی ۸۵ ویں بہاریں دیکھنے کے باوجود خوش گفتار، خوش مزاج، سیاہ چمکدار آنکھیں، کشادہ پیشانی، سر پر خوبصورت سفید ٹوپی، سفید کرتا پاجامہ اور اس پر ایک کالا واس کوٹ زیب تن اور مخصوص مسکراہٹ والا صوفی حلیے والے فرشتہ صفت بزرگ کا چہرہ ہو بہو اُبھرتا ہے۔ عام طور پر اس عمر کو پہنچ کر اکثر لوگ گھر پر آرام کرنے کو ترجیح دیتے ہیں مگر یہ ۸۵ سالہ نوجوان آج بھی اپنے تمام ضروری کام خود ہی انجام دیتا ہے۔ حکیم رازؔی صاحب کی اس بھاگ ڈور کو دیکھ کر مجھے خود احساس ہوتا ہے کہ ہمیں زندگی میں اور بہت کچھ کرنا ہے۔

میری حکیم رازؔی سے پہلی ملاقات معروف فری لانس صحافی محمد جاوید مولا شیخ کے توسط سے 'دواخانۂ حکیم رازؔی' میں ہوئی تھی۔ میں اُردو ٹائمز کے لیے پونہ کا نمائندہ مقرر ہو کر چھ ماہ کا عرصہ گزرا تھا اور پونہ کا خصوصی نمبر کے لیے کوشاں تھا۔ مجھے پونہ اسپیشل نامی آٹھ صفحات کے لیے حکیم رازؔی نے نہ صرف خصوصی تعاون دیا بلکہ ایک عدد نظم بھی تحریر کی تھی جس سے اس یادگار پونا اسپیشل نمبر کے دیگر مشمولات کے ساتھ حکیم رازؔی کی نظم سے چار چاند لگ گئے۔ اس کے بعد میرے اور حکیم رازؔی کے مابین مراسم مضبوط و مستحکم ہوتے گئے۔ وقتاً فوقتاً موصوف کی حمد، نعت، نظمیں، غزلیں اُردو ٹائمز کی زینت بنتی رہیں۔ گزشتہ سال عیدالفطر کے 'پونا پلس' کے دیدہ زیب و خوبصورت ملٹی کلر صفحۂ اوّل کے لیے بھی حکیم رازؔی نے ایک خوبصورت نظم قارئین اُردو ٹائمز کے نذر کی تھی جسے قارئین اُردو ٹائمز نے خوب داد و تحسین سے سراہا۔

حکیم رازؔی جہاں ایک طرف ادبی دنیا میں اپنے مخصوص کلام اور شعری نعتیہ مجموعے کے ذریعے پونہ کا نام روشن کر چکے ہیں ساتھ ہی پیشے کے اعتبار سے ماہرِ طب و جراحت کے طور پر نہ

صرف ملک بلکہ بیرون ملک میں بھی جانے جاتے ہیں جن کی دوائیں اور معجون بالخصوص رازی ہیئر آئیل دبئ، سعودی عرب، کویت، ایران وغیرہ تک پہنچتا ہے۔ مریضوں کے علاوہ مہمانوں سے خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی سے ملنا ان کا خاصہ ہے۔ پونہ کے چنندہ خطاط وخوش نویسوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ میں ذاتی طور پر ان کی خوش خطی کا قائل رہا ہوں۔ آج بھی میرے پاس ان کی خطاطی کے نمونے بحفاظت موجود ہیں۔

حکیم رازؔی کی درازئ عمر اور صحت کے لیے بارگاہِ الٰہی میں دعا گو ہوں کہ وہ عمر کی سنچری مکمل کریں انشاء اللہ العزیز! ہم جیسے اخبار سے منسلک افراد کے سر پر آپ کا سایہ ہمیشہ برقرار رہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں نظر بد سے بچائے، آمین۔

میں اپنا یہ مضمون حکیم رازؔی کے ہی اس شعر پر ختم کرتا ہوں ؎

ابھی ہیں سیکڑوں پردے تکلم پر تبسم پر
سمجھنے کی طرح رازؔی کو اہلِ دل کہاں سمجھے

مناظر عاشق ہرگانوی

حکیم رازؔی کی غزل گوئی

رازؔی ادیبی کے تغزل کے بنیادی عناصر تقریباً وہی ہیں جو ہر اُردو شاعر کی غزل کے ہیں۔ ان کے یہاں گل و بلبل بھی ہے اور جام و مینا بھی مگر 'چیزے دیگر' کے طور پر ان کے یہاں مخصوص زندگی ہے۔ اپنے جذبات، اپنے مقامِ نظر اور سوچنے کا اپنا انداز ہے۔ لگتا ہے کہ زندگی کے کسی ایسے انقلابی موڑ سے دوچار ہوئے ہیں جہاں تجربات کا پے در پے عمل اور ردّعمل خیالات کے عمق اور گہرائی کی نشوونما میں براہِ راست ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ ان کے یہاں طبیعت کا بانکپن اور وہ اُبھرتا ہوا گداز بھی ہے جس میں ایک طرف سرشاری، تڑپ، بے خودی و بے نیازی کے تیور کارفرما ہیں تو دوسری طرف آشفتہ خاطری اور افزائشِ الم کی جاں کاہ آزمائشیں اپنے گہرے نقوش ثبت کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ یہ نقوش وقت کے ساتھ ساتھ زیادہ گہرے ہوتے چلے گئے ہیں۔ صبر و شکیب کی بندشیں یکبارگی ڈھیلی پڑ گئی ہیں اور عشق کا خلوص ان مراحل سے دوچار ہے، جہاں محسوساتِ باطنی کی ہر لطیف جھنکار بجائے خود ایک حسین تجربہ ہے اور ہر تجربہ حسن تنوعات کی ایک متحرک کائنات اپنے جلو میں لیے ہوئے ہے ۔

ہزار بار دیا ہے انھیں ثبوتِ وفا	ہزار بار ہوئے ہیں وہ بدگماں ہم سے
حاصل ہوئی ہے غم سے ترے جب یہ زندگی	ہم زندگی میں آج پریشاں ہوئے تو کیا؟
دل سے رازؔی سے تم ملے ہی نہیں	ہاں ، بظاہر تو وہ برا ہے ابھی
رازؔی کی ساری عمر ، اسی بازار میں گئی	پھولوں کا ، پتھروں کا جہاں ایک بھاؤ تھا
ہم تو دو اشک بہانے کو ترس جاتے ہیں	عشق میں یوں بھی نہ ہو، بے سروساماں کوئی

محبت نے بنا دی ہے تری تقدیر اے رازؔی
یہ عظمت تجھ کو حاصل کب تھی دل کی بات سے پہلے

جذبہ و خیال کا یہ تنوع جسے غم کے لطیف چھینٹوں نے جگہ جگہ سے گلکار کر رکھا ہے، سرسبز و شاداب ہی نہیں، بڑا بصیرت افروز ہے، عشق کا اعلیٰ و ارفع معیار اس غم کے ہاتھوں قائم ہوا کرتا ہے۔ وہ کربِ خفی جس سے گاہ گاہ روحانی مسرتوں کے سوتے پھوٹتے رہتے ہیں۔ اس کی نمناک حرارت سے زیادہ سے زیادہ خوشگوار و خوش آہنگ محسوس ہونے لگتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں رازؔی ادیبی ایک عجیب بے اختیاری کے عالم میں کہہ اُٹھتے ہیں ؎

کوئی تدبیر نہیں اس کے سکونِ دل کی
اپنے ہاتھوں سے جو ہوتا ہے پریشاں کوئی

تمام زیست کی پابندیوں کو ٹھکرا کر
کسی کے ہاتھ میں سونپی ہے زندگی میں نے

ہے ضو فگن جو خلوتِ دل میں ترا خیال
اک روشنی سی جیسے سرِ انجمن بھی ہے

زندگی میری فنا ہو نہیں سکتی رازؔی
میں تو دریا ہوں سمندر میں اُتر جاتا ہوں

خود فراموشانہ بے خودی بھی محبت کے ابتدائی مراحل میں سے ہے لیکن جیسے جیسے نیشِ عشق کی حلاوتیں گوارا ہوتی جاتی ہیں فکر و شعور کی بالیدگیاں بتدریج پر تولنے لگتی ہیں۔ معاملاتِ عشق و عاشقی کا ایک خاص زاویہ سے تجزیہ ہونے لگتا ہے، ذہنِ رسا نت نئی تاویلات کے تراشنے میں طاق ہوتا جاتا ہے اور ہر اُفتاد کا ایک نہ ایک جواز مہیا ہونے لگتا ہے۔

رازؔی ادیبی کا شعور پختگی کی منازل طے کر چکا ہے اور راہ گزارِ عشق کے ہر لطیف پیچ و خم کا ادا شناس ہو چکا ہے۔ پھر بھی غم کے گھیرے میں وہ قید نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شعریت کی گمبھیرتا اپنے پورے شباب پر ہے۔ جذبات کا عمل اور ردِّ عمل اپنی ایک علیحدہ شان رکھتا ہے، جو بسا اوقات مایوسیوں اور شدید ناکامیوں کی تحریک پا کر دو آتشہ بلکہ سہ آتشہ ہو چکا ہے ؎

غم کا طوفان نہ آلام کا بادل ہوتا
سر پہ اے کاش ترے پیار کا آنچل ہوتا

ہمارے دل میں جو اپنوں کے داغ ہیں محفوظ
بجھے بجھے ہیں مگر سب چراغ ہیں محفوظ

یہ الگ بات ہے اُلجھا رہوں محرومی سے
ورنہ مانوس ہے رازؔی سے دعا کی تاثیر

اس قدر مانوس ہوں غم سے کہ رازؔی آج غم
اک علاجِ گردشِ ایام ہے میرے لیے

ان کے قدموں کی مہک جس میں بسی ہے رازؔی
اچھا لگتا ہے اُسی راہ گذر میں رہنا

لب و لہجہ کا یہ پُرسوز آہنگ، یہ لَے اور تھرتھری بغیر خلوص کے اُجاگر نہیں ہو سکتی۔ رازؔی نے یقیناً جلنے، پگھلنے اور بے اختیار پھوٹ پڑنے کے کئی مراحل طے کیے ہیں۔ ان کے احساسات کا یہ

نکھار اور توازن اور رچے ہوئے ذوقِ جمال کا قدم قدم پہ اظہار اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی باطنی تحریکات کسی نہ کسی حسین تجربے کی مرہونِ منت ضرور ہے۔ ان کے کربِ خفی کی وہ چونچال لہر جو ان کے بیشتر اشعار میں دوڑی ہوئی ہے، ہماری روح کی گہرائیوں کو گدگداتی ہوئی گزرتی ہے اور بسا اوقات ہمیں اپنے ساتھ بہا کر لیے جاتی ہے۔ رازؔی کے فن کا سب سے جاندار پہلو یہی ہے لیکن ان کا فن ایک اور امتیازی خصوصیت کا حامل ہے۔ ان کے یہاں حقائق کا صرف تصوراتی جائزہ نہیں ہے بلکہ حقائق خود اپنے چہرے سے نقاب اُلٹنے کے متمنی نظر آتے ہیں۔ رازؔی کے یہاں اس کے بھی دو پہلو ہیں ؛ ایک وہ جس کے تحت رہ گزارِ عشق و عاشقی ہزار صعوبتوں کے باوجود حسین و پُرکشش ہے۔ غم کی اتھاہ گہرائیوں میں سرمستی و سرور کی لہریں اُٹھتی ہیں۔ یاس و نااُمیدی کی گھٹاٹوپ تاریکیوں میں آرزوؤں کا شمع زار جھلمل جھلمل کرتا ہے۔ سوز میں حلاوت ہے۔ ناکامیاں باوجود زہر خوردہ ہونے کے شیریں کار اور سرشار ہیں۔ اور دوسرا پہلو وہ ہے جس کے تحت آج کے ماحول، آج کے سماج اور آج کی انسانی فطرت کی بھرپور انداز میں عکاسی کی گئی ہے اور نفسیاتِ انسانی کے خصوصی گوشوں کی نقاب کشائی کی گئی ہے۔

وہ شخص بھی کس درجہ ملا مصلحت اندیش
اکثر مجھے پہچان کے انجان رہا ہے

دل ہیں مخدوش تو مشکوک ہیں نظریں ان کی
اجنبی لگتا ہے خود اپنے نگر میں رہنا

ایک قطرہ ہی تو ہے ہستیِ انساں لیکن
کیا خبر اس میں سموئے ہیں سمندر کتنے

دنیا بہت ہے کروٹیں لینے کو بے قرار
اے انقلاب ، تجھ میں کوئی بانکپن بھی ہے

اک روز تم اس بات کی تصدیق کروگے
جو مجھ کو ملا ہے ، وہ زمانے سے ملا ہے

آدمی اتنا سخت جاں کب تھا
زہر پی کر بھی جی رہا ہے ابھی

کچھ نتیجہ ضرور نکلے گا
بات کا کوئی سلسلہ تو چلے

رازؔی کے کلام کی یہ تازہ کاری، پختگی، سوز و اثر، رفعت و لطافت اور نشتریت ذات و زماں کی ایک کہانی ہے جس میں تلخ و شیریں تجربات بھرپور طور پر نظر آتے ہیں۔ ان کے یہاں تشبیہات و استعارات نہیں کے برابر ہیں البتہ پوری شاعرانہ تکمیل کے ساتھ کنایہ کی افراط ہے۔ اپنے آس پاس کی زندگی سے متاثر ہو کر بعض اشعار میں اتنا بھرپور نقشہ کھینچا ہے کہ ان کی شاعری کا دوسرا پہلو حاوی نظر آتا ہے۔

اسکائی لیب اور یہ ایٹم کی برکتیں
دنیا کے گوشے گوشے میں خوف و ہراس ہے

جہاں پھول جی بھر کے ہنسنے نہ پائیں　　بھلا اُس گلستاں کی تقدیر کیا ہے ؟
ہندو کوئی تو کوئی مسلماں ہے آج بھی　　انسان کی تلاش میں انساں ہے آج بھی

اور یہ شعر دیکھیے ،فرقہ وارانہ فساد سے متاثر ہوکر قومی یک جہتی کا درس دیتا ہوا نظر آتا ہے۔

فتنے اُٹھتے نہ کبھی کوئی نشیمن جلتا　　اہلِ گلشن کا جو دستور مکمل ہوتا

لیکن زمانے کا دستور بڑا نرالا ہے۔ اس نرالے پن کی قیمت ہر لمحہ انسان کو چکانی پڑتی ہے۔ زمانے نے کسی کو بھی نہیں بخشا۔ رازؔی کہتا ہے ۔

دستور یہی دیکھتے آئے ہیں ازل سے　　اچھوں کو زمانے نے بہت خوار کیا ہے

شاید یہی وجہ ہے کہ آج کے انسان کے دلوں میں نفرت کا جذبہ بھرا ہوا ہے اور اپنے ملک کی توقیر دن بہ دن کم ہوتی جارہی ہے ۔

دلوں میں یہ نفرت ، یہ تحقیر کیا ہے ؟　　اہنسا کی بھارت میں توقیر کیا ہے ؟

ایسے میں ضرورت ہے کہ انسان محبت کو اپنائے اور وقت کی رفتار سے آگے چل کر گلشن میں پھول کھلائے ۔

محبت بندگی جن کی ، محبت زندگی جن کی　　وہ اکثر وقت کی رفتار سے آگے بھی چلتے ہیں

رازؔی ادیبی اپنی غزلوں کے دونوں پہلو سے حیاتِ نو کا چراغ روشن کرنے پر زور دیتے ہیں تاکہ نئی زندگی کے ساحل سے لگ کر غم کا قافلہ آگے بڑھتا رہے۔

زید احمد قاسمی
لکچرار یونانی میڈیکل کالج، پونہ

حکیم رازیؔ - پونہ کا نمائندہ شاعر

حکیم رازیؔ ایک اسلام پسند شاعر ہے، طور طریقے مذہبی، مشرقی روایات کا حامل اور مزاجاً خانقاہی ہے۔ ہندوستان میں خانقاہ وتصوف وسعت قلبی اور رواداری کا دوسرا نام ہے۔ فلسفۂ خانقاہ و تصوف سے ان کی شاعری متاثر ہے۔ ایسے روادار شخص کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس کو وہ چھپا سکے۔ اس نے نہ تو اپنے ماضی کو پُر وقار و دیدہ زیب بنا کر پیش کی اور نہ ہی حال پر نازاں ہے اور نہ ہی مستقبل کی تابناکی کے لیے باطل کے سہارے کی تلاش کرتا ہے۔ بس وہ سیدھے سادے خیالات و جذبات کو شعری زبان میں کہتا ہے۔ یہی اس کا حسن ہے۔ اس کی اسی سادگی، رواداری و قناعت پسندی نے اس کو پونہ کا نمائندہ شاعر بنادیا ہے۔ حکیم رازیؔ ''چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی' کے فلسفے کے خلاف ہیں۔ اپنی انفرادیت و شناخت کی بقا پر اصرار کرتے ہیں ؎

لاکھ دنیا میں آئے نشیب و فراز ‏ ‏ اک زمانے سے اپنا وہی رنگ ہے
وقت کی چوکھٹ پہ رازیؔ سر نہ ٹیکا جائے گا
چاہے لگ جائے اُمیدوں کے وگل وغنچہ میں آگ

انگریزوں کے ہندوستان آنے اور نئی تعلیمی وصنعتی پالیسی مرتب کرنے کے نتیجے میں ہنرمندوں پر عتاب نازل ہوا۔ چھوٹی چھوٹی دستکاریاں ماند پڑنے لگیں، حالیؔ سے لے کر گاندھی جی تک سبھی نے احتجاج کیا اور قوم کی بے حسی پر ملامت کی۔ قوم بیدار بھی ہوئی تو آزادیٔ تقسیم کے بعد وہ ہنرمند، فرقہ پرستی اور صنعت کاری کی نذر ہوگئی ؎

پیدا کہاں سے ہوں گے ہنرمند دوستو! ‏ ‏ جو ہاتھ باہنر تھے وہی ہاتھ کٹ گئے

لیکن رازیؔ تمام مشکلات کے بعد بھی ہار ماننے کو تیار نہیں ہے اور نہ ہی فرقہ پرستوں سے خوف زدہ ہے ؎

جو اپنی کاوشوں میں رات دن مصروف رہتا ہے
اُسی کو صبح ملتی ہے وہی سورج اُگاتا ہے
تم فرقہ پرستوں کی کرو پشت پناہی
انصاف کا دروازہ ابھی بند نہیں ہے

دن دھاڑے 'بابری مسجد' شہید کردی گئی، جو نہ ہونا تھا وہ ہوکر رہا۔ رازؔی کا مشورہ بھی گوش گزار کریں ۔

کوئی مندر بنے یا کہ مسجد بنے سوچ دھارا کا رستہ بہت تنگ ہے
جہاں پر نفرتوں کے داغ سارے دل سے مٹ جائیں
وہیں پر مسجد و مندر کے رشتے جوڑ دینا تھا

حکیم رازؔی کا اس عہدِ پیری میں رنگِ تغزل ملاحظہ ہو ۔

بس اس قدر ہی یاد ہے ماضی کی زندگی گزرے تھے ایک بار کسی کہکشاں سے ہم
دنیا کو پیش کرنا ہے فرہاد کا بدل ! شہکار اک تراشیں گے کوہِ گراں سے ہم
دامانِ بخت اپنا سجانے کے واسطے گوہر کا کام لیتے ہیں اشکِ رواں سے ہم

اس اُستاد کش دَور میں بھی حکیم رازؔی کو اپنے اساتذہ پر فخر ہے۔ وہ سخن میں حضرتِ ادیبؔ مالیگانوی اور عرفان میں الحاج عبدالغفور بخش اللہ شاہ اشرفی مرحوم کو اپنا استاد مانتے ہیں۔ حضرتِ ادیبؔ سے حکیم صاحب کی عقیدت ذیل کے اشعار سے نمایاں ہے ۔

علم و فن کا پاسباں خاموش ہے زندگی کا رازداں خاموش ہے
جس نے اسرارِ سخن سمجھائے تھے وہ غزل کا رازداں خاموش ہے
بانٹتی تھی جو 'ضیائے فکر' فن وہ ادب کی کہکشاں خاموش ہے

حضرتِ عارف باللہ الحاج پیر عبدالغفور بخش اللہ شاہ اشرفی کی عظمت و عقیدت کے لیے ذیل کے اشعار ملاحظہ کیجیے ۔

کیا بتاؤں مجھے آج کیا مل گیا اشرفی جیسا اک رہنما مل گیا
بیعتِ دستِ مرشد ہوا جب سے مَیں زندگی کو مری حوصلہ مل گیا
پیر و مرشد کا رازؔی یہ فیضان ہے اپنے عرفان کا کچھ پتہ مل گیا

حکیم رازؔی شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ماہر طبیب بھی ہے۔ کچھ طبّی اشعار بھی ملاحظہ ہوں ۔

یہ ہر گرم معدے کو دیتا ہے فرحت نہ پوچھو کلنگڑ کی تاثیر کیا ہے
اگر خاکِ سیماب مل جائے تم کو تو مٹ جائے جڑ سے نواسیر کیا ہے
رہوگے توانا جو کم کھاؤ رازؔی یہی ایک نسخہ ہے اکسیر کیا ہے

آج کے پرائیویٹ ڈاکٹر وحکیم اپنی آمدنی کا ریکارڈ کم کرکے پیش کرتے ہیں باوجودیکہ ان کے یہاں انجکشن اورٹیبلیٹ کا چارج زیادہ ہوتا ہے،لیکن حکیم رازؔی کے یہاں صرف سفوف وحبوب ہی تقسیم نہیں ہوتا بلکہ یہاں اس کے علاوہ کچھ اور بھی تقسیم ہوتا ہے۔

تقسیمِ علم و فن کا ہے مرکز بنا ہوا چلتا ہے کیسے میرا مطب ، پوچھتے ہیں آپ

حکیم رازؔی مریضِ دل ہے اس کو یہ بیماری لگنی ہی تھی کیونکہ وہ جس خوبصورت ساچارپیر اسٹریٹ کے علاقے میں مطب کرتے ہیں وہ اسی بات کی متقاضی ہے ۔

دنیا میں یوں تو لاکھوں اطباء ہوئے مگر رازؔی مریضِ دل ہے اگرچہ طبیب ہے

الغرض حکیم رازؔی ایک ماہر طبیب بھی ہیں، شاعر بھی، غزل گو بھی اور صوفی بھی۔ تصوف پر چند اشعار ملاحظہ ہوں ۔

کبھی قطرہ لگے ہے اپنی ہستی کبھی خود کو سمندر سوچتا ہوں
زمانے کو نہیں ادراک اس کا میں جس عالم میں اکثر سوچتا ہوں
حقیقت کیا ہے رازؔی زندگی کی میں تنہائی میں اکثر سوچتا ہوں

दत्ता एकबोटे
महापौर, पुणे

दूरध्वनी महापौर कार्यालय : ५६९२१
५६५२१/१
निवास : २६२५६
कार्यालय : २९४२४

९७, भवानी पेठ, अंगरखा तकिया,
गुळआळी, पुणे २.

दि. २०-९-१९८५

श्री· हकीम राज़ी अदीबी
प्रेसिडेंट, असबाक़ ट्रस्ट
५७२ नानापीर स्ट्रिट,
पुणे ४११ ००१·

महोदय,

यह बड़ी ख़ुशीकी बात है कि " असबाक़ " का तीसर वार्षिक अंक " अदीब नंबर " के रूपमें प्रकाशित हो रहा है।

उर्दू साहित्यपर आधारित आप के इस मासिक के लिए हमारी शुभ कामनाएँ।

आपके मासिक द्वारा इसी प्रकार उर्दू साहित्य का प्रसार हो और राष्ट्रीय एकात्मता बनाए रखने के लिए मदद करे।

दत्ता एकबोटे
महापौर, पूना

ڈاکٹر عبدالرحیم نشتؔر

'کاروانِ سنگ' اور حکیم رازؔی

اُردو شاعری کی اپنی ایک شاندار تاریخی روایت ہے اور وہ ایک پُروقار تہذیب بھی تخلیق کرتی ہے۔ اساتذۂ سخن نے اپنے اپنے حلقوں میں زبان و ادب کی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔ آج بھی اُردو شاعری اور خصوصاً اُردو غزل کی تہذیب و روایت کی آبیاری کا سلسلہ جاری ہے۔

حضرتِ ادیبؔ مالیگانوی کے ممتاز شاگردوں میں الحاج حکیم رازؔی کا نام نامی بڑا نمایاں ہے۔ برسوں کی مشقِ سخن اور اُستاد کے تفویض کردہ فنی اثاثے کا تحفظ حکیم رازؔی کا قابلِ تحسین عمل ہے جس کا مظاہرہ وہ اپنے اوّلین دو مجموعوں 'سنگ و آہن' اور 'رگِ سنگ' میں بھی بحسن و خوبی فرما چکے ہیں اور اب 'کاروانِ سنگ' میں بھی غزل کی روایت و تہذیب کے وہ پتھر اور بھی مضبوطی سے گڑے ہوئے دِکھائی دیتے ہیں۔ حکیم صاحب نے ترقی پسندوں کا دَورِ عروج بھی دیکھا ہے اور جدیدیت کا عہدِ شباب بھی۔ لیکن استاد کی بندھی ہوئی پٹی کو انھوں نے اپنی آنکھوں سے سرکنے نہیں دیا چنانچہ شعر و سخن کی کھینچی ہوئی لکشمن ریکھا سے وہ گزر نہیں پائے۔

اس قسم کی شاعری ایک مخصوص طبقۂ فکر کو بے حد مرغوب ہے۔ دوستی، منافقت، بے وفائی، غلیظ سیاسی ہتھکنڈے، دیگر ہنگامی موضوعات اور غزل کے دوسرے پسندیدہ مضامین سے رچا ہوا یہ شعری مجموعہ 'کاروانِ سنگ' شاعری سے لطف لینے والوں کو خوب مزہ دے گا۔

حکیم رازؔی ایک پختہ مشق اور قادر الکلام شاعر ہیں۔ زبان و بیان کی خوبیوں اور نزاکتوں سے آگاہ اور انھیں برتنے کا ہنر بھی خوب جانتے ہیں۔

❋❋❋

از: سہ ماہی توازن، مالیگاؤں

مردِ آہن

محمد رجب ابن محمد سلیمان عرف حکیم رازیؔ صاحب کا آبائی وطن مبارکپور ضلع اعظم گڑھ ہے اور وطن ایولہ، ضلع ناسک اور تاریخ پیدائش ۱۰ر فروری ۱۹۲۰ء۔ آپ اپنی مکتبی تعلیم سے فراغت کے بعد اجمل طبیہ کالج امرتسر سے عمدۃ الاطبا کی سند حاصل کر چکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ طبابت میں بھی اپنا جواب آپ ہیں۔

آج عمر کے باسٹھویں اونچ نیچ کو پھلانگنے کے بعد بھی اپنے اندر نئی اُمنگوں اور نئی ترنگوں کو جذب کرنے کا بڑا حوصلہ رکھتے ہیں۔ کسی بازی میں مات کھانا یا زندگی کی دشوار گزار راہوں سے دل برداشتہ ہوکر بیٹھ جانا یا پسپائی اختیار کرنا تو پسند ہی نہیں کرتے۔ حالات سے نبرد آزمائی ان کے مشرب میں جزوِ ایمان ہے اس لیے کٹھن مرحلوں سے گزرتے وقت وہ اپنے اندر کے آدمی کو ٹوٹنے نہیں دیتے۔

اسباق ٹرسٹ کے وہ صدر ہیں اور دو ماہی اسباق کے سرپرست ونگراں ہیں۔ مقامِ مسرت ہے کہ چار سال کی قلیل مدت میں ان کی زیر سرپرستی اُردو کی نشر واشاعت کا جو کام پونہ میں ہوا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ اسباق تو اب ان کے لیے جزوِ حیات بن چکا ہے۔ ادب وصحافت سے ان کے اس والہانہ لگاؤ کو دیکھ کر خیال گزرتا ہے کہ رسائل و جرائد کی پشت پر حکیم صاحب جیسی ہمالیائی شخصیتیں ہوں تو اُردو کا کوئی بھی رسالہ مر نہیں سکتا۔ بالفاظِ دیگر اسباق کی زندگی کے لیے موصوف کا وجود ایک مردِ آہن کی حیثیت رکھتا ہے۔ ادبی طور پر بھی وہ اپنا ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ موصوف اپنی پندرہ سال کی عمر (۱۹۳۵ء) ہی سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ ہیں تو وہ اگلے وقتوں کے لوگوں میں سے لیکن ان کا شاعرانہ لب ولہجہ روایتی ہوتے ہوئے بھی نئی تازگی و شگفتگی کا احساس دلاتا ہے۔ ان کے یہاں ایک شعر بھی ایسا نہیں ملتا جو صالح اور دوامی قدروں کا حامل نہ ہو۔ استدلال واستنباط کے لیے ان کی شعری تصنیف 'سنگ وآہن' ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہے۔

محمد جاوید مولا شیخ

حکیم رازیؔ ادیبی

پونہ کے بزرگ شاعر اور ماہر طب و جراحت

پونہ شہر کو جہاں ایک طرف تعلیم کا مرکز کہا جاتا ہے تو دوسری طرف یہاں کی یونیورسٹی کو آکسفورڈ اور کیمبرج جیسے القاب سے نوازا جاتا ہے۔ تعلیم کے علاوہ اس شہر کو ممبئی کے بعد سب سے زیادہ ترقی یافتہ و صنعتی شہر گردانا جاتا ہے۔ پونہ تعلیمی، صنعتی، سیاسی، تہذیبی، معاشی، ثقافتی اقدار کا علمبردار ہے۔ صوفی سنتوں کا بھی یہ شہر ہے۔ انہی کی تعلیمات کے نتیجے میں یہاں اُردو پروان چڑھی۔ یہاں کے شعرا کرام نے اپنے کلام کے ذریعے بین الاقوامی شہرت حاصل کی۔ انہی شعرا کرام میں ایک نام، بزرگ شاعر حکیم رازیؔ ادیبی کا ممتاز و نمایاں ہے۔

> ''گول چہرہ، تیکھا سلونا رنگ، سیاہ چمکدار آنکھیں، کشادہ پیشانی، خوبصورت سفید ریش جس سے چھوٹتی ہوئی نور کی کرنوں سے سارا چہرہ منور، نکلتا ہوا قد، شگفتہ و خوش گفتار، خوش پوش، مزاج ایسا جیسے سورج اور بادلوں میں آنکھ مچولی ہورہی ہو۔ فطرتِ تلون کی ایک نادر مثال، انکسار وہ کہ سبزۂ زمین کو رشک آئے، جلال دو دھاری تلوار، شاعرِ حیات حضرتِ ادیبؔ مالیگانوی مرحوم کے تلمیذِ ارشد اور حضرت پیر عبدالغفور بخش اللہ شاہ اشرفی (سرکار برہانپور) کے مرید و خلیفہ، عقیدت وارادت ٹھن ٹھناتی ہوئی اشرفی، کھرا سونا چاہے جس کسوٹی پر پرکھ لیجیے۔''
>
> (ڈاکٹر اشفاق انجم)

آپ ۱۰ر فروری ۱۹۲۰ء کو ایولہ ضلع ناسک (مہاراشٹر) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا آبائی وطن مبارکپور ضلع اعظم گڑھ ہے۔ درسی تعلیم کے علاوہ ۱۹۴۶ء میں اجمل طبیہ کالج امرتسر سے عمدۃ الاطبا

کی سند حاصل کی۔ ۱۹۵۲ء میں R.M.P. (Bom.) کا سرٹیفکیٹ بھی ملا۔ طالب علمی کے زمانے ہی سے آپ شاعری کرنے لگے تھے۔ ۱۹۳۵ء میں دہلی اور بجنور سے شائع ہونے والا بچوں کے رسالے 'غنچہ' اور 'پھول' میں آپ کی نظمیں شائع ہوچکی ہیں۔

''شاعرِ حیات حضرتِ ادیبؔ مالیگانوی کے استاد ایولہ کے ایک معزز خاندان کے مایۂ ناز فرزند قدیرؔ ایولوی ہیں۔ مشورۂ سخن کی خاطر ادیبؔ مالیگانوی اپنے استاد حضرتِ قدیرؔ ایولوی کی خدمت میں اکثر ایولہ تشریف لایا کرتے تھے۔

حضرتِ ادیبؔ مالیگانوی نے ایولہ کے اس احسان کا بدلہ اس طرح چکایا کہ ہونہار و ذہین شاگرد حکیم رازیؔ کو شرفِ تلمذ سے نوازا تا کہ اس شہر سے کسی بھی صورت میں ادبی رشتہ ٹوٹنے نہ پائے، رازیؔ صاحب اس کا اعتراف اس طرح کرتے ہیں۔

یہ انہی کا فیض ہے کہ شاعری بھی آ گئی   ہاتھ میں آیا ہے رازیؔ دامنِ فیضِ ادیبؔ''

(ڈاکٹر اماناتؔ، پونہ)

حکیم رازیؔ ۱۹۴۰ء میں پونہ آئے اور یہیں کے ہو رہے۔ ۱۹۴۰ء سے ۱۹۶۵ء تک رحیمیہ دواخانہ (طوطے والا حکیم) سینٹر اسٹریٹ، پونہ کیمپ میں بطور حکیم کام کرتے رہے۔ حکمت کے ساتھ ساتھ شعر و شاعری کا بھی سلسلہ جاری رہا۔

۱۹۶۵ء میں ہندوستان اور پاکستان کی جنگ میں انڈیا گورنمنٹ نے DIR (ڈیفنس آف انڈیا رول) کے ذریعے ملک بھر کے سماجی لیڈروں، سوشل ورکروں اور نامی گرامی شعرا کو جیل بھجوا دیا۔ پونہ سے کل اسّی آدمی ایروڈا سینٹرل جیل پونہ میں ڈھائی مہینہ قید رہے جس میں رازیؔ صاحب بھی ڈھائی مہینہ جیل میں رہے۔ جیل میں پابندی سے نماز ہوتی تھی۔ ظہر کی نماز کے بعد مولانا یونس صاحب (امیر جماعت تبلیغی) قرآن کی تفسیر بیان کرتے تھے۔ مولانا نے سورۂ یوسف کی تفسیر کا بیان شروع کیا۔ اسی تفسیر کی بدولت رازیؔ صاحب کو تحریک ہوئی اور انھوں نے بارگاہِ ربّ العزت میں نہایت خلوص کے ساتھ دعا کی کہ اے خداوند عالم! جس طرح تو نے یوسفؑ کو جیل سے رہا کرنے کے بعد مصر کا بادشاہ بنایا، مجھے بھی جیل سے رہائی پانے کے بعد اپنا ذاتی دواخانہ لگانے کی توفیق عطا فرما۔ انھوں نے جیل میں ایک شعر کہا تھا۔

بنایا ہے جسے منصور اُسے دار و رسن بخشا
جسے یوسف بناتے ہیں اُسے رکھتے ہیں زنداں میں

بارگاہِ الٰہی میں دعا مقبول ہوئی اور انتہائی آسانی سے رقم کا انتظام ہوگیا۔

شیواجی مارکیٹ کے قریب 'دواخانہ حکیم رازیؔ' (۲/۷۵ رساچار پیر اسٹریٹ،کیمپ، پونہ) کی بنیاد ڈال دی۔ آج بھی خدا کے فضل و کرم سے یہ دواخانہ جاری و ساری ہے۔ حکیم رازیؔ اپنے مریضوں کا علاج نہایت خلوص و محبت سے کرتے ہیں۔ غریب اور نادار مریضوں سے دوا کا پیسہ بھی نہیں لیتے۔

۱۹۸۰ء میں حکیم صاحب کی سرپرستی اور نگرانی میں اُردو کا ایک ادبی رسالہ 'اسباق' کا اجرا ہوا۔ اس کے کئی خاص نمبر، سالِ اوّلیں نمبر، ادیبؔ اور ادیبی نمبر، علامہ محویؔ صدیقی نمبر اور کالی داس گپتا رضا نمبر شائع ہوکر ادبی دنیا میں ایک مثال قائم کردی ہے۔ حکیم صاحب اس ماہنامے کے برسوں سرپرست و نگراں رہ چکے ہیں۔ 'اسباق' نذیرؔ فتح پوری کی ادارت میں آج بھی جاری و ساری ہے۔ عنقریب اس رسالے کا پچیّس سالہ جشن مناکر خاص نمبر نہایت تزک و احتشام کے ساتھ منظر عام پر آرہا ہے۔

حکیم رازیؔ نے ۱۹۹۶ء میں اپنا ذاتی اور اپنی ادارت میں اُردو کا ایک ادبی ماہنامہ 'تکلّم' کے نام سے جاری کیا جو کئی سال جاری رہ کر چند ناگزیر حالات کی بنا پر بند ہوگیا۔ 'تکلّم' کے کئی خاص نمبر، سالِ اوّلیں نمبر، سالِ دوم نمبر اور غزل نمبر منظر عام پر آچکے ہیں جن کی ادبی دنیا میں خوب پذیرائی ہوئی۔

آپ کے ہونہار اور خوش نصیب شاگردوں میں عبدالمنان راہیؔ، محمد حسین دلبر پونوی، عبدالکریم لہریؔ آزاد اور بھگوان داس کھلنانی ساقیؔ نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ بھگوان کھلنانی ساقیؔ (سابق پرنسپل جواہر ہائی اسکول، پمپری) نے حکیم صاحب سے اُردو کے ساتھ ساتھ شاعری بھی سیکھی۔ ان کا مجموعۂ کلام 'دبی چنگاریاں' منظر عام پر آچکا ہے جس کا اجرا شہنشاہِ جذبات یوسف خان عرف دلیپ کمار کے ہاتھوں عمل میں آیا۔

حکیم رازیؔ کے پسندیدہ شعرا میں حضرتِ ادیبؔ مالیگانوی مرحوم کے علاوہ مولانا حسرت موہانی، شفیق جونپوری، سرشار کسمنڈوی، ساحر لدھیانوی، مرزا غالب، علامہ اقبال اور علامہ محوی

صدیقی بطور خاص ہیں۔

رازؔی صاحب عمر کی ۸۵ ر بہاریں دیکھنے کے باوجود خوش مزاج، خوش گفتار، ملنسار اور خلوص کا پیکر واقع ہوئے ہیں۔ آج بھی اپنا کام خود کرتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر آج کے نوجوانوں کو رشک ہوتا ہے۔ گھر سے مطب تک سائیکل پر سفر ہوتا ہے۔ مریضوں کو دیکھنے دور دور تک سائیکل پر ہی جاتے ہیں۔ مطب کے لیے دوا اپنے ہاتھ سے خود بناتے ہیں۔

آپ کے کئی شعری مجموعے ...... 'سنگ و آہن'، 'رگِ سنگ'، 'کاروانِ سنگ'، 'جہانِ سنگ'، 'سرودِ بخش اللہ' اور 'ارمغانِ نعت' منظر عام پر آچکے ہیں جن کی ادبی دنیا میں خوب پذیرائی ہوئی۔ آپ کا کلام ملک اور بیرونِ ملک کے اخباروں اور رسالوں میں شائع ہوتا رہتا ہے۔

۱۹۹۲ء میں آپ کے شاگردوں نے ۵۰ سالہ ادبی خدمات کے اعتراف میں نہایت شاندار 'جشنِ رازی' منایا۔ اس جشن میں مجموعۂ کلام 'رگِ سنگ' کا اجرا بھی عمل میں آیا اور ایک سونیئر بھی نکالا گیا۔

رازؔی صاحب کو مختلف اداروں سے انعامات، اعزازات اور مومنٹو حاصل ہوئے اور اللہ کے فضل وکرم سے تین مرتبہ حج کی سعادت حاصل ہوئی۔ اپنا یہ مضمون رازؔی صاحب کے ہی ایک شعر پر ختم کرتا ہوں۔

ابھی ہیں سیکڑوں پردے تکلم پر تبسم پر
سمجھنے کی طرح رازؔی کو اہلِ دل کہاں سمجھے

مرزا حمید بیگ تحمّلؔ قادری - پونہ

حکیم رازیؔ - ایک صوفی

الحمد للہ! میں جس شخصیت کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں اس سے اہلِ پونہ اچھی طرح واقف ہیں۔ بحیثیت ایک مشہور شاعر تو ہیں ہی لیکن ایک صوفی منش کی حیثیت سے بھی لوگ انھیں جانتے ہیں۔ ایسی شخصیت جس میں بے حساب خوبیاں ہوں وہ حکیم رازیؔ ادیبی اشرفی ہیں۔

ان کی گفتگو ایسی گویا منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ خوشبوؤں کا چمن ہے۔ بس قریب سے لوگ گذرتے ہیں اور خوشبو کو سونگھ کر اس کو اپنا بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اسی شخصیت سے میری ملاقات ۱۹۵۲ء میں ہوئی جب یہ حکیم عبدالرحیم صاحب (حکیم طوطا والے) کے دواخانے میں کام کرتے تھے۔ اپنے دوستوں کے علاج کے سلسلے میں میرا اکثر وہاں جانا ہوا کرتا تھا۔ میں نے حکیم رازیؔ صاحب کو پہلی مرتبہ دیکھا۔ رازیؔ صاحب میں یہ خوبی تھی کہ جب یہ اپنے مریض سے بات کرتے تو مسکراتے ہوئے بات کرتے پھر مریض کے علاج کی طرف متوجہ ہوا کرتے تھے۔

اس کے برخلاف حکیم طوطا والا میں یہ بات نہیں تھی۔ لیکن دو برخلاف چیزیں ایک جگہ جمع تھیں۔ میری نظر میں بہت سارے حکیم گزرے، میں نے نہ معلوم کتنے حکیموں سے دوستی کی لیکن جو خوبی رازیؔ صاحب میں مَیں نے پائی ہے وہ بہت کم حکماء میں دیکھی ہے۔

صحیح بات تو یہ ہے کہ کچھ دنوں تک تو میں اُن سے ملتا رہا۔ ان کی باتیں سنتا رہا اور ان کے بارے میں سوچتا بھی رہا کہ یہ شخص ہے کون؟ کہاں سے آیا ہے؟ اور تعلیم کیا ہے؟ ایک روز میں نے ان سے پوچھ ہی لیا کہ رازیؔ صاحب آپ رہنے والے کہاں کے ہیں؟ تو کہنے لگے کہ میں ایولہ کا رہنے والا ہوں۔ میرے ذہن میں فوراً آیا کہ پونہ میں مدینہ مسجد جو ہے وہ ایولہ والوں کی کہلاتی

ہے۔ کیا آپ مدینہ مسجد میں اکثر و بیشتر آتے رہتے ہیں؟ تو فرمایا کہ بھائی مدینہ مسجد ہمارے ایولہ والوں کی تعمیر کردہ ہے اور ہمارا آنا جانا ہوتا ہی رہتا ہے۔ پھر میں نے ان سے پوچھا کہ حکیم صاحب آپ کی تعلیم کہاں ہوئی؟ آپ کی اُردو اتنی فصیح اور اندازِ گفتگو بھی خوب ہے۔ کہنے لگے میں کئی مدرسوں سے فارغ ہوں۔

ایک روز میں نے پوچھا، یہ سنّی، وہابی اور جماعتِ اسلامی کے بارے میں آپ کا کیا کہنا ہے۔ اُس وقت میرے ساتھ پونہ کی جماعت اسلامی کے امیر بھی تھے تو ان کے سامنے حکیم صاحب نے کہا کہ بھائی جماعتِ اسلامی کا طریقۂ کار کچھ عجیب و غریب ہے۔ اسلام کو پیش کرنے کا انداز ایسا ہونا چاہیے کہ لوگ اسلام سے متاثر ہوں اور اس کی طرف مائل ہوں اور سمجھنے لگیں کہ اسلام واقعی سچا مذہب ہے، اس سے فیضیاب ہونا چاہیے۔ پھر میں نے حکیم صاحب سے پوچھا کہ شیعہ حضرات کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ تو آپ نے فوراً کہا کہ جنابِ والا یہ لوگ ایک ایسی جگہ پر کھڑے ہیں جہاں ایک جانب جنت ہے اور ایک جانب جہنم ہے۔ ذرا سا اِدھر ہوجائیں تو جنت ہے اُدھر ہوجائیں تو جہنم ہے۔ میرے ہمراہ جماعت اسلامی کے امیر نے کہا رازیؔ صاحب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو شیعیت اور سنّیت کے بارے میں کافی عبور حاصل ہے تو حکیم صاحب نے کہا کہ آپ حضرات کی صحبت اور محبت کا نتیجہ ہے اور بس۔

میرے پڑوس میں ایک بزرگ (خواجہ حسین صاحب مستان) رہتے تھے اور یہ بزرگ محفلِ بہارِ چشت پونہ میں دن رات ریاضت میں مشغول رہا کرتے تھے۔ میں ان سے اکثر ملنے کے لیے جایا کرتا تھا۔ جب بھی میں ان سے ملنے جاتا رازیؔ صاحب کو بھی ان کی خدمت میں دیکھتا۔ رازیؔ صاحب بڑی عقیدت اور محبت سے ان کی خدمت کیا کرتے تھے۔ ایک عرصے کے بعد یہ بزرگ (جن کو لوگ ماموں کے نام سے یاد کیا کرتے تھے) مسجد قریش میں مقیم ہوگئے۔ یہاں بھی حکیم صاحب کو ان کی خدمت میں دیکھا کرتا تھا۔ خواجہ صاحب عرف ماموں کا حکیم صاحب کے مکان پر بھی جانا آنا رہتا تھا اور حکیم صاحب کے یہاں سے ہی ان کے خورد و نوش کا انتظام ہوا کرتا تھا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ حکیم صاحب کو تصوف سے بھی لگاؤ ہے، کیوں نہ تصوف کے بارے میں ان سے گفتگو کرکے فیض اُٹھائیں۔

حکیم صاحب! اولیائے کرام کے متعلق آپ کا کیا کہنا ہے اور انھوں نے کس انداز سے دنیا

میں اسلام کی تبلیغ کی اور انھوں نے اپنے طور پر جو کارگزاریاں کی ہیں وہ کس انداز کی تھیں؟ کیا ان کو خدا کی دین تھی یا اپنی محنت اور ریاضت سے وہ اعلیٰ مقام تک پہنچے؟

چونکہ میں حکیم صاحب سے کم عمر تھا اور میرا شوق بھی تھا اس لیے انھوں نے کہا 'دیکھو تحمل صاحب! اللہ تعالیٰ جس کو جو دیتا ہے وہ ویسا ہو جاتا ہے۔ تصوف کی راہ، شریعت کا سمندر پار کرنے سے ملتی ہے۔ ہندوستان میں بزرگانِ دین کے ذریعے تصوف آیا۔ اسی لیے ہندوستان کے کونے کونے میں اسلام کے ماننے والے نظر آرہے ہیں۔ رازؔی صاحب پھر کہتے ہیں تصوف کیا ہے؟ تصوف دراصل خدا کی یاد میں اپنی ہستی کو مٹا دینا، خاک کر دینا ہے۔ تصوف کی حد سے گزر جانے کے بعد طریقت کی منزل آتی ہے۔ طریقت کی منزل طے کرنے کے لیے کسی پیرِ کامل کا دامن تھامے بغیر وہ منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ طریقت کے بعد پھر معرفت کی منزل آتی ہے جو خدا سے ملا دیتی ہے۔'

کچھ دنوں بعد جب میں رازؔی صاحب سے ملا، اُسی دوران محترم شیخ الاسلام علامہ محمد مدنی میاں اشرفی الجیلانی کچھوچھوی پونہ تشریف لائے۔ اُسی شب مسجد قریش میں ان کی تقریر طے پائی تو میں نے دیکھا کہ ان کی تقریر میں عام لوگوں کے علاوہ پروفیسر دستگیر شہاب، جناب ظفر عابد صاحب اور حکیم رازؔی بھی نظر آئے۔ قبلہ مدنی میاں ڈارون کی تھیوری کی مخالفت پر دلائل پیش کر رہے تھے۔ پروفیسر شہاب اور ظفر عابد حیرت زدہ رہ گئے کہ آج تک ہم ڈارون کی تھیوری پر ہی طلبہ کو لکچر دیتے آئے ہیں۔ دوسرے روز ان لوگوں نے مولانا محمد مدنی میاں سے ملاقات کی اور اُن کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ آپ نے ڈارون کی تھیوری کی مخالفت پر جو اپنا بیان دیا اُس سے ہماری غلط فہمی دور ہوئی اور معلومات میں اضافہ ہوا۔

کچھ دنوں بعد برہانپور سے قبلۂ عالم شیخِ طریقت محترم الحاج ابوالمقصود محمد عبدالغفور بخش اللہ شاہ اشرفی الجیلانی (سرکار برہانپور) پونہ تشریف لائے اور پروفیسر شہاب صاحب کے مکان پر قیام فرمایا۔ آپ کے روحانی فیض سے پروفیسر شہاب صاحب اور جناب ظفر عابد صاحب بھی آپ سے بیعت فرما کر سلسلۂ اشرفیہ سے منسلک ہوگئے۔ حکیم صاحب تو پہلے ہی آپ کے مرید و خلیفہ تھے۔ یہ تینوں حضرات سلسلۂ اشرفیہ کو عوام تک پہنچانے میں لگے ہوئے ہیں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ پروفیسر شہاب اور ظفر عابد زیادہ عمر نہ پا سکے۔ لیکن الحمدللہ حکیم رازؔی صاحب جن کی عمر نوے سال

سے زائد ہورہی ہے اس سلسلے کی اشاعت میں باقاعدگی سے لگے ہوئے ہیں۔ حکیم صاحب کی ایک طرف حکمت بھی چل رہی ہے، تصوف اور طریقت کی منزل بھی طے ہورہی ہے اور معرفت کی منزل کی جانب گامزن ہیں۔

حکیم رازؔی صاحب کے دادا پیر، رہنمائے راہِ طریقت، ناخدائے بحرِ حقیقت، فرزندِ خاندانِ غوثیت، پروانۂ شمعِ رسالتؐ، اعلیٰ حضرت شیخ المشائخ ہم شبیہہِ غوث پاک، الحاج سیّد شاہ ابواحمد علی حسین اشرفی الجیلانیؒ سجادہ نشین کچھوچھہ شریف (ضلع فیض آباد)۔ آپ کو اشرفی میاں کے نام سے بھی عوام یاد کرتی ہے۔ آپ نے اپنے جدّ امجد حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانیؒ کے سلسلۂ اشرفیہ کو اتنا عام کیا ہے جو آج بھی جاری وساری ہے۔

حکیم رازؔی صاحب سے گزارش ہے کہ شاعری سے زیادہ اس سلسلے کو عام کریں تاکہ عوام زیادہ سے زیادہ فیضیاب ہوں۔ میں بھی آپ سے بہت کچھ سیکھ رہا ہوں اور سیکھتا رہوں گا۔ اللہ آپ کی عمر دراز کرے اور آپ کو اس راستے سے اور بلندی پر لے جائے، آمین۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ شاہین سے بھی زیادہ بڑھ گئے ہیں، ہما بھی نظر نہیں آتا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کے کسی حصے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے جگہ بنا رکھی ہے اور آپ وہیں سے آفتاب و ماہتاب کی طرح روشنی پھیلاتے رہیں گے۔ دعا ہے کہ اہلِ پونہ آپ سے مستفید ہوتے رہیں، آمین ثم آمین۔

इसरार खान पठाण
B.A. (HONS) L.L.B
गट विकास अधिकारी वर्ग – १
पंचायत समिती [illegible] (पुणे)

पंचायत समिती, [illegible] (पुणे)
☎ कार्यालय – [illegible]

दिनांक – 25 / 3 / १९९6

جناب حکیم رازی صاحب

مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ علمی و تعلیمی مرکز پونے
اردو کا ایک ادبی رسالہ ماہنامہ "تکلم" کا مارچ ۱۹۹۶ء میں اجراء عمل
میں آرہا ہے۔

میں اس موقع پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے امید کرتا ہوں
کہ ماہنامہ "تکلم" قارئین کی علمی و ادبی اور سماجی معلومات اور دلچسپی
میں اضافے کا باعث ہوگا۔

مخلص
[signature]
اسرار حسین خان پٹھان

بخدمت جناب حکیم رازی ادیبؔ
مدیر
ماہنامہ تکلم پونہ

سنجے گوڈبولے - پونہ

حکیم رازؔی میری نظر میں

پونہ کیمپ کے علاقے میں جاتے ہوئے ساچا پیر اسٹریٹ سے ریڈیو ہوٹل اور شیواجی مارکیٹ کی جانب مڑیں تو 'دواخانہ حکیم رازؔی' ایک بورڈ نظر آتا ہے۔ اس دواخانے میں ۸۷ برس کے ایک بزرگ حکیم آپ کو بیٹھے ہوئے نظر آئیں گے۔ اس جگہ اکثر شاعروں اور ادیبوں کا گروہ بیٹھا ہوا دِکھائی دے گا۔ حکیم صاحب کے دواخانے میں مختلف دواؤں کی کئی بوتلیں موجود ہیں لیکن کسی بوتل پر دوا کا نام لکھا ہوا لیبل نہیں ہے۔ پھر بھی حکیم صاحب مختلف بوتلوں سے اپنے کام کی چیزیں بغیر غلطی کیے نکال کر مریضوں کو دیتے ہیں۔

حکیم صاحب کے آبا و اجداد مبارکپور ضلع اعظم گڑھ (یوپی) سے تعلق رکھتے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد وہ مہاراشٹر کے مختلف شہروں میں آ بسے۔ حکیم صاحب کی پیدائش ۱۹۲۰ء میں ایولہ، ضلع ناسک مہاراشٹر میں ہوئی۔ نام تو ان کا محمد رجب ہے، رازؔی ان کا تخلص ہے۔ ایولہ میں فائنل تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۴۰ء میں پونہ تشریف لاکر پونہ ہی کے ہوگئے۔ علمِ طب کے شوق میں انھوں نے ۱۹۴۶ء میں اجمل طبیہ کالج امرتسر سے عمدۃ الاطباء کی سند حاصل کی۔

حکیم صاحب دوائیاں خود اپنے ہاتھ سے بناتے ہیں۔ مریضوں سے بڑے خلوص و محبت سے پیش آتے ہیں۔ مریضوں کو دیکھنے آج بھی وہ سائیکل پر جاتے ہیں۔ سائیکل بھی اتنی پرانی ہے جتنے وہ پرانے ہیں۔

حکیم رازؔی نے اسکول کے زمانے سے ہی شاعری کی ابتدا کردی تھی۔ شاعرِ حیات، ادیب الملک حضرتِ ادیب مالیگانوی کی رہنمائی میں اب تک ۵۰۰ سے زیادہ ادبی شہ پارے لکھے ہیں۔

۱۹۳۵ء میں دہلی اور بجنور سے شائع ہونے والے بچوں کے رسالے 'غنچہ' اور 'پھول' میں

رازیؔ صاحب کی نظمیں شائع ہوچکی ہیں۔ حکیم صاحب کے اب تک کئی شعری مجموعے 'سنگ و آہن' 'سرودِ بخش اللہ'، 'رگِ سنگ' اور 'کاروانِ سنگ' منظر عام پر آچکے ہیں جن کی ادبی دنیا میں کافی پذیرائی ہوئی۔

حکیم رازیؔ صاحب نے پونہ سے شائع ہونے والے جریدے 'اسباق' کے سرپرست ونگران کی حیثیت سے اُردو ادب کی بڑی خدمات انجام دیں۔ آپ کی اِدارت میں ماہنامہ تکلم برسوں شائع ہوتا رہا۔

پونہ کے گنیش فیسٹیول کے علاوہ مہاراشٹر کے مختلف مقامات پر منعقد ہونے والے مشاعروں میں رازیؔ صاحب اپنا کلام پیش کرچکے ہیں۔ ملک اور بیرونِ ملک کے جریدوں میں آپ کا کلام شائع ہوتا ہے۔

میرے پسندیدہ اشعار

کبھی آساں، کبھی مشکل نہ یہ ممکن نہ وہ ممکن
اِدھر طوفاں اُدھر ساحل نہ یہ ممکن نہ وہ ممکن

ایسا لگتا ہے کہ اب زندہ نہیں ہے کوئی
زندگی تیرا نمائندہ نہیں ہے کوئی

یوں جڑیں کھوکھلی کرتا ہے وطن کی ہر شخص
جیسے اس ملک کا باشندہ نہیں ہے کوئی

یہ کیا دستور ہے، کیسا چلن ہے، ریت ہے کیسی
خطا کوئی کرے الزام اہلِ دل کے سر آئے

دشمنی کے کئی کردار ہوا کرتے ہیں
جاں نثاروں میں بھی غدار ہوا کرتے ہیں

ہمارے دل میں جو اپنوں کے داغ ہیں محفوظ
بجھے بجھے ہیں مگر سب چراغ ہیں محفوظ

ساقی میرا ، جام مرے
پھر بھی پیاسا پیاسا میں

اُس نے سمجھا بے چہرا میں
سایا ہوں جس شخص کا میں

جانے کیا خواب میں پیغام ملا تھا مجھ کو
آنکھ کھلتے ہی بشارت ہوئی پارہ پارہ

ایک ہی صف سے جدا ہوگئے محمود و ایاز
مسلکی جنگ میں ملت ہوئی پارہ پارہ

اس کاوشِ گفتار کا انجام بھی سن لو
بادل جو گرجتے ہیں وہ برسا نہیں کرتے

ابھی ہیں سیکڑوں پردے تکلم پر تبسم پر
سمجھنے کی طرح رازیؔ کو اہلِ دل کہاں سمجھے

❋❋❋

ڈاکٹر امانت - پونہ

'ارمغانِ نعت' - حرفِ آغاز

لفظ 'نعت' سرورِ کائنات حضرت محمد ﷺ کی مدح و توصیف کے لیے مخصوص ہے۔ آج نعتیہ شاعری ایک مستقل صنفِ سخن بن گئی ہے اور قادر الکلام نعت گو شعرا نے اسے معراجِ کمال پر پہنچا دیا ہے۔ بارگاہِ رسالت میں بلا امتیاز مذہب و ملت تقریباً سبھی شاعروں نے نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے۔

عربی زبان کا سب سے پہلا نعت گو شاعر میمون بن قیس ہے مگر ابو ولید انصاریؓ اور حسان بن ثابتؓ کو اپنے عہد کے تمام شعرا پر فوقیت حاصل ہے۔ عربی سے نعت گوئی کی صنف فارسی زبان میں منتقل ہوئی۔ سعدی شیرازیؒ کی درجِ ذیل رباعی نے انھیں شہرتِ دوام بخشی ہے ۔

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِهٖ کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِهٖ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِهٖ صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ آلِهٖ

مرزا بیدلؔ کہتے ہیں ۔

زبانم قابلِ حمدِ خدا شد   کہ از نامِ محمدؐ آشنا شد

سعدیؒ کی رباعی کی طرح قدسیؔ کی نعت ۔

مرحبا سیّد مکی مدنی العربی   دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

بڑے ذوق و شوق کے ساتھ مذہبی محفلوں میں پڑھی جاتی ہے اور اس پر غالبؔ نے بھی تضمین لکھی ہے۔ خود غالبؔ کا یہ شعر نعت کا بہترین شعر تسلیم کیا جاتا ہے ۔

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

نعت گو شاعر کے لیے یہ اشد ضروری ہے کہ وہ عشقِ رسولؐ کے پاکیزہ جذبے سے سرشار ہو۔

شمالی ہند میں اُردو کے ہر دَور کے شاعروں نے نعتیں کہی ہیں، جن میں محسنؔ کاکوروی سب سے بلند پایہ نعت گو ہیں۔ ان کا قصیدہ 'مدیح خیر المرسلین' ایک معرکہ آرا کارنامہ ہے۔

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

خواجہ الطاف حسین حالیؔ نے نعت کو 'دُرِّ یتیم' بنا کر اُردو ادب میں پیش کیا۔ آپ کی مسدس کے نعتیہ بند اپنے دامن میں عقیدت و ارادت کے ساتھ حقیقت و صداقت کی دنیا لیے ہوئے ہیں۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا   مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

آج صفِ اوّل کے شعرائے کرام نے نعت کو معراجِ کمال پر پہنچا دیا ہے۔ زیرِ نظر مجموعے میں حضرت ادیبؔ مالیگانوی، ڈاکٹر امانتؔ، حکیم رازیؔ اور دلبرؔ ادیبی پونوی کی نعتیں شامل ہیں۔ ان میں سے بیشتر اُردو کے کثیر الاشاعت روزناموں میں شائع ہوچکی ہیں۔ راقم الحروف نے جگرؔ مرادآبادی کی فارسی نعت کا اُردو میں منظوم ترجمہ کیا تھا جو اُردو روزنامہ انقلاب ممبئی کے علاوہ پاکستان کے مشہور رسالہ نعت رنگ میں بھی اشاعت پذیر ہوچکا ہے۔

یقینِ واثق ہے کہ نعتوں کا یہ ایمان افروز و روح پرور تحفہ اُردو داں طبقے میں شرفِ قبول حاصل کرے گا۔

ڈاکٹر سریش چندر ناڈکرنی - پونہ

شاعری - ''بدلیں گے نہ محفل سے''

جناب حکیم رازؔی (پیدائش ۱۹۲۰ء) شہر پونہ کے حلقۂ شعر و ادب کی منفرد شخصیت ہیں۔ مزاج میں تیزی لیکن بچوں کی طرح معصوم طبیعت، کھلے دل کے، پیشے سے یونانی حکیم، اس لیے ان کے پاس علاج معالجے کے لیے مریضوں کی بھیڑ لگی ہوتی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ نئے پرانے شعرا بھی ہمیشہ ان کے مطب میں براجمان رہتے ہیں۔

شعر و ادب پر شائع ہونے والے ماہنامہ 'اسباق' کے ایک عرصے تک سرپرست و نگراں رہے ہیں۔ آپ کی ادارت میں ماہنامہ 'تکلم' برسوں شائع ہوتا رہا۔ اُبھرتے ہوئے شعرا کی رہنمائی کرنا اور ان کی غزلوں کو درست کرنا حکیم صاحب کا محبوب مشغلہ رہا ہے۔ خود ان کے مجموعۂ کلام 'سنگ و آہن'، 'سرود بخش اللہ' اور 'رگِ سنگ' شائع ہو چکے ہیں۔

رازؔی صاحب کی اُردو شاعری میں حسن و عشق اور ترقی پسند شاعری کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔

تنہائی کو ہم اپنی بدلیں گے نہ محفل سے
تصویرِ تصور نے وہ رنگ دِکھائے ہیں

آس پاس کے ماحول کو جذبۂ انسانیت سے دور اور خود غرض دنیا کو دیکھ کر خود میں نے اپنی تنہائی کو رفیقوں کی محفل کو سجانے کا خیال چھوڑ دیا۔

(مراٹھی روزنامہ 'پربھات' سے، ۴/اکتوبر ۱۹۹۸ء)

ڈاکٹر جلیسؔ سہسوانی، مدیر گلکدہ

ارمغانِ نعت

'ارمغانِ نعت' کو مرتب کرنے والے حکیم رازیؔ ادیبی ہیں اور حضرتِ ادیبؔ مالیگانوی، ڈاکٹر امانتؔ، الحاج حکیم رازیؔ ادیبی اور محمد حسین دلبرؔ ادیبی کے نعتیہ کلام کا یہ مجموعہ ہے۔

اس میں التجا، آمنہ کا لال اور تیرہ (۱۳) نعتیں حضرتِ ادیبؔ مالیگانوی کی درج ہیں۔ 'ساقیٔ ازل' اور 'نعت' حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر (تضمین بر شعر غالبؔ)، 'حضرت جگرؔ مرادآبادی کی فارسی نعت اُردو کے قالب میں' یہ ڈاکٹر امانتؔ کی تخلیق ہیں۔ ایک حمد اور 'حلیمہ کی گود میں' کے ساتھ تئیس (۲۳) نعتیں الحاج حکیم رازیؔ ادیبی صاحب کی ہیں۔ ایک 'دعا'، سات نعتیں محمد حسین دلبرؔ ادیبی کی ہیں۔ اس طرح مجموعی اعتبار سے کل باون تخلیقات اس نعتیہ مجموعے میں شامل ہیں۔

فنِ شعر وسخن میں نعت گوئی کا فن انتہائی مشکل فن ہے جسے ہر اہلِ ہنر وفن جانتا ہے اس لیے کہ نعتِ سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی کے لیے مختص ہے۔ اس وجہ سے یہ خیال رکھنا بے حد ضروری ہوجاتا ہے کہ آپؐ کی شانِ اطہر کی نسبت کوئی بات خلافِ ادب نظم نہ ہوجائے۔ اس نقد ونظر کے تحت اشعار میں فن کے ساتھ ساتھ الفاظ کی بندش اور ترتیب کو محتاط انداز میں رکھا جاتا ہے۔

یہ سچ ہے جب شاعر پر نعتیہ اشعار کی آمد ہوتی ہے تو اسے دین اور دنیا دونوں کا لطفِ بیکراں حاصل ہوتا ہے اور یقیناً یہ لطف اس مجموعے کے شعرا حضرات نے حاصل کیا ہے۔ خوب خوب حاصل کیا ہے۔ حمد اور نعت کا ایک ایک شعر۔

بروزِ حشر بھی یا رب مرا بھرم رکھنا
مرے تمام گناہوں کا رازداں تو ہے

زمینوں کی تمنا آسمانوں کی پکار آئے
محمدؐ لے کے دنیا میں نئے لیل ونہار آئے

وقارؔ حلم سیّد نگلوی - رامپور

صاحبِ دیوانِ بے نقط 'مرصعِ حلم'

'ارمغانِ نعت' پر میری طائرانہ نظر

برادرِ گرامی محترم الحاج حکیم رازؔی ادیبی اشرفی صاحب کا مرتبہ وارسال کردہ پیار بھرا ادبی و دینی تحفہ 'ارمغانِ نعت' کی صورت میں نظرنواز ہوا۔ بندہ جستہ جستہ مطالعے سے سرفراز ہوا۔ اس سے پہلے کہ میں 'ارمغانِ نعت' پر کچھ کہوں نعت کے بارے میں چند جملے عرض کرتا چلوں۔ ملاحظہ فرمائیں

'نعت' عربی کا لفظ ہے۔ اس کے لغوی معنی ہیں تعریف، مدح و ثنا اور ادب میں اس سے مراد وہ شاعری ہے جس میں رسولِ اکرمؐ کی مدحت سرائی کی جاتی ہے۔ اس کے لیے کسی صنفِ سخن کی کوئی قید نہیں۔ یہ نعت گو شاعر کی اختیار کی بات ہے کہ وہ کس صنفِ سخن کو منتخب کرتا ہے۔ ہر شاعر اپنے عقیدے اور جذبۂ عشق کے تحت نعت کہتا ہے۔ جس شاعر کا قرآن، حدیث اور تاریخ اسلام کا جتنا وسیع مطالعہ ہوتا ہے اتنا ہی وہ ایک کامیاب نعت گو شاعر کہلاتا ہے۔ اس لیے نعتیہ شاعری میری نظروں میں وہ شاعری ہے جو شاعر کا علمی، فنی، شعری و ادبی اور دینوی و دینی درجہ متعین کرتی ہے اور اُس کا ہر مصرعہ کھلا ہوا ایک جادہ ہے جو شاعر کی ایمانی منزلوں کا پتہ دیتا ہے۔ (ماخوذ از نقوشِ وقار، صفحہ: ۴۶)

میں نے لفظ 'نعت' کے حرفوں کی وضاحت کرنے کی جسارت کی ہے جسے ناظرین کے سامنے پیش کررہا ہوں۔ اس لفظ نعت میں کل تین حروف ہیں؛ ن، ع اور ت۔ ن سے مراد ہے نبی، ع سے عصمت اور ت سے تعریف۔ حرفوں کو اِدھر اُدھر کرنے سے ترکیب لفظی بنی 'تعریفِ عصمتِ نبیؑ' لہٰذا اس ترکیب سے نعت کے معنی ہوئے 'عصمتِ نبی کی تعریف وتوصیف بیان کرنا۔

حسّان بن ثابتؓ اور دعبل خزاعی کا عربی زبان کے نامور شعرا میں شمار ہوتا ہے۔ 'ارمغانِ نعت' ایک نعتیہ مجموعہ ہے۔ یہ مجموعہ، جناب ادیب مالیگانوی مرحوم، ڈاکٹر امانتؔ، الحاج حکیم رازؔی

ادیبی اور محمد حسین دلبر پونوی کی نعتوں پر مشتمل ہے۔

اس نعتیہ مجموعے کا آغاز حضرتِ ادیبؔ مالیگانوی کی حمد اور التجا سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد صفحہ ۸ سے لے کر صفحہ ۳۰ تک مرحوم ادیبؔ صاحب کی ۱۳ نعتیں ہیں جن میں ایک مسدس، ایک مخمس اور ایک قطعوں والی نعت ہے۔ سات نعتوں کو عنوانات سے بھی نوازا گیا ہے۔ جناب ادیبؔ صاحب کا بڑا ہی والہانہ انداز ہے جو نہایت ہی خوبصورت اور دلکش نظر آتا ہے۔

کیا ہے دل کو روشن جلوۂ عشقِ محمدؐ نے   ادیبؔ اس آئینے پر غیر ممکن ہے غبار آئے

ان کا ایک خوبصورت سا نعتیہ قطعہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

دل میں شوقِ شہادت بھی ایمان بھی   زندگی بھی، محبت بھی، قرآن بھی
جن کے سجدوں سے پُرنور تھیں مسجدیں   خون سے ان کے گلشن تھا میدان بھی

اکثر شعرا زلف و عارض ہی کے بندھنوں میں بندھے نظر آتے ہیں مگر آپ کی فکرِ رسا نے بہت سارے گل کھلائے ہیں۔

تیرے سخن کی گرمیاں سوزِ حیات بن گئیں   فطرتِ پائمال کو اوج فلک دِکھا دیا
نگاہ دل پہ جو ڈالی تمھارے ذکر کے ساتھ   ہر ایک گوشۂ دل محفلِ ازل نکلا

تاریخی واقعات اور حقیقت نگار نمونے بھی آپ کے یہاں بے مثل ہیں، جیسے۔

گئے تھے قتل کو آئے حیاتِ نو لے کر   عجیب شان سے عزمِ عمرؓ کا بَل نکلا

نعتوں کے بعد حضرتِ ادیبؔ مرحوم کا ایک سلام بھی مجموعے میں شامل ہے جو زبان و فن کے اعتبار سے ایک مرصع سلام ہے۔ مطلع ملاحظہ فرمائیں۔

سلام اس پر کہ جس نے جان دی شوقِ شہادت میں
سلام اس پر کہ جو اک لعل تھا تاجِ رسالت میں

ڈاکٹر امانتؔ صاحب کی صرف تین نعتیں ہیں جن میں ایک قطعہ، ایک تضمین بر شعرِ غالبؔ اور

آغوشِ رسالتؐ میں فاروقؓ جو آپہنچے   ہاتھوں میں لیے اپنے تلوار چمکتے ہیں

رازیؔ صاحب نے تضمین پر بھی نعت کہی ہے جو سعدی شیرازیؒ کے چار مصرعوں پر ہے۔

تو ہی ہر چمن کی بہار ہے   بلغ العلی بکمالہٖ

کہ خدائی تجھ پہ نثار ہے　　کشف الدجیٰ بجمالہ
سرِ چشر سب کا قرار ہے　　حسنت جمیع خصالہ
تو ہی عاصیوں کی پکار　　صلوا علیہ و آلہ

رازؔی صاحب کے شاعرانہ مزاج میں تصوفانہ رنگ بھی نظر آتا ہے۔

فاصلہ ہو کتنا ہی پھر بھی ہم نشیں میرے　　آستاں پہ جانے کا حوصلہ سلامت ہے
دونوں جہاں کے وہ ہیں امیر　　ہم ہیں اُن کے دَر کے فقیر

حکیم رازؔی کی نعتوں کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی نعتیں شاعرانہ اوصاف سے پُر ہیں اور عروضی نظام بھی مستحکم ہے۔

رازؔی صاحب کی نعتوں کے بعد جناب دلبؔر ادیبی کی نعتوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جو صفحہ ۵۰ سے صفحہ ۵۶ تک پھیلی ہوئی ہیں۔ ان کی تعداد صرف سات ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

سارے نبیوں کے ہیں سردار مدینے والے　　دونوں عالم کے ہیں مختار مدینے والے
ہمارے تمھارے ہیں پیارے محمدؐ　　دو عالم کی آنکھوں کے تارے محمدؐ

بلایا معراج کے بہانے فرشتے گاتے رہے ترانے
نماز جیسا کسی کو تحفہ فلک پہ جاکر ملا نہیں ہے

حضرتِ رازیؔ سے خطاب

اللہ اللہ ذکرِ رازیؔ کاخ و کو ، کرنے لگے
'سنگ و آہن' بھی تو ان سے گفتگو کرنے لگے

طالبانِ فن کے دل میں آرزو ہونے لگی
اہلِ دل ، اہلِ نظر جستجو کرنے لگے

اُن کی نظریں پڑتے ہی دیوانے آئے ہوش میں
اپنے اپنے جیب و داماں کو رفو کرنے لگے

ان کی آہِ صبح گاہی نے دکھایا یہ کمال
زاہدانِ خشک بھی سب ہاؤ ہو کرنے لگے

وہ نمازی بن گئے پڑھتے نہ تھے جو بھی نماز
ان کے رشکِ لالہ گوں سے وہ وضو کرنے لگے

رکھ لی رازیؔ نے ہمارے غم کی راحتؔ آبرو
دل میں ہم روشن چراغِ آرزو کرنے لگے

سلسلۂ مطبوعات نمبر ۵

© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

کتاب کا نام	:	احتسابِ رازی
مرتب	:	ذاکر عثمانی راویری
ناشر	:	اُصول پبلی کیشنز، پونے
سنِ اشاعت	:	۲۰۰۷ء
تعدادِ اشاعت	:	۵۰۰ (پانچ سو)
صفحات	:	۳۲۰
قیمت	:	۲۰۰ روپے
کمپیوٹر کمپوزنگ	:	مدنی گرافکس، پونے (26122855)
طابع	:	پربھات پرنٹنگ ورکس، پونے

ملنے کے پتے : ۱. حکیم رازی

572, Sachapeer Street, Pune - 411 001
Ph.: 26340278

۲. پندرہ روزہ اصول

Madni Graphics, Shop No. 5,
Anamay Building, 305 - Somwar Peth,
Pune 411 011. Ph.: 26122855

۳. ذاکر عثمانی راویری

Nagjhiri Ward, Raver,
Dist. Jalgaon 425508.

सुरेश कलमाडी
Suresh Kalmadi

रेल राज्य मंत्री, भारत
Minister of State for Railways,
India

जनाब हकीम राजी अदीबी साहब,

मुझे ये जानकर बहोत खुशी हुई के पूने के इलमी मरकझ से उर्दू का एक रिसाला 'माहनामा तकल्लुम' का मार्च 1996 के आखरी हफ्ते मे इज्रा हो रहा है ।

मै इस मौके पर मुबारकबाद पेश करते हुए उम्मीद करता हुँ ये 'माहनामा तकल्लुम' कारईन की इलमी अदबी और समाजी मालूमात मे इजाफा करने का बाअस होगा और उनकी दिलचस्पीयाँ मे इजाफा करेगा ।

मुख्लिस

Sincerely yours

Suresh Kalmadi
Suresh Kalmadi

یوسف ناظمؔ ۔ ممبئی

حکیم رازؔی ادیبی بے حد پُر گو شاعر

'سنگ و آہن' کا مطالعہ کر رہا ہوں، مجموعۂ کلام غیر معمولی اچھا چھپا ہے۔ حکیم رازؔی ادیبی بے حد پُر گو شاعر ہیں۔ عصمت جاویؔد کے مفصل اور مدلل مضمون کے بعد کچھ اور لکھنے کی گنجائش کہاں رہ جاتی ہے۔ نذیرؔ صاحب! آپ نے بھی خوب لکھا ہے کہ حکیم صاحب کے سینے میں دو دل ہیں، ایک حساس شاعر کا، ایک شفیق مسیحا کا۔ دیکھئے ان سے کب ملاقات ہوتی ہے۔

حکیم رازؔی - مختلف آئینوں میں

''حکیم رازؔی کمال کے آدمی ہیں۔ اتنی عمر میں مطب بھی کرتے ہیں، شاعری بھی کرتے ہیں اور صحافت بھی کرتے ہیں۔ ماشاء اللہ تحریر تو اتنی خوبصورت ہے کہ بار بار دیکھنے اور پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

اتنی عمر میں اتنا سیٹ ہینڈ رائٹنگ میں نے خال خال ہی دیکھے ہیں۔ یادداشت بھی کمال کی ہے۔ ایسے لوگ ہم جیسے لوگوں کو تو ایک طرح سے سبق ہیں۔ خدائے برتر ان کو کامیاب زندگی وعمر دراز عطا فرمائے، آمین۔''

ڈاکٹر اودے سرن ارمانؔ ادیبی، بلاری، مرادآباد

☆

ڈاکٹر جلیسؔ سہسوانی

'کاروانِ سنگ'

یہ الحاج محترم حکیم رازیؔ ادیبی اشرفی کا مجموعۂ کلام ہے۔ اس میں شامل شدہ تخلیقات میں ایک حمد، دو نعتیں، ایک سلام، ننانوے غزلیں، ایک نظم 'قلم شاہِ مکرم' اور اپنے اُستاد محترم حضرتِ ادیبؔ مالیگانوی کی پہلی برسی پر ایک نظم، تاریخِ وفات پر ایک اور نظم، اس ایک سو بارہ (۱۱۲) صفحات کے مجموعے میں شامل ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ رازیؔ صاحب کی کاوشیں اس مجموعے کے ورق ورق پر عیاں ہو رہی ہیں۔ ترنم، ساز، موسیقی اور اشعار کی جو بھینی بھینی خوشبوئیں اس سے نکل رہی ہیں وہ گواہ ہیں ۔

پھول سے نازک تصور، زخم سے رنگین خیال   کیونکر اُن کے عکس کو میں ڈھال لوں تصویر میں

رازیؔ ادیبی صاحب فنِ شعر و شاعری میں یکتائے فن ہیں۔ ان کے تخیل کی اُڑان وسیع و عریض ہی نہیں، بلند ہے ۔

تری اُڑان کا دعویٰ کہاں گیا اے دوست   ہوا کے دوش پہ تجھ کو شکستہ پر دیکھا

ایک بار پھر کہہ دوں کہ ان کے ہنرِ سخن میں بے حد وسعت ہے، روانی ہے، فلسفہ ہے اور بات کہنے کا گرانقدر شعور ہے ۔

کون سنے پھر دل کی کہانی، کون سراپا گوش رہے
ہم کہہ کر پچھتائے ہمیشہ، تم سن کر خاموش رہے

اس کتاب کی چھپائی صاف ستھری ہے۔ کاغذ سفید اور سرورق سادہ ایک رنگ ہے، جس پر یہ شعر تحریر ہے ۔

ہر غزل میں دیکھئے قوسِ قزح کا رنگ ہے   دل فریب و دل کشا یہ 'کاروانِ سنگ' ہے

شیخ واحد قاسم بیابانی - پونہ

میرے بچپن کے بزرگ حکیم رازؔی ادیبی

حکیم رازؔی ادیبی کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ طب و جراحت کے علاوہ علم و ادب میں نہ صرف پونہ بلکہ ادبی دنیا میں مشہور و معروف ہیں۔ آپ پونہ کے بزرگ معزز شخصیت کے علاوہ بزرگ طبیب، بزرگ شاعر اور کئی کتابوں کے مصنف اور ماہنامہ تکلم کے مدیر اور اسباق کے سرپرست ونگراں رہے ہیں۔ بلکہ آج بھی عمر کی اس دہلیز پر آپ کی تصانیف اور اپنے استادِ محترم ادیبؔ مالیگانوی کے غیر مطبوعہ اشعار کو مرتب کر کے کتابی شکل دینے کا سلسلہ جاری ہے۔ ساتھ ہی بیرون شہر کم اور شہر کے مختلف مشاعروں میں بطور شاعر یا صدر شاعر کی حیثیت سے بنفسِ نفیس مشاعروں میں شرکت کر کے مشاعرے کی محفل میں چار چاند لگانے کے علاوہ مشاعرہ لوٹ لیتے ہیں۔

راقم الحروف حکیم رازؔی ادیبی سے اپنے بچپن کے دنوں سے واقف ہے جب میں اپنے والد محترم جناب قاسم بیابانی میلادی کے ہمراہ حضرت خواجہ حسین عرف جلالی ماموں کے یہاں میلاد پڑھنے جایا کرتا تھا۔ تب ہی سے موصوف کو دیکھتا آیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر صحت کے ساتھ دراز کرے، آمین۔

جیسا کہ سبھی جانتے ہیں کہ میں پیشے کے لحاظ سے ٹیچر ہوں۔ اس لیے بحیثیت ٹیچر دیگر ٹیچروں کی تعلیمی صلاحیتوں کا اعتراف کرنے کی غرض سے میں نے اپنے رفقا کے ذریعے دی مسلم ویلفیئر ایجوکیشن سوسائٹی کی بنیاد ڈالی جس میں ٹیچروں کو ان کی خدمات کے طفیل میں بیسٹ ٹیچر ایوارڈ کے علاوہ سماج کے غریب نادار بچوں کو ہر سال مفت کاپیاں اور کتابیں تقسیم کی جاتی ہے۔ ہر سال ۵/ستمبر ٹیچر ڈے کے موقع پر پونہ کی تمام اُردو اسکولوں کے دیگر میڈیم کے اسکولوں کے اساتذہ کو بہترین ٹیچر کے ایوارڈ کے علاوہ علمی ادبی دنیا میں گرانقدر خدمات انجام دینے والی شخصیات کو

Life Time Achievement اعزازات سے نوازا جاتا ہے۔ گزشتہ سال یہ اعزاز حکیم رازؔی صاحب کو تفویض کیا گیا۔ حکیم رازؔی کو جب یہ ایوارڈ دیا گیا اور اس کی تصویر ممبئی کے مؤقر اُردو اخبارات اُردو ٹائمز اور انقلاب کے علاوہ مقامی اخبارات میں شائع ہوئی تو کئی ایک افراد نے مجھے ذاتی طور پر مبارکباد دی اور دعائیں دیں۔ مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ اس ایوارڈ سے حکیم رازؔی کا نہیں بلکہ لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ کا وقار بلند ہوا ہے اور ساتھ ہی یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ حکیم رازؔی صاحب کی عظمت وعزت واحترام اہلیانِ پونہ اپنے دل میں رکھتے ہیں جبکہ چند افراد نے یہ بھی دریافت کیا کہ اس ایوارڈ کے لیے آپ نے حکیم رازؔی کا ہی انتخاب کیوں کیا تو ان کے لیے میرا یہی جواب تھا۔

یوں تو دنیا میں بہت سے ہیں سخنور اچھے
میں یہ کہتا ہوں کہ رازؔی کا ہے اندازِ بیاں اور

جناب حکیم رازؔی ادیبی صاحب

(پونہ کے مایہ ناز حکیم و طبیب اور مشہور شاعر)

جناب حکیم رازؔی صاحب، اپنے اوصاف و صفات کے لحاظ سے پونہ میں ایک نمایاں اور مثالی شخصیت کے مالک ہیں۔ رازؔی صاحب جہاں ایک حکیم کی حیثیت سے مشہور ہیں وہیں وہ ایک کامیاب اور ممتاز شاعر بھی ہیں۔ وہ بہت ذہین اور بڑے حاضر جواب آدمی ہیں۔ رازؔی صاحب انسانوں کی بے لوث خدمت و خلوص کا عظیم جذبہ رکھتے ہیں۔ ان کی طبیعت بامقصد اور صرف تعمیری کاموں کی طرف مائل رہتی ہے۔ وہ بے انتہا مخلص اور خلیق انسان ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پونہ میں انھیں بڑی ہردلعزیزی اور مقبولیت حاصل ہے۔

حکیم رازؔی صاحب کے ہاتھ میں اللہ نے بڑی برکت دی ہے اور بے شمار مریضوں کو ان سے شفا حاصل ہوتی ہے۔ انھیں پونہ میں ایک ممتاز حکیم و طبیب کی حیثیت حاصل ہے۔

'قرآن اور ہم' کا یہ نیا ایڈیشن اس مرتبہ جناب حکیم رازؔی صاحب کے نام سے پیش کیا جارہا ہے اور اس موقع پر ہم اُن سے خصوصی توجہ اور تعاون کی اُمید رکھتے ہیں۔

مسلم کوآپریٹیو بینک لمیٹڈ کی ایڈوائزری بورڈ کے ممبران

۱۹۸۲-۸۳ء

کیمپ برانچ، ۴۸، مہاتما گاندھی روڈ، پونہ-۱

CAMP BRANCH

Abdul Sattar Nayab

Mohammed Salim Mohd.
Usman Gudakuwala

Moinuddin A.
Khwajamiya Mehtar

Haji Kutbuddin Abdul
Gani Hiroli (President)

Hakim Mohd. Rajjab
Razi (Vice President)

حکیم رازؔی ادیبی اِس اڈوائزری بورڈ کے وائس پریسیڈنٹ تھے۔

اخبارات کے چند تراشے

نذیر فتح پوری

دواخانہ حکیم رازؔی (اُردو کا ایک اہم مرکز)

پونہ میں اُردو شعر و ادب کے حوالے سے گفتگو ہو رہی ہو اور اس میں 'دواخانہ حکیم رازیؔ' کا نام نہ آئے تو گفتگو مکمل نہیں سمجھی جائے گی کیونکہ آزادی کے بعد یا یوں سمجھ لیں ۱۹۸۰ء کے بعد پونہ میں جو کچھ ادبی کارنامے انجام پائے ہیں ان کا مرکز 'دواخانہ حکیم رازی' ہی رہا ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں جسمانی مریضوں کے ساتھ ساتھ 'ادبی مریضوں' کا علاج بھی پابندی سے ہوتا ہے۔

۵۷۲، ساچا پیر اسٹریٹ کے چوک میں واقع اس مطب کی اپنی ایک کہانی ہے۔ اس مطب کے مالک پونہ کے سب سے بزرگ شاعر جناب حکیم رازؔی سے آپ کی ملاقات اسی مطب میں ہوگی۔ پونہ میں سب سے خوبصورت 'اُردو تحریر' لکھنے والی اُنگلیوں کا مالک اسی مطب میں اپنی گونا گوں مصروفیتوں کے باوجود 'محوِ قرطاس وقلم' نظر آئے گا۔ ایک زمانہ تھا کتابت کا فن سیکھنے والا سب سے پہلے مطب کے تختے پر زانوئے ادب تہہ کر کے اپنی مشق کی ابتدا کرتا تھا۔ الف کی بلندی اور جیم کے حجم کا اندازہ کاتب کو اسی مطب میں ہوتا تھا۔ کتابت سیکھنے والوں کے لیے یہ مطب مکتب کی پہلی کلاس ہوا کرتا تھا۔ یہاں پاس ہونے کے بعد ہی کتابت کی کلاس میں داخلہ ممکن تھا۔ شہر میں مفت کلاس چلانے کا اعلان اور دعویٰ کرنے والوں نے زندگی میں ایک کاتب بھی تیار نہیں کیا۔ اس کے برعکس 'دواخانہ حکیم رازی' سے کتنے ہی کاتبوں نے اپنی نوک پلک سنواری ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

اُردو کی نشر و اشاعت میں بھی اس مطب کا اہم رول رہا ہے۔ ۱۹۸۱ء سے ۱۹۸۶ء تک 'اسباق' کی اشاعت و ترسیل کا کام اسی مطب سے ہوتا رہا ہے۔ ماہنامہ 'تکلم' کی اشاعت جتنے دنوں

تک ہوئی اس کا مرکز یہی مطب رہا۔ اُردو کی متعدد کتابوں کی اشاعت کا کام بھی اسی مطب سے انجام پایا ہے۔

بزمِ اُردو کی ابتدا اسی دواخانہ حکیم رازؔی سے ہوئی تھی۔ اس بزم کے صدر حکیم رازؔی ہوا کرتے تھے۔ بزمِ اُردو کے تحت کتنے ہی آل انڈیا مشاعرے منعقد کیے گئے۔ مختصر ادبی مجلسوں کا اہتمام بھی اسی بزم کے تحت کثرت سے ہوا ہے۔

ہندوستان کے مختلف صوبوں سے آنے والے شعرا اور ادبا کے لیے 'دواخانہ حکیم رازی' ایک زیارت گاہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ شہر کی آنکھوں نے ایسے منظر بارہا دیکھے ہیں ...... شام کا وقت ہے، شہر پوری طرح سڑک پر پھیلا ہوا ہے۔ بازار مہک رہا ہے۔ دکانوں پر گاہکوں کا ہجوم ہے۔ لوگ مادّی لوازمات کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ ایسے میں 'دواخانہ حکیم رازی' کے سامنے کرسیاں لگی ہیں۔ اہلِ علم و بصیرت کی محفل سجی ہے۔ کبھی کالی داس گپتا رضا رونق محفل بنے ہوئے ہیں، کبھی ڈاکٹر عصمت جاوید نگاہوں کا مرکز ہیں۔ کبھی ادیبؔ مالیگانوی اور کبھی عتیق احمد عتیقؔ جیسے اساتذہ کی صحبتوں سے حاضرین فیضیاب ہورہے ہیں۔ کوئی شعر سنا رہا ہے۔ کوئی تنقید کی تہیں کھول رہا ہے، کوئی تحقیق کے راز سمجھا رہا ہے۔ علم و ادب کی بارش ہورہی ہے۔ بازار کی خاموشی کے بعد شعر کے لہجے کی گونج بلند ہوجاتی ہے۔ نغمہ اپنی لے کی حدوں کو چھوتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ افسانہ اپنی آخری سطور میں پہنچ کر ڈرامائی کیفیت اختیار کرلیتا ہے۔ غالب کا ذکر، ذوق کا تذکرہ، مومن کی شعریت، داغ کی شوخیاں، اقبال کا شکوہ، پریم چند کا کفن، منٹو کے مقدمے، عصمت کا لحاف، کرشن چندر کی دھنک رنگ تحریریں، گویا ادب کے ہر پہلو پر تبادلۂ خیال ہورہا ہے۔ کبھی اُردو کے تاریک اور کبھی تابناک مستقبل پر گفتگو، شعر کی تفہیم، ادبی نکات کی فہمائش، بحر و اوزان، تبصرے اور تجزیے۔ ہر موضوع پر اپنے اپنے علم کے مطابق روشنی ڈالی جارہی ہے۔ بظاہر ایک چھوٹا سا مطب لیکن اپنے اندر دبستانوں کی وسعت رکھتا ہے۔ پونہ میں ادبی ماحول کو تقویت پہنچانے کا کام اس مطب سے ہوا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ہندوستان کے جو شعرا و ادبا یہاں تشریف لا چکے ہیں ان کی نامکمل فہرست اس طرح مرتب کی جاسکتی ہے:

ممبئی سے : کالی داس گپتا رضا، قمر جلال آبادی، احسن دانا پوری، ندا فاضلی، قیصر الجعفری، علامہ حاذق طیفوری، علامہ ہرفن، مائل لکھنوی، نقش لائل پوری، منصور فریدی، رفیعہ شبنم عابدی، عبدالاحد ساز، قاسم امام، افتخار امام، عبد اللہ کلام، شرف کمالی، مہر مہسلائی، مینا قاضی، شبیر احمد راہی،

زید عابد، حمید ادیبی، محمود سروش، اعجاز سیمابی، سردار جوہر، معین ادیبی، سلمان ماہمی، نثار ایولوی، نہال حفیظ، جمیل سحر، شبانہ سحر، کامل چاند پوری، متین قادری، جمیل مرصع پوری، حسن نعیم، عیش کنول، قتیل راجستھانی، قاسم قریشی، نسیم اجمیری، رئیس بلوی، عثمان عامر، نظام الدین نظام، سوز ملیح آبادی، نادم اشرفی، محمود درانی، تاج دار تاج، ظفر گورکھپوری۔

مالیگاؤں سے : ادیب مالیگانوی، عتیق احمد عتیق، اشفاق انجم، خیال انصاری، نہال انصاری، مقیم اثر، دانش مالیگانوی، صالح بن تابش، قدسی مالیگانوی، ظہیر قدسی، امید ادیبی، اثر صدیقی، مسلم مالیگانوی، اکبر مرزا، گل ایوبی، عزیز ادیبی، رزاق انور، مجید سرور، شبیر آصف، ڈاکٹر نایاب انصاری، شوق مالیگانوی، جوہر چاندوڑی، فخر دھولیوی، سراج انور، اقبال برقی، شہرت ادیبی، ہارون فراز، شبیر ہاشمی، سلیم شہزاد۔

ناگپور سے : شارق جمال، منشاء الرحمٰن منشاء، جلیل ساز، عبدالرحیم نشتر، ظفر کلیم، غلام رسول اشرف، زرینہ ثانی، خ زماں انصاری، سلام وفا، امین الدین مدیر قرطاس۔

اورنگ آباد سے : عصمت جاوید، قاضی سلیم، جلیل الٰہ آبادی، یعقوب عثمانی، بشر نواز، مجید بیدار، شاہین ظفر، سحر سعیدی، اختر الزماں ناصر، عظیم راہی، جاوید ناصر۔

جلگاؤں سے : بیرسٹر رمضان محمدی، اکبر رحمانی، معین الدین عثمانی، صغیر احمد، ایم آئی ساجد، محسن جلگانوی، عاجز ہنگن گھاٹی، ذاکر عثمانی۔

کشمیر سے : مظہر امام، سلطان الحق شہیدی۔

برہانپور سے : مجاز آشنا، شعور آشنا، نعیم اختر، کیف نوگانوی، عبداللہ باقی، قاضی حسن رضا

لکھنو سے : سرشار کسمنڈوی، کرشن بہار نوری، وصی احمد وصی۔

دہلی سے : ظفیر الحسن، نظر ایٹوی، شعلہ رامپوری۔

بھوپال سے : منیر الحوی، مشتاق الحوی، شاہد ساگری، ملکہ نسیم۔

جے پور سے : اظہار مسرت، فراز حامدی۔

مظفر حنفی کلکتہ سے، محبوب راہی اکولہ سے، علیم صبا نویدی مدراس سے، راہی قریشی گلبرگہ سے، ناشاد اورنگ آبادی بہار سے، اسلم چشتی یو پی سے۔

(اُردو ٹائمز، ممبئی - ۹/فروری ۲۰۰۶ء)

CHIEF MINISTER

MAHARASHTRA

جناب عبدالرحمٰن انتولے ۔ وزیر اعلیٰ مہاراشٹر

مکرمی، تسلیم

عید سعید کے موقع پر آپ کا تہنیت نامہ ملا۔
جس کے لیے میں آپ کا مشکور ہوں۔
میری دلی دعا ہے کہ عید کی یہ مسرتیں ہمیشہ قائم و دائم رہیں۔ اور ہم سب اس جذبۂ مسرت میں اپنی منزلِ مقصود کی طرف کامیابی سے قدم بڑھاتے رہیں۔
نیک خواہشات کے ساتھ

مخلص،

(عبدالرحمٰن انتولے)

جناب حکیم رازی ادیبؔ
پونے۔۱

پونہ میں حکیم رازؔی ادیبی کی مرتبہ 'ارمغانِ نعت' کا رسم اجرا

پونے : الحاج حکیم رازؔی ادیبی اشرفی کی مرتبہ اور ادارۂ تکلم سے شائع کردہ نعتیہ مجموعہ کلام 'ارمغانِ نعت' کا رسم اجرا اعظم کیمپس کے ثقافتی ہال میں اعظم ٹرسٹ کے چیئرمین جناب منور پیر بھائی کے ہاتھوں ہوا۔ صدارت واڈیا کالج کے سابق اُردو و فارسی کے ہیڈ آف دی ڈپارٹمنٹ ڈاکٹر امانت نے کی۔

اسٹیج پر نذؔیر فتح پوری، یوسف ندیم، امین حزیں، سریش چندر سورت والا اور صالح محمد خان، بشیر احمد انصاری بھی موجود تھے۔ سامعین میں نور منیری، یاسین براری، اقبال حمید، محمد حسین دلبر، متین انصاری، عبدالکریم لہری، قاضی مشتاق احمد، رفیق قاضی، وحید خان، جاوید شیخ مولا موجود تھے۔ بشیر احمد انصاری (سابق افسر، بال بھارتی، پونے) نے کہا کہ اعظم کیمپس سے فارسی زبان کا اخراج قابل افسوس ہے۔ اُردو زبان کو زندہ رکھنے کے لیے فارسی زبان کو جاری رکھنا بے حد ضروری ہے۔ اگر آج ہم فارسی زبان سے دوری اختیار کرتے ہیں تو یقین مانیے پچاس سالوں کے بعد اُردو زبان دم توڑ دے گی۔ انھوں نے مزید کہا کہ جب میں بال بھارتی میں افسر تھا تو حکومت کے سامنے ایک تجویز رکھی تھی کہ فارسی زبان کو کمپوزٹ زبان کے ساتھ جاری کرنا چاہیے۔ حکومت نے اس وقت تجویز منظور کی تھی لیکن اداروں نے عربی زبان کو اہمیت دے کر فارسی زبان کو ٹھکرا دیا تھا۔ بشیر احمد انصاری نے ۸۳/ سالہ حکیم رازی کی ستائش کرتے ہوئے کہا کہ ایولہ والوں کا پونہ والوں پر بہت بڑا احسان ہے۔ ان بزرگوں کو اُردو داں طبقہ کبھی بھول نہیں پائے گا۔

نذؔیر فتح پوری نے مہمانوں کا منظوم تعارف کرایا۔ حکیم رازؔی ادیبی کے لیے انھوں نے کہا۔

حضرت رازؔی کی کاوش کا ہے باب ارمغانِ نعت کا اجرا جناب
نعت شاعر کے سخن کا تاج ہے نعت لکھنا شعر کی معراج ہے

یوسف ندیم نے کہا کہ نعت عربی، فارسی اور عربی کی اہم صنف ہے۔ نعت صرف حضورؐ کی

تعریف سے منسوب ہے۔ نعت عربی شاعری کی دین ہے جو فتح ایران کے بعد ایران پہنچی۔ ہندوستان میں نعت مغلیہ حکومت کے دَور میں آئی۔ نعت کے لیے عشق رسولؐ شرط ہے اور عشق اور عقیدت کے لیے ایمان کا ہونا ضروری ہے۔ انھوں نے آگے کہا کہ دکنی زبان میں کئی قدیم کتابیں نعت گوئی پر موجود ہیں۔

اردو کے شیدائی سریش چندر سورت والا نے کہا کہ حکیم رازؔی کی ۸۳ سال کی عمر میں اس طرح کے کام سے یقیناً ہمیں کچھ سیکھنا چاہیے۔ ڈاکٹر امانت نے خطبۂ صدارت پیش کرتے ہوئے کہا کہ آج کا دور جدید اور ترقی یافتہ کہلاتا ہے۔ شعرا کو اردو ادب کی خدمت اور عوام کی صحیح رہنمائی کرنی ہوگی۔

رسم اجرا کے بعد عبد الکریم لہری جو حکیم صاحب کے شاگرد ہیں، نے شال پیش کی اور دیگر کئی نے گل پوشی بھی کی۔ ہدیۂ تشکر ارمغانِ نعت کے مرتب حکیم رازؔی ادیبی اشرفی نے ادا کیا۔

(فوٹو کے لیے کیپشن : نعتیہ مجموعۂ کلام ارمغان نعت کی رسم اجرا کے موقع پر (دائیں سے) حکیم رازؔی، صدر جلسہ ڈاکٹر امانت، منور پیر بھائی اور امین حزیں۔)

حکیم رازؔی کی تصانیف کا اجرا

پونے : معروف اداکار قادر خان کے دولت کدے پر گزشتہ دنوں بزرگ شاعر حکیم رازی ادیبی کی دو تصانیف 'جہانِ سنگ' (شعری مجموعہ) اور 'رہنمائے بیت بازی' کا اجرا قادر خان کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ مختصر سی تقریب میں اجرا کے بعد شرکا پرنسپل یوسف ندیم، متین انصاری، فاروق قاسم شیخ، سہیل رشید خان، عرفان شیخ، محمد شکر اللہ، سنجے صاحب وغیرہ کو مخاطب کرتے ہوئے حکیم رازی نے اس اقدام پر مسرت کا اظہار کیا۔ بعد ازاں حکیم رازؔی اور پرنسپل یوسف ندیم نے اپنا کلام سنایا۔

Afzal Khan

The Healing Touch

He spends almost the entire day seated in a five feet by four feet Unani hospital known as Dawakhana Hakim Raazi (572, Sachapir Street, Camp, Pune). And, he has been practising here for the past 36 years. Born on February 10, 1920, Hakim Raazi, a *Shagird* (student) of the late Totewalla Hakim, claims to have treated thousands of patients, including those critically ill. He is a gynaecologist, sexologist and a general practitioner too. Alongwith medicine, his patients are also seen seeking his blessings, as he is beleived to be a spiritual man.

Hakim Raazi started his career in Unani medicine in 1940. After working as an assistant to Totewalla Hakim for 25 years, Raazi did a correspondence degree course in *Umdatul Atibba* from the Ajmal Tibbia College, Amritsar. Besides this, he is a holder of a Registered Medical Practitioner's certificate, which he got in 1952.

After working with his *ustaad* (teacher) for 25 years, Hakim Raazi started his own dawakhana, which he still runs.

It is difficult to find this grand old-man of *hikmat* alone since his small clinic, which is open and faces the busy road leading to Shivaji Market, always has patients, either seeking his advice or taking medicines that come at an affordable price.

When this correspondent went to meet him, Hakim Raazi was attending to a couple of women patients. The cheerful Hakim offered a chair just outside his clinic while he was busy mixing powders kept in different bottles for the patients. Although the

bottles do not have labels; the Hakim can pick the right medicine even if he is blindfolded. "Shuffle them and I will have a tough time searching for the medicines!" he tells us, adding "please ask me anything you want to."

One of the women, Laxmi Rajaram Wanga, says she came all the way from Katraj. What brought her to this Hakim? Laxmi says that she learned about Hakim Raazi's healing touch and effective medicines from people in her area who were cured of various illnesses. Is the medicine costly? "No, not at all," she replies quickly. "I had piles and have been taking this medicine for just 10 days and I feel much better now."

The women walk away with the medicine and another man walks in with blisters in his mouth. "Dear, you have a bad stomach, and will be all right within two days," Hakim assures him.

He gives the patient *pudis* (a mixture of powders wrapped in paper) to be taken twice daily and advises him to eat less spicy and non-veg. good. "Anything to apply to the mouth?" asks the patient. "Well, for the moment, you just eat dry coconut," Hakim advises his patient.

Ask Hakim Raazi if he has dealt with any hopeless case and he replies, "Yes, I have successfully handled many cases where doctors had given up." He recalls treating a city businessman suffering *nasoor*, a disease that generally strikes the feet leading to swelling and septic. "Deepakbhai had been advised to get his leg aputated by a doctor.

However, the patient approached me and within a short span of time he was cured. Deepakbhai is still in town and gives me lot of *dua* (blessings)."

The octogenerian Hakim has a bicycle to take him virtually everywhere. Besides reaching any place in the city, he pedals his way to far off places, including Chinchwad where his eldest son, who is aged 58, stays with his family. What is the secret behind his own good health? Special medicines?

"No way, the secret of my health at this age is regular

exercise, hard work and eating less than my appetite." says he. "Besides eating less, I eat less of non-vegetarian and spicy food and also grind the medicines at home myself." he adds with a smile.

Hakim Raazi is also an Urdu poet and has written four poetry books. Besides this, he is the editor and publisher of Urdu literary monthly magazine *Takallum*. Thus, the Hakim is never found idle. He is either busy with his patients or has someone attentively listening to his *Shayari*!

(Times of India, Monday, 29 October 2001)

Goutamkumar Ghosh

All Things Wild and Wonderful

At the inter-section of Sachapir Street and the road towards Shivaji Market, is Dawakhana Hakim Raazi, a clinic for the Unani therapy. Its owner, Mohammad Rajjab Raazi claims to provide pacacea for of all kinds of diseases.

Born on February 10, 1920, Raazi had two dreams in life - to compose *Shairi* and to be a doctor or *Hakim*. Eventually he went on to be both. From 1940 to 1965, he worked with Totewalla Hakim and gained expertise in the field. From 1965 onward, he has been his own man.

"The medicines are based on traditional medicinal plants. I buy the raw materials from the market, and prepare the compositions myself. Right from grinding the ingredients to organising them - I do on my own," says Raazi, his calloused hands bearing testimony to the rigours of his work.

"I make medicines for all kinds of diseases," says he. And about the school of medicine of which he is a follower, he says, "Unani is much like the Ayurveda. In both, the medicines are made mostly from medicinal plants. Whereas in Ayurveda, there is one medicine for a disease. But in Unani, the medicines differ a little from patient to patient even if the disease happen to be the same. That is because here, the climatic condition of the patient's place of birth, where he stays and his temperament is also taken into consideration." As a result the Unani medicines are more patient-specific but he maintains that the whole process does not take much time. In the meantime he dwells on the benefits in-built in the Unani therapy. "In other therapies, the recovery may be swift, but the chances of a side-reaction is very much there. Unani strikes at the

root of the disease," he says.

Years of experience, and Raazi knows his trade like the back of his hand. In his little dispensary, rows and rows of bottles containing his medicines are stacked without any labels on them. However, Raazi can identify each one of them.

"Once a lady asked me how I could tell which medicine was stored where. In the kitchen you keep bottles without usually labelling them. But there is no problem to find out the right thing. What is important is keeping the right thing in the right place," replied Raazi.

And this has helped him increase his efficiency devoting time to the study of the therapy, he says.

Many people approach him for common ailments, like acidity. Like Ashok Patil and Chandrakant Anbhule complained of acidity - Raazi suggested them a common medicine - molasses.

Raazi however, does not want to be a financial big shot out of his practice. "I am happy as long as I get two square meals a day. If the patients are cured, there is nothing like that for me. I do not hanker for money," he philosophises. His children, however, do not share his love for practising the therapy. "But my grandson is learning it and I would like him to practice it," he said.

Raazi's other interest is composing *shairi*. As of now he has written four books on it and the fifth is in the process. In his spare time, Raazi reads pre-independence issues of an Urdu magazine published from Lahore. "In these magazines, I get to know about health issues and also about the medicinal plants," he says. Moreover, he also edits an Urdu literary monthly called *Takallum*.

(Monday - November 19 2001, Indian Express, Pune)

عشق معجز نمائی پہ آتا ہے جب
بوئے گل پھوٹتی ہے 'رگِ سنگ' سے

(ادیبؔ مالیگانوی)

بابِ سوم

زیرِ اہتمام بزمِ ادیب
جشنِ اجراء
رگِ سنگ
مجموعۂ کلام حکیم رازی
مجلّۂ یادگار
عظیم الشّان کُل ہند
مُشاعرہ
پچاس سالہ ادبی خدمات کے اعتراف میں
بروز سنیچر
۲۳ مئی ۱۹۹۲ء
جشنِ رازی
لیڈی حوّا بائی گرلز ہائی اسکول، باباجان چوک، پونہ کیمپ

وسیم انساں، فہیم رہبر، حکیم رازؔی حکیم رازؔی

۲ ۱ ۴ ۱ ھ

مجاہدِ اُردو، اہلِ ادب، سادہ طبع، پاک مزاج، جناب حکیم رازؔی، ادبی صاحب کی نذر

۲ ۹ ۹ ۱ ء

تحفۂ بازیب منجانب خادم ادب الحاج رزّاق انوؔر دھولپوری

۲ ۹ ۹ ۱ ء

خلوص و مہر و وفا کے پیکر، حکیم رازؔی حکیم رازؔی
مکرم و محترم ہیں یکسر، حکیم رازؔی حکیم رازؔی

سخن کے امبر ادب کے مخزن ہے دل میں خدمت کا عزمِ آہن
ہیں بحرِ حکمت کے بھی شناور، حکیم رازؔی حکیم رازؔی

زبانِ اُردو کے ہیں مجاہد وہ دین و مذہب کے بھی ہیں قائد
ہر ایک میداں کے ہیں دلاور، حکیم رازؔی حکیم رازؔی

جو ہیں زبان و ادب کے دشمن، ہے ہمیشہ ہی ان سے بدظن
اَنا کو اپنی بچا بچا کر، حکیم رازؔی حکیم رازؔی

ہر ایک دل میں ہے ان کی عزت، ہر اک نظر میں ہے قدر و قیمت
ہیں آج مانے ہوئے سخنور، حکیم رازؔی حکیم رازؔی

دل و نظر میں سما چکے ہیں، مقام اپنا بنا چکے ہیں
خراج اہلِ سخن سے لے کر، حکیم رازؔی حکیم رازؔی

چراغِ علم و ادب جلایا، گھنے اندھیروں کو نور بخشا
اُبھر کے پونہ کی سرزمیں پر، حکیم رازؔی حکیم رازؔی

ایکیہ بھارتی پرتشٹھان کی جانب سے ۱۴رمئی ۱۹۹۴ء کو منعقدہ ایک ہمہ لسانی مشاعرے میں مشہور ہندی شاعر پنڈت ہری نارائن ویاس اپنا کلام سناتے ہوئے۔ بغل میں حکیم رازی بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

کمالِ اُردو زباں کی خاطر ، نظامِ شعر و بیاں کی خاطر
کبھی ہیں خنجر ، کبھی گلِ تر ، حکیم رازؔی حکیم رازؔی

ہے پاس علم و ہنر کی دولت ، زبان و شعر و ادب کی عظمت
غریب ہوکر بھی ہیں تونگر ، حکیم رازؔی حکیم رازؔی

فروغِ اُردو کے واسطے ہی ، ہے وقف ساری حیات ان کی
ادب کی دنیا کے ہیں قلندر ، حکیم رازؔی حکیم رازؔی

ہے خدمتِ خلق ان کی فطرت ، نہیں ہے اس میں ذرا بھی حجت
نبھا رہے ہیں اِسے برابر ، حکیم رازؔی حکیم رازؔی

ہے جشنِ رازؔی کا شور برپا ، کہ ہے رگِ سنگ کا یہ اجرا
ہے آج ہر ایک کی زباں پر ، حکیم رازؔی حکیم رازؔی

ہے ایک اک لفظ میں فصاحت ، ہے ایک اک شعر میں بلاغت
نکات علم و ادب کے دفتر ، حکیم رازؔی حکیم رازؔی

نہ اختلافات کو سراہا ، دلوں کو اک دوسرے سے جوڑا
سکون و امن و اماں کے خوگر ، حکیم رازؔی حکیم رازؔی

کیا بہ تصنیف ’سنگ و آہن‘ ، جہانِ معنیٰ کو اور روشن
کھلا کے تخلیقت کے خاور ، حکیم رازؔی حکیم رازؔی

مہک رہے ہیں مثالِ چندن ، دمک رہے ہیں مثالِ کندن
تفکرِ شعر و فن میں ڈھل کر ، حکیم رازؔی حکیم رازؔی

ہے تجھ سے اے خالقِ دو عالم ، یہی دعا بس ہماری ہر دم
جئیں ہمیشہ مثال بن کر ، حکیم رازؔی حکیم رازؔی

زباں پر انورؔ یہ مصرع آیا ، کہ جس سے تاریخ ہے ہویدا
مبین سالک ، نفیس رہبر ، حکیم رازؔی حکیم رازؔی

۲	۱	۴	۱	۵

عزیز ادیبی اعظمی

جشنِ حکیم رازی ادیبی

شاعرِ موزون طبیعت رازیِ عالی وقار
گلشنِ ادراک کا ہے جوش ، طوفانِ بہار
جس پہ ہے قربان خوشبوئے گلِ مضمون نگار
صبحِ خندانِ ادب کا دل کہا جائے اسے موج رنگارنگ کا ساحل کہا جائے اسے
نظم کا خوش رنگ پیراہن ، غزل کا بانکپن
غنچہ و گل کا تبسم ، نازشِ حسنِ چمن
بے سبب کہتے نہیں فنکار نباضِ سخن
اقتدارِ علم وفن کا اس کے سر پر تاج ہے منزلِ مقصود کی حاصل اسے معراج ہے
یہ گماں ہوتا ہے ہم کو دیکھ کر حسنِ کمال
بادۂ گل رنگ سے معمور ہیں لفظوں کے جام
پوچھتے کیا ہو کہ کیا ہے اس سخنور کا مقام
سینۂ حسنِ تغزل کا دھڑکتا دل ہے یہ آسمانِ شعرگوئی کا مہِ کامل ہے یہ

محفلِ رنداں میں رقصاں رنگ و بو کا جام ہے
ہر کس و ناکس پہ لطفِ ساقیِ گلفام ہے
'جشن' کی سرمستیوں میں کاروانِ شام ہے
سلسلہ کیا ہے بہاروں کے خرامِ ناز کا حسن فن ہے اَوج پر اس شاعرِ ممتاز کا
ہے ادیبؔ الملک کا ممتاز شاگردِ رشید
قابلِ تعریف ہے رازیؔ کی تقریبِ سعید
صرف اربابِ گلستاں ہی نہیں ہیں محوِ دید
بہرِ نظارہ فلک پر چشمِ انجم باز ہے دور تک گونجی ہوئی اس ساز کی آواز ہے
آیئے انسانیت کی ناز برداری کریں
قابلِ قدر آدمی کی کیوں دل آزاری کریں
فرض ہے اک دوسرے سے ہم وفاداری کریں
اس نے از راہِ محبت دی ہے قربانی عزیزؔ ہے بجا ایسے سخنور پر گل افشانی عزیزؔ
(۲۳مئی، ۱۹۹۲ء)

جلیسِ یگانہ، آئینہ دل، عالی فطرت حکیم رازؔی ادیبی

۲ ۱ ۴ ۱ ھ

سرفراز نامۂ ادب بہ صنعتِ توشیح

۲ ۹ ۹ ۱ ء

ج	جوہرِ عقل ، کنزِ ہنر ، صدرِ بزم ، حکیم رازؔی ادیبی	۱۴۱۲ھ
ش	شاعرِ نیک فطرت ، مردِ پاک باطن ، حکیم رازؔی ادیبی	۱۹۹۲ء
ن	نازشِ ادب ، صاحبِ نصیب ، دانش پسند ، حکیم رازؔی ادیبی	۱۴۱۲ھ
ح	حق آشنا ، اوّل و آخر ، صدقِ مقال ، حکیم رازؔی ادیبی	۱۹۹۲ء
ک	کاوشِ سخن ، لبِ زیبا ، حکیم رازؔی ادیبی	۱۴۱۲ھ
ی	یادگارِ ادیبؔ ، سپہرِ کمال ، خوش نصیب ، حکیم رازؔی ادیبی	۱۹۹۲ء
م	مصنفِ رگِ سنگ ، سپہر آرائے ، حکیم رازؔی ادیبی	۱۴۱۲ھ
ر	رفیقِ ہمدم ، سخن پرور ، آہن بازو ، حکیم رازؔی ادیبی	۱۹۹۲ء
ا	اربابِ ادب ، نکتہ فہم ، ارسطو ، حکیم رازؔی ادیبی	۱۴۱۲ھ
ز	زندہ دل ، سالکِ مسلکِ طریقت ، شرفِ جاہ ، حکیم رازؔی ادیبی	۱۹۹۲ء
ی	یکرنگ ، مخلص ، پاک ادا ، حکیم رازؔی ادیبی	۱۴۱۲ھ

جشنِ حکیم رازؔی

کاوش فکر مکمل ، منیر المحوی صدیقی ، بھوپال

۲ ۱ ۴ ۱ ھ

تاریخ مسرت آ گیں

۱۹۹۲ء

بہ سلسلۂ روح پرور جشنِ رازؔی ادبی

۱۴۱۲ھ

پنجاہ سالہ ادبی خدمات کا اعتراف

۱۹۹۲ء

بزمِ شعر و سخن ہوئی مسرور
رنگ لائی ہے خدمتِ رازؔی
ہے یہ تاریخ اَز سرِ الحمد
بادۂ جشن حضرتِ رازؔی

۱۹۹۲ء

منجانب

بے مثال حکیم عزیز قدوسی کامٹوی

۱۴۱۲ھ

ڈاکٹر **امانت**، ایم اے، پی ایچ ڈی

حکیم رازؔی ۔ فن اور شخصیت

شہر ایولہ بڑا مردم خیز رہا ہے۔ جہاں اسے تا تیا ٹوپے اور آپٹے گروجی جیسے مجاہدین آزادی کا وطن ہونے کا فخر حاصل رہا ہے۔ وہیں یہ امر بھی باعث صد افتخار ہے کہ ایولہ کے سپوتوں نے زندگی کے مختلف شعبوں میں کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں جس سے اس شہر کی شہرت دوبالا ہوگئی ہے، کئی عالم، فاضل، ڈاکٹر، انجینئر، پروفیسر اور شاعر اس کی خاک سے اٹھے ہیں۔ حکیم رازؔی اسی سر زمین سے تعلق رکھتے ہیں۔

ایولہ کے ایک معزز مولوی خاندان کے مایۂ ناز فرزند قدؔیر ایولوی کے، رازؔی صاحب کے استاد حضرت ادیؔب مالیگانوی شاگرد رشید تھے، اور مشورۂ سخن کی خاطر اکثر ایولہ آیا کرتے تھے۔ حضرت ادیؔب نے ایولہ کے اس ادبی احسان کا بدلہ اس طرح چکایا کہ ہونہار حکیم رازؔی کو اپنے شرفِ تلمذ سے نوازا تا کہ یہ معنوی رشتہ ٹوٹنے نہ پائے۔ رازؔی خود اعتراف اس طرح کرتے ہیں۔

ہاتھ میں آیا ہے رازؔی دامنِ فیضِ ادیؔب — یہ انھیں کا فیض ہے کہ شاعری بھی آ گئی

حسرؔت موہانی کی طرح رازؔی کی طبیعت بھی اک طرفہ تماشا ہے۔ اپنے محبوب شغل حکمت کے ساتھ ساتھ ان کی مشقِ سخن بھی جاری ہے۔ پونہ کے ریڈیو ہوٹل کی بغل میں واقع اپنے چھوٹے سے مطب میں مریضوں کی نبض شناسی اور شعر گوئی کا سلسلہ ایک ساتھ چلتا رہتا ہے۔

جدید شاعری کی محبوب و مقبول اصطلاح 'سنگ' رازؔی کو بے حد پسند ہے جس کی ایک وجہ تو جدیدیت کی رَو کا اثر ہوسکتا ہے یا پھر رازؔی اس کو اپنی مسلسل جہدِ حیات، سخت کوشی اور عزم و استقلال کا مظہر سمجھتے ہیں۔ جس طرح عوام دیوانِ حافظؔ سے فال لیتے ہیں اسی طرح شعراء اپنے تازہ مجموعہ کلام کے نام کے لیے دیوانِ غالبؔ سے رجوع کرتے ہیں جس میں سینکڑوں اچھوتی اور

دلکش ترکیبات غالبؔ نے اشعار کے پیکر میں محفوظ کردی ہیں۔ رازیؔ کا پہلا مجموعہ کلام 'سنگ و آہن' کے نام سے منظر عام پر آیا اور اب تازہ مجموعہ کلام 'رگِ سنگ' کے نام سے اشاعت پذیر ہو رہا ہے۔ رگِ سنگ کی خوبصورت ترکیب غالبؔ ہی کے درج ذیل شعر سے ماخوذ ہے جس پر رازیؔ نے بڑی عمدہ گرہ لگائی ہے ؎

کسی کوہ سے جو گرتا تو وہ آبشار ہوتا　　　کسی کوہ پر جو گرتا تو وہ ریگ زار ہوتا
جسے غم سمجھ رہے ہو وہ اگر شرار ہوتا　　　''رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا''

اگرچہ رازیؔ نے پونے میں مستقلاً سکونت اختیار کرلی ہے تاہم وطنِ عزیز سے ان کا رشتہ اب بھی باقاعدہ قائم ہے۔ مہینے دو مہینے میں ایک آدھ بار ضرور ان کا دواخانہ دو چار روز کے لیے مقفل نظر آتا ہے اور اہلِ نظر خط کا مضمون بھانپ لیتے ہیں لفافہ دیکھ کر کے مصداق تاڑ لیتے ہیں کہ رازیؔ اپنے وطن تشریف لے گئے ہیں ؎

میرے سر میں ہے اسی گاؤں کا سودا لکھا　　　اپنے بچپن کو جہاں چھوڑ کے آیا تھا کبھی

''حالیؔ و اقبالؔ نے غزل کو حدیثِ دلبراں سے صحیفۂ کائنات بنایا۔ غزل کی بساط بہت چھوٹی ہے مگر اس کی لطیف چاندنی میں معنی خیز اشاروں کی ایک کائنات آباد کی جا سکتی ہے۔ یہ ہر دور کے سوز و ساز کو اپنے نشتروں کے ذریعہ سے ظاہر کرسکتی ہے اور ہر سمندر اور اس کا تلاطم اس کے کوزے میں آسکتا ہے۔'' (آل احمد سرور)

'شعری محرکات کی حقیقت اکثر شاعر پر بھی نہیں کھلتی۔ وہ ایک لہر، ایک ترنگ یا ایک بے نام کیف کے عالم میں شعر کہہ جاتا ہے پھر اس شعر کے دامن میں سینکڑوں دھڑکتے ہوئے دل آجاتے ہیں جنھیں تجربات کی ہم آہنگی ایک لڑی میں پرو دیتی ہے۔'' (حمایت علی شاعر)

مذکورہ بالا دونوں اقتباسات کی روشنی میں کلام رازیؔ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ غمِ جاناں، غمِ دوراں، حسن و عشق، خار و گل، غزل اور اس کا فن، شکوہ سنجیٔ احباب، شغلِ حکمت، حادثات، دَورِ حاضر اور سماج کے رِستے ناسور وغیرہ رازیؔ کے محبوب موضوعات ہیں۔ سنگ و آہن اور رگِ سنگ میں حمد، نعت، منظومات، سلام، قطعات اور رباعیات سبھی ہیں۔ ماتمی نظموں اور تاریخی قطعات کے علاوہ 'قلم شاہِ مکرم' اور نسخۂ رازیؔ جیسی عمدہ اور معرکہ آرا منظومات شامل ہیں۔

رازیؔ کے فن کی بنیاد صالح اور پُرخلوص احساس پر استوار ہے۔ بیشتر اشعار میں تفکر، آہنگ،

مشاہدہ اور ماحول کے اثرات موجود ہیں۔ بقول ساحرؔ لدھیانوی ؂

دنیا نے تجربات و حوادث کی شکل میں جو کچھ مجھے دیا ہے وہ لوٹا رہا ہوں میں

نظموں میں احساس و تاثر کی شدت ہے۔ زندگی کے تلخ حقائق اور مسائل کھل کر زیر بحث آئے ہیں، رازیؔ نے اپنی شخصیت کے گداز کو شاعری میں سمونے کی کوشش کی ہے۔ ہر شے کے اچھے برے پہلوؤں پر ان کی نظر فوراً پہنچ جاتی ہے۔ لہجے میں نرمی اور بانکپن ہے مگر کہیں کہیں لہجہ تندوتیز ہوگیا ہے جس سے رازیؔ کی منصور مزاجی کا پتہ چلتا ہے ؂

منصور مزاجی کی بدولت یہ ہوا حال اسباق نے رازیؔ کو سرِ دار کیا ہے

اب کون زمانے میں پسند اس کو کرے گا یہ تلخ بیانی مری گلقند نہیں ہے

ہم نے اپنے کو کب کہا اچھا لوگ کہتے ہیں باخدا اچھا

دو ماہی رسالہ 'اسباق' جس کے حکیم رازیؔ عرصے تک سرپرست ونگراں رہے۔

رازیؔ کی غزل سرائی محض ماضی کا تسلسل نہیں ہے بلکہ شاداب و شگفتہ نغموں سے عبارت ہے اور پاکیزہ سے کرب کی حامل، شاعری کو زندگی بنا کر گذارنے کی بھرپور کوشش، ندرتِ احساس اور جدتِ ادا رازیؔ کا بڑا وصف ہے۔ رگِ سنگ کی غزلوں میں نئے دور کی کھنک ہے۔ شاعر فکر وتخیل کا قائل ہے۔ ہر چند اس کا کلام الہام نہیں، تاہم سینۂ سوزاں کی آتش سے اشعار کندن کی طرح تپ کر زبانِ قلم سے ادا ہوتے ہیں ؂

کام دے جاتی ہے رازیؔ ، سینۂ سوزاں کی آگ
تپ کے نکلے ہیں مرے اشعار کندن کی طرح

فنِ غزل سے متعلق رازیؔ کے خیالات کچھ اس طرح ہیں ؂

خونِ دل سے نہ سینچئے جب تک نخلِ فن بارور نہیں ہوتا

(بقول اقبال: معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود)

نشانِ جادۂ کہنہ مٹا کر نئی اک راہ پیدا کر رہا ہوں

فکر و تخیل کا ہوں قائل میری غزل الہام نہیں ہے

کسی آگ کو قید لفظوں میں کرنا عیاں راز، رازیؔ ہیں ہم پر غزل کے

(جاں نثار اخترؔ کا شعر ہے۔

ہم سے پوچھو کہ غزل کیا ہے، غزل کا فن کیا
چند لفظوں میں کوئی آگ چھپادی جائے

قادر الکلام شاعر کو ردیف قافیے کی چنداں پرواہ نہیں ہوتی۔ جوشؔ ملیح آبادی کے حضور میں الفاظ ہاتھ باندھے حکم کے منتظر رہا کرتے تھے اور رازؔی فرماتے ہیں ۔

جب بھی رازؔی نے کی ہے فکرِ سخن — خود چلا آیا قافیہ اچھا

ورنہ آج کے اکثر نام نہاد شعرا کے ہاں تو ۔

شعر کہنے سے پہلے کاغذ پر — قافیوں کی قطار لگتی ہے

رازؔی ایسے راستے پر چل پڑے ہیں جہاں سے اب واپسی ناممکن ہے ۔

مری اب واپسی ممکن نہیں ہے — میں ایسے راستے پر چل پڑا ہوں
یہ کہا سب نے رازؔی کے جانے کے بعد — وہ غزل کو نیا ذائقہ دے گیا
سمجھ نہ پاؤ گے تم اس کی سربلندی کو — بہت قریب سے رازؔی کو جانتا ہوں میں
ہر ذرہ آفتاب ہے رازؔی جہاں وہاں — ہے کون افتخارِ ادب؟ پوچھتے ہیں آپ

اپنی وفا کیش فطرت اور جنون کی بدولت رازؔی حسینوں کے حلقے میں بے حد مقبول ہیں۔ حسن کی معصوم نگاہوں کے تبسم کو دیکھتے ہی شاعر کا دل چوٹ کھانے کے لیے تڑپ اٹھتا ہے۔ اگر محبوب گلشن کی روِش پر خرام ناز کرتے ہوئے شاعر کی جانب دیکھ کر مسکرا دیتا ہے تو شاعر کے سارے زخمِ دل نکھر جاتے ہیں۔ عاشقِ زار تو اسی رہ گذر پر دھونی رمائے بیٹھے رہنا چاہتا ہے جس میں محبوب کے معطر قدموں کی خوشبو رچی بسی ہوتی ہے۔ محبوب تو ایسا تغافل شعار ہے کہ مصلحت کوشی اسے شناسائی کے باوجود انجان بنائے رکھتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ۔

یوں ملے مجھ سے غیر کے آگے — جان پہچان جیسے تھی ہی نہیں

(شیونؔ گلشن آبادی)

رازؔی کی اکثر غزلوں میں حسن کی موہنی جھلکیاں اُبھر کر ہمارے سامنے آتی ہیں۔ شاہ راہِ حیات پر محبوب ہم سفر ہو جائے تو دنیا بھر کے آلام و مصائب کافور ہو سکتے ہیں ۔

وفاؤں کی عنایت سے جنوں کی مہربانی سے
خدا رکھے بہت مقبول ہے رازؔی حسینوں میں

اسے چھولینا یعنی خواب میں تتلی پکڑنا ہے
قریب آتے ہی وہ خوشبو کی صورت پھیل جاتا ہے

حُسن کی معصوم نظروں کا تبسم دیکھ کر
دل تڑپ اُٹھتا ہے رازؔی چوٹ کھانے کے لیے

انکے قدموں کی مہک جسمیں بسی ہے رازؔی
اچھا لگتا ہے اسی راہ گذر میں رہنا

سرخ آنکھوں کے کٹورے پیار کی پرچھائیاں
یاد ہے اب تک مجھے ان کا پلٹ کر دیکھنا

وہ شخص بھی کس درجہ ملا مصلحت اندیش
اکثر مجھے پہچان کے انجان رہا ہے

چشمِ ساقی سے پھول برسے ہیں
تشنگی پر بہار آئی ہے

کوئی شعلہ نظر ہے آنکھوں میں
یا کلی دل کی مسکرائی ہے

برگِ گل کی طرح بدن اس کا
کتنا نازک ہے کس قدر باریک

اے شاعرو ! صورت گرو، افسانہ نویسو!
اب عشق نہ جائے لب و رخسار سے آگے

اچھا برا مشاہدہ اپنی نظروں پر موقوف ہے۔ رازؔی کے نزدیک کانٹے بھی پھول ہیں۔ سب نظر نظر کا فرق ہے۔ محبوب کے چار قدم ساتھ میں چلتے ہی ہر خار پھول بن بن کر قدم چومنے لگے گا۔ صبح سویرے کلیاں بھی چٹکتی ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ ہمارا محبوب ہمیں صدا دے گیا ہے موسمِ بہار کے خیر مقدم کو ہر کلی نے اپنی شوخ و رنگین قبا اُتار کر پھینکی ہے۔

بات ساری نظر پہ ہے موقوف
ورنہ کانٹے بھی پھول ہوتے ہیں

پھول بن بن کے ہر ایک خار قدم چومے گا
تم ذرا چار قدم ساتھ میں آؤ تو سہی

چمن میں فصلِ بہاراں کی پیشوائی کو
ہر اک کلی نے چٹک کر قبا اُتاری ہے

نوحؔ ناروی کا ایک شعر ہے۔

تصور کی مدد نے سب سے بیگانہ کیا ہم کو
تماشائے دو عالم دیکھتے ہیں اپنے گھر بیٹھے

رازؔی کی شانِ قلندرانہ کچھ اس نوع کی ہے، ملاحظہ کیجیے۔

ہم سے قلندروں کا نہ کچھ حال پوچھیے
تنہا بھی بیٹھتے ہیں تو محفل لیے ہوئے

جن کی نظروں میں سکندر اور دارا ہیچ ہیں
لوگ جیتے ہیں وہی رازؔی قلندر کی طرح

خود بخود رازؔی کی جانب سب نگاہیں اٹھ گئیں
جب سوال آیا کہ ہے کوئی قلندر آشنا

رازؔی نے کئی اشعار میں اپنے احباب پر لطیف طنز کیا ہے اور کہیں کہیں بڑی بے باکانہ

Ehtesaab-e-Raazi

Compiled by

Zakir Usmani

published by

Usool Publications, Pune

2007

چوٹیں بھی کی ہیں۔ رازؔی دوستوں کی فطرت سے واقف ہونے کے باوجود ان کے ساتھ بڑے پیار اور محبت سے پیش آتے ہیں۔ سو بار فریب دوستی کھا کر بھی ان کے جذبۂ اعتبار اور خلوص میں ذرہ بھر بھی فرق نہیں آتا۔

جنہیں ہم دوست کہتے ہیں، جنہیں اپنا سمجھتے ہیں
ذراسی بات کا رازؔی وہ افسانہ بناتے ہیں

مرے سائے سے بچ کر جانے والو ! میں سایہ بن کہ پیچھا کررہا ہوں
ہمیں معلوم ہے وہ پیٹھ میں خنجر ہی مارے گا مگر رازؔی اسے بھی اپنے سینے سے لگاتا ہے
شاید میری تباہی میں کچھ رہ گئی کسر پھر دوستی کا ہاتھ بڑھانے لگے ہیں لوگ

حادثوں کے متعلق رازؔی کا نقطۂ نظر ملاحظہ ہو۔

جب کبھی گھر سے ہم نکلتے ہیں حادثے ساتھ ساتھ چلتے ہیں
راستے کتنے ہی ہموار ہوں بچ کر چلیے حادثے شہر میں سرکار ہوا کرتے ہیں
زمانہ حادثوں کی شکل میں دیتا ہے نذرانے کبھی ہم کو ہنساتا ہے کبھی ہم کو رُلاتا ہے
سہو انسان کا مقدر ہے حادثہ جان کر نہیں ہوتا
لاکھ طوفانِ حوادث نے اجاڑا، لوٹا پھر بھی دلی کی طرح ہم ہیں کہ بس جاتے ہیں

آج کے دور کی جھلکیاں رازؔی کے کلام میں کچھ اس انداز سے ملتی ہیں۔

آج کے دور میں تاریخ کچھ ایسے بدلی دستِ یوسف ہے گریبانِ زلیخا کی طرف
ماضی کا رنگ حال کے سانچے میں ڈھل گیا بیدار ہم ہوئے تو زمانہ بدل گیا
اس دَورِ تجربات میں رازؔی مری طرح وہ خوش نصیب ہوگا جوگرکر سنبھل گیا

وقت کی چوکھٹ پہ رازؔی سر نہ ٹیکا جائے گا
چاہے لگ جائے امیدوں کے گل و غنچہ میں آگ

ہر خواب فقط خواب ہے تعبیر نہیں ہے ہر مسئلہ الجھا ہوا گیسو کی طرح ہے
جدھر دیکھو، نظر آتے ہیں بوجہل کے چیلے ہمارا دَور اب ماضی کو بھی آنکھیں دکھاتا ہے
کل کچھ نہ جاننے کی سزا پارہے تھے ہم اب آگہی بھی اپنے لیے اک صلیب ہے

عجیب نفسانفسی کا عالم ہے۔

جس کو دیکھو اُسے اپنی ہی پڑی ہے یارو
یہ گھڑی جیسے قیامت کی گھڑی ہے یارو

سکون و امن کی دنیا کو کیا ہوا رازؔی
لہو لہو ملے انساں جدھر جدھر دیکھا

حکیم صاحب نے اپنے محبوب پیشے کے بارے میں اس قسم کی گل افشانیاں کی ہیں۔

تقسیم علم و فن کا ہے مرکز بنا ہوا
چلتا ہے کیسے میرا مطب پوچھتے ہیں آپ

اوروں کے لیے مرہم لے کر میں گلیوں گلیوں بھٹکا ہوں
کیا کہیے مگر خود اپنے زخموں کا مداوا بھول گیا

جو کدورت کا ہے پھوڑا نہ کبھی پھوٹے گا
ہوں گے ناکام معالج کے بھی نشتر کتنے

دنیا میں یوں تو لاکھوں اطبّا ہوئے مگر
رازؔی مریضِ دل ہے اگر چہ طبیب ہے

قدؔیر ایولوی اور ادیبؔ مالیگانوی کی طرح رنگین تخیل، رومانی فکر اور تیکھا اندازِ بیان رازؔی کا بھی امتیازی وصف ہے، مینائے غزل سے رازؔی کی شخصیت چھلکی جاتی ہے، مختصر بحروں میں کہی غزلیں بڑی پُرکیف اور مترنم ہیں جنھیں عصرِ نو کی چیز کہنا بیجا نہ ہوگا۔ جہاں تک عشق و عاشقی کا سوال ہے رازؔی نے دل دیا بھی اور لیا بھی ہے لیکن اس سلسلے میں وہ بہت محتاط ہیں، کلام میں کہیں بھی ان کے محبوب سے متعلق صاف اور واضح اشارات نہیں ملتے۔ وہ صرف اس طرح کہہ کر چُپ ہوجاتے ہیں۔

اپنے دل کی حسرتوں کی بس یہی تعبیر ہے
جیسے کوئی خوبصورت خواب دیکھا جائے ہے

کلام میں کہیں کہیں جاں نثار اخترؔ کا رنگ اور اقبالؔ و غالبؔ کی ترکیبات پائی جاتی ہیں۔ زبان و بیان کے اعتبار سے کچھ کمزور چیزیں بھی ہیں مگر چنداں قابلِ اعتنا نہیں، محاورات، ضرب الامثال اور تلمیحات بہت کم استعمال ہوئی ہیں۔ اسلوب سادہ، عام فہم اور سلیس ہونے کے ساتھ ساتھ سُرورانگیز ہے اور نئی نسل کے لیے قابلِ تقلید۔

یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ رازؔی کی بیشتر غزلیں نغز گوئی کی سرحدوں کو چھوتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ 'رگِ سنگ' کے وہ اشعار جن میں سوزوگداز اور زندگی گزارنے کا حوصلہ موجزن ہے۔ اہلِ ذوق کے دلوں کو چھوکر زبانوں پر رواں ہوں گے۔ دل والوں کے خوابوں میں بسیں گے اور ان کی بے کیف خلوتوں کو گرمائیں گے۔

اپنی خامہ فرسائی کو رازؔی ہی کے ایک شعر پر ختم کرتا ہوں۔

میری منزلیں رازؔی، ہیں گماں سے باہر
میں نے چاند تاروں کو رہگذر بنایا ہے

ڈاکٹر اشفاق انجم - مالیگاؤں
(جانشین حضرتِ ادیبؔ مالیگانوی)

حکیم رازیؔ : شخصیت اور شاعری

گول چہرہ، تیکھا سلونا رنگ، سیاہ چمکدار آنکھیں، کشادہ پیشانی، خوبصورت سفید ریش، جس سے چھوٹتی ہوئی نور کی کرنوں سے سارا چہرہ منور، نکلتا ہوا قد، شگفتہ رو، خوش گفتار و خوش پوش، مزاج ایسا جیسے سورج اور بادلوں میں آنکھ مچولی ہورہی ہو، فطرتِ تلوّن کی ایک نادر مثال، انکسار وہ کہ سبزۂ زمین کو رشک آئے، جلال دو دھاری تلوار، حضرت ادیبؔ مالیگانوی مرحوم کے تلمذِ ارشد اور حضرت عبدالغفور بخش اللہ شاہ اشرفی سرکار برہانپورؒ کے مرید و خلیفہ، عقیدت وارادت ٹھن ٹھناتی ہوئی اشرفی، کھرا سونا، چاہے جس کسوٹی پر پرکھ لیجیے۔

حکیم صاحب اپنے چھوٹے سے مستطیل نما مطب میں بیٹھے ہوئے ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے کسی قدِآدم فریم میں کسی پیر، ولی کی تصویر آویزاں ہیں۔ ذریعۂ رزق طبابت اور کاروبارِشوق شاعری جس میں فائدہ کم اور نقصان زیادہ اٹھایا۔ جس کو سر پر بٹھایا اسی نے ان کا گلا دبایا لیکن بندۂ خدا کی پیشانی پر بل تک نہ آیا۔ ایک قلندر کی طرح اپنی ذات میں مست، دوستوں کا جاں نثار، دشمنوں کا غم خوار، پونہ جیسے شہر میں اپنی علیحدہ شناخت رکھنے والی منفرد شخصیت۔ حکیم رازیؔ۔

حکیم رازیؔ ایک شخص نہیں ایک عہد کا نام ہے جس کی آنکھیں غلامی کی تاریک تر راتوں میں ایک شمع کی طرح آفتابِ آزادی کے انتظار میں جلتی پگھلتی رہیں اور جب یہ آفتاب طلوع ہوا تو اس کی تیز کرنیں کرچیوں کی طرح ان کی آنکھوں میں چبھ کر رہ گئیں اور اس کے تپتے آنسوؤں میں لہو کا رنگ بھی شامل ہوگیا۔ سارے خواب سراب ہوگئے لیکن ان کے لبوں کی شگفتگی اور مسکراہٹ میں اور رنگ پیدا ہوگیا۔

رازؔی صاحب کی شخصیت آنسوؤں اور مسکراہٹوں کے اس خوبصورت امتزاج سے عبارت ہے۔ تلخی اور شیرینی، نرمی وسختی آپ کی سیمابی شخصیت کا طرۂ امتیاز ہیں اور جب ایسے قالب میں ایک شاعر کی روح بھی اُتر آئے تو اس کا تنوع اس کی وسعت اور رنگا رنگی خیال میں نہیں آسکتی۔۔ حکیم رازؔی کی شاعری ان کی شخصیت کا مکمل عکس اور بھرپور اظہار ہے۔ ان کی زندگی اور عہد کے ہر تجربے کا عکس ان کے یہاں موجود ہے۔ وہ ایک دردمند دل رکھتے ہیں۔ انسانوں کو دکھی دیکھ کر خود بھی تڑپ جاتے ہیں اور بے ساختہ ان کے لبوں سے فریاد ابھرتی ہے۔

کیا کاروبارِ زیست کا معیار ہے یہی
گردن کٹا کے قرض چکانے لگے ہیں لوگ

موجودہ حالات کی اس سے بہتر اور سچی تصویر کیا پیش کی جاسکتی ہے! کاروبارِزیست میں قرض چکانے کا یہ انداز کتنا جاں گداز ہے اہلِ دل ہی محسوس کرسکتے ہیں۔

فی زمانہ زندگی کی قدر وقیمت کیا ہے اور انسان کس حال کو پہنچ چکا ہے! درد کا وہ رشتہ جس سے انسانیت عبارت ہے ٹوٹ چکا ہے کوئی کسی کا پرسانِ حال نہیں ہے۔ حکیم صاحب کا تجربہ ملاحظہ فرمائیے۔ کتنا سچا اور درست ہے۔

وقت کے ماتھے پہ لکھ دو زندگی کے خون سے
آدمی ہے موم کا اور دل ہے پتھر کی طرح

زندگی اور حق وباطل کی کشمکش ازل سے جاری ہے اور اس کے خاتمے کی بظاہر کوئی امید بھی نظر نہیں آتی اس صورتِ حال سے رازؔی صاحب بھی محفوظ نہیں ہیں جیسے بھی اور جہاں بھی اہلِ صداقت کے سر نیزوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور انھیں محسوس ہوتا ہے کہ اس نیزے پر خود ان کا اپنا سر آویزاں ہے یہ شدتِ احساس مثالی ہے۔

کبھی جو اہلِ صداقت کو دار پر دیکھا
شمر کے نیزے پہ خود میں نے اپنا سر دیکھا

دل سوزی اور دردمندی کی یہ کیفیت کم ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے ان اشعار سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر اپنا ایک مخصوص اندازِ فکر اور ایک خاص مطمعِ نظر رکھتا ہے جس کی سرحدیں آگہی تک پہنچتی ہیں لیکن اس راہ میں ایک مقام وہ بھی آتا ہے جہاں آگہی عذاب بن جاتی ہے۔

کل کچھ نہ جاننے کی سزا پارہے تھے ہم
اب آگہی بھی اپنے لیے ایک صلیب ہے

سچ ہی کہا کہ آگہی اور عدم آگہی دونوں حالتیں عذاب سے کم نہیں ہیں۔

ان حوالوں سے قاری یہ نہ سمجھ لے کہ حکیم صاحب کوئی قنوطی شاعر ہیں بلکہ ان کے طلسم

خانۂ شاعری میں ہفت رنگ جھلملاتے ہیں جن کو پڑھ کر لطف و سرور کی لہریں رگ و پے میں دوڑنے لگتی ہیں۔

رازیؔ صاحب کی شاعری کا ایک رنگ ایسا بھی ہے جسے میں کوئی نام نہیں دے سکتا بس جسے محسوس ہی کیا جا سکتا ہے۔

صبح تک وہ مسافر نہ آیا یہاں — راستے سوگئے راستہ دیکھ کر
نور سحر کے خوف سے پھر — کانپ رہی ہے کالی رات
پینے والے پی ہی گئے — زہر بھرا تھا جامِ حیات

رومانی مضامین کو بھی رازیؔ صاحب نے کس فنکاری اور چابکدستی سے لفظوں میں قید کرلیا ہے ملاحظہ فرمایئے۔

اسے چھو لینا یعنی خواب میں تتلی پکڑنا ہے
قریب آتے ہی وہ خوشبو کی صورت پھیل جاتا ہے

شاخِ گل کی طرح بدن اُس کا — کتنا نازک ہے کس قدر باریک
تو دیکھ لے جس کو تو وہ دیکھے نہ کسی کو — کیا چیز تری آنکھ میں جادو کی طرح ہے

میں اس کے جلوؤں میں یوں کھو گیا ہوں اے رازیؔ
ستارہ جیسے کوئی آفتاب میں گم ہے

رازیؔ صاحب کی ایک خوبی خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ اُردو کے بیشتر شعراء کی طرح یہ کسی ایک صنف سخن سے بندھ کر نہیں رہ گئے۔ آپ نے غزل، نظم، حمد و نعت، رباعی اور قطعات جیسی مختلف النوع اصناف میں شعر کہے ہیں اور کامیابی سے کہے ہیں۔ یہ ان کے ذہن اور فن کی وسعت کا کھلا ثبوت ہے اور یہی چیز انہیں ان کے ہم عصروں میں امتیاز عطا کرتی ہے۔

زیرِ نظر مجموعے میں آپ کو رازیؔ صاحب کی شاعری کے تمام رنگ جھلملاتے نظر آئیں گے اور آپ خود اپنے کو ان رنگوں کے ساتھ ایک طلسماتی فضا میں ڈوبتے ابھرتے محسوس کریں گے۔

یوسف ندیم (ایم۔اے، بی ایڈ) پرنسپل مولیدینہ ہائی اسکول پونہ

"رگِ سنگ" - ادبی عمارت کی تعمیر

ہر زبان کے ادب کی نشونما اور ترقی اس کے روایتی اقدار پر منحصر ہوتی ہے۔ چنانچہ ہر ادب اور شاعر کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ادب کے روایتی فن کا نہ صرف معترف ہو بلکہ اپنی ادبی تخلیقات کے لیے اس کا پابند بھی ہو۔ ادب کے روایتی قدروں کو Out of date سمجھ کر نظر انداز کرنا، گویا اپنی ادبی تخلیقات کو بے روح، بے اثر اور بے کیف بنانے کے مترادف ہے۔

ادب کا روایتی فن گویا کسی عمارت کی بنیاد ہوتا ہے۔ جس کے بغیر مستحکم عمارت کی تعمیر قطعی نا ممکن ہے۔ یا یوں سمجھ لیجیے کہ ادب کا روایتی فن ایک ایسا زینہ ہے جس کے بغیر عمارت کی بالائی منزلوں تک پہنچنا ناممکن ہے۔

لہٰذا جو ادیب یا شاعر خود کو جدیدیت کا علمبردار سمجھتے ہوئے ادب کے روایتی فن کو برتنے میں شرم محسوس کرتا اور اس سے انحراف کرتا ہے۔ اس کی ادبی تخلیق کی عمارت بظاہر حسین اور جدید تو معلوم ہوتی ہیں لیکن اس میں استحکام نہیں ہوتا اور وہ ہَوا کی ہلکی سی لہر کے دباؤ سے ڈھ جاتی ہے۔

روایتی ادب یا کلاسیکی ادب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے انسانی فطرت اور انسانی نفسیات کے تمام اہم پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے۔ زمانہ لاکھ بدلے، ہزاروں انقلابات آئیں اور حالات لمحہ بہ لمحہ بدلتے رہیں لیکن انسانی فطرت اور انسانی نفسیات غیر تغیر پذیر ہوتی ہے۔ مثلاً حسن پرستی، رنج وغم کی کیفیات، مسرت و انبساط کے جذبات ہر دَور اور ہر زمانے میں یکساں ہوتے ہیں۔ ہمارے روایتی ادب نے جس موثر انداز میں ان مضامین کو بیان کیا ہے اس کی نظیر دیگر زبانوں کے ادب میں بہت کم ملتی ہے اور یہی وہ خصوصیت ہے جس نے ہمارے کلاسیکی ادب کو دیگر زبانوں کی ادبیات میں ایک ممتاز مقام عطا کیا ہے۔ میرؔ، سوداؔ اور غالبؔ کی عظمت کا راز یہی ہے کہ انہوں نے

انسانی فطرت کے تمام رنگوں سے اپنی شاعری کو مزین کیا چنانچہ انسان کی حسن پرستی، رنج و غم، مسرت وانبساط، امید وبیم اورحسرت ویاس کے تذکروں سے ان کا کلام زندۂ جاوید بن گیا ہے۔

اُردو کا حقیقی شاعر وادیب اُردو ادب کی روایتی اقدار سے کبھی منحرف نہیں ہوتا، اگر اس نے جدید اصنافِ سخن کا تجربہ بھی کیا ہے تو ادب کی روایتی اقدار کی بنیادوں پر ہی کیا ہے، جس کے باعث اس کی ادبی تخلیق مردہ نہیں ہوئی بلکہ اس میں زندگی کی ایک نئی لہر اور ایک نئی دلکشی پیدا ہوئی اور جدید لب ولہجہ کے باوجود وہ غیر مانوس اور اجنبی نہیں لگی۔

حکیم رازؔی بھی ایسے ہی شاعر ہیں جنھوں نے ادب کی روایتی اقدار کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا بلکہ اپنی ادبی عمارت کی تعمیر انہی روایتی اقدار کی بنیاد پر کی ہے۔ لہذا ان کے کلام میں ہمیں ویسی ہی جاذبیت اور دلکشی نظر آتی ہے جو اُردو ادب کے روایتی شعراء کے کلام میں ملتی ہے۔ رازؔی کا شعری مجموعہ 'رگ سنگ' اس کی جیتی جاگتی مثال ہے۔ 'رگ سنگ' کی غزلوں میں بے شمار ایسے اشعار ہیں جن میں ندرت بھی ہے اور شیرینی بھی، دلکشی بھی ہے اور معنویت بھی، اسرار زندگی کے تذکرے بھی ہیں اور حیاتِ انسانی کی گتھیوں کا حل بھی، حسن وعشق کی داستانیں بھی ہیں اور حزن ویاس کی تصویریں بھی، اُمید کے روشن چراغ بھی ہیں اور رنج والم کی تاریکیاں بھی، سماج کے برائیوں کا ذکر بھی ہے اور ستمگروں کے ظلم وستم کا بیان بھی۔ غرض کہ حیات انسانی اور فطرتِ انسانی کے تمام گوشے ان کے اشعار میں اُجاگر ہیں۔

رگ سنگ کی غزلوں میں وارداتِ قلبی اورحسن وعشق کے تذکروں پرمبنی اشعار کثرت سے ہیں جو اس بات کے غماز ہیں کہ حکیم رازؔی میں جمالیاتی حس بدرجہ اتم موجود ہے۔ رگِ سنگ کی ورق گردانی کرتے وقت ایک شعر نے گویا میری نظروں کو باندھ لیا میری ناقص رائے میں وہ شعر غضب کا ہے اور حاصل مجموعہ بھی ، میری اس رائے کی روشنی میں آپ جب اس شعر پرغور فرمائیں گے تو بلا تامّل آپ بھی اس کی تائید کریں گے۔

ملاحظہ فرمائیں ؎

اسے چھولینا یعنی خواب میں تتلی پکڑنا ہے
قریب آتے ہی وہ خوشبو کی صورت پھیل جاتا ہے

اپنے محبوب کے حسن کی تعریف وہ اس دلکش انداز میں کرتے ہیں کہ بے اختیار زبان سے

'واہ' نکل جاتی ہے کہتے ہیں۔

مری نگاہ تمہارے شباب میں گم ہے زمانہ ہے کہ مرے انتخاب میں گم ہے

جلوۂ حسن سے مبہوت ہوجانے کا انداز کتنا دلکش ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

وہ سامنے تھے تو کہہ نہ سکا جب لَوٹ گئے تو یاد آیا
یہ بھول گیا وہ بھول گیا میں جانے کیا کیا بھول گیا

محبوب وصال کا وعدہ کرتا ہے لیکن اسے پورا نہیں کرتا اور 'کل' پر ٹالتا رہتا ہے۔ اس ضمن میں وہ کتنی پیاری خفگی کا اظہار کرتے ہیں۔

پھر یقیناً قرب کے لمحے میسر آئیں گے کاش لگ جائے کسی کے وعدۂ فردا میں آگ

حکیم رازؔی کو دوستوں کی بدسلوکی اور بے وفائی کا بھی گلہ ہے جس کا اظہار انہوں نے جا بجا کیا ہے۔ مثلاً

دشمنی کے کئی کردار ہوا کرتے ہیں جاں نثاروں میں بھی غدّار ہوا کرتے ہیں
ہر آن مری راہ میں بوتے رہے کانٹے احباب کا حلقہ ہے کہ جنگل متواتر

اس کے باوجود ان کی اعلیٰ ظرفی، بے وفا دوستوں کو بھی گلے لگانے پر مجبور کردیتی ہے۔ کہتے ہیں۔

ہمیں معلوم ہیں وہ پیٹھ میں خنجر ہی مارے گا مگر رازؔی اُسے بھی اپنے سینے سے لگاتا ہے

رنج وغم کا جذبہ ایک ایسا جذبہ ہے جس کے بغیر شاعر کی شخصیت نامکمل رہتی ہے۔ یہی وہ جذبہ ہے جو دل میں انسانیت کا درد پیدا کرتا ہے اور بنی نوع انسان سے محبت اور ہمدردی سکھاتا ہے۔ حکیم رازؔی اس جذبہ سے معریٰ نہیں ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں۔

خوشی کا رازداں کیا ہوگیا ہوں سراپا درد بنتا جارہا ہوں
حقیقت میں مجھے غم کھا رہا ہے گماں یہ ہے کہ میں غم کھا رہا ہوں

اس کے ساتھ ہی وہ حوصلے اور جرأت کے ساتھ غم وآلام اور مشکلات ومصائب کا مقابلہ کرنے کا بھی درس دیتے ہیں۔

تیز تر دھوپ ہے مسائل کی حوصلہ سائبان جیسا ہے
لاکھ طوفان حوادث نے اُجاڑا، لوٹا پھر بھی دلی کی طرح ہم ہیں کہ بس جاتے ہیں

حکیم رازؔی کو اپنی قوم کے بگڑنے اور اس کا شیرازہ بکھرنے کا بڑا دکھ ہے۔ اسی دکھ کے احساس میں ڈوب کر کہتے ہیں۔

ایسا لگتا ہے کہ ہم وہ نہیں جو تھے پہلے　　دھیان جاتا ہے اگر عہد گذشتہ کی طرف
اُلجھا لیا ہے خود کو عقیدوں کے جال میں　　ہم لوگ آج سیکڑوں خانوں میں بٹ گئے

پھر تڑپ کر خدا سے دعا کرتے ہیں۔

اے خدا تفریق نے ہم کو کہاں پہنچا دیا　　ہم میں پیدا کر وہی جذبہ بہتر کی طرح

ظلم وستم، نفرت وتعصب اور فرقہ وارانہ فسادات سے بھی ان کی طبیعت بے حد متاثر نظر آتی ہے بڑے دکھ کے ساتھ کہتے ہیں۔

اپنے وطن میں اپنے ہی لوگوں کو رات دن　　حرفِ غلط کی طرح مٹانے لگے ہیں لوگ
نفرت بڑھی تو بن گئی آتش فشاں فضا　　امن واماں کے شہر بھی لاشوں سے پٹ گئے

فرقہ وارانہ فسادات سے لوگ کس قدر اذیت میں مبتلا ہیں اس کا نقشہ کتنے موثر انداز میں پیش کیا ہے۔

تیز کتنے ہیں فسادات کے شعلے یارو　　بند کمرے میں بھی اب لوگ جھلس جاتے ہیں

رہبروں اور ارباب اقتدار سے ان مسائل کے حل کی بے جا توقع رکھنے والی قوم کو وہ مشورہ دیتے ہیں۔

اپنے زخموں کا مداوا ہمیں خود کرنا ہے　　کب تلک دیکھتے رہئیے گا مسیحا کی طرف

رگ سنگ میں غزلوں کے علاوہ نظمیں، قطعات اور رباعیات بھی شامل ہیں جن میں قابل ذکر تاریخی قطعات ہیں۔ جن کا جائزہ لینے کے بعد تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ تاریخی مادہ نکالنے میں حکیم رازؔی کو کمال حاصل ہے یوں بھی یہ کام بڑا صبر آزما ہے اور شاعر کے بے پناہ صبر وتحمل کی ترجمانی کرتا ہے۔

بحیثیت مجموعی 'رگ سنگ' ایک ایسا گلدستہ ہے جس کے پھولوں میں حسن بھی ہے اور خوشبو بھی، مجھے اُمید ہے کہ ادبی حلقوں میں اس کی خاطر خواہ پذیرائی ہوگی۔ انشاء اللہ۔

یکم اپریل ۱۹۹۲ء

علامہ حاذقؔ طیفوری - ممبئی

حکیم رازیؔ میری نظر میں

حکیم رازیؔ صاحب کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں مگر پھر بھی موصوف کے پچاس سالہ جشن کے موقع پر جو مختلف اِداروں اور اربابِ علم وفن کی جانب سے رازیؔ صاحب کی پچاس سالہ علمی و ادبی خدمات کا اعتراف ہے اور خراجِ عقیدت و محبت بھی، ایسے عظیم موقف میں از راہِ خلوص چند سطریں تحریر کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں کیونکہ میں نے تقریباً تیس سال کا عرصہ ہوا، رازیؔ صاحب کو بہت قریب سے دیکھا۔

نظم و نثر میں اعلیٰ تخلیقی صلاحیت، روایتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے فنکارانہ جدت موصوف کا منفرد اصول سخن ہے۔ رازیؔ صاحب ایک دانشور، ایک ادیبؔ ایک صوفی، ایک صحافی اور باکمال شاعر ہیں یعنی آپ کی شخصیت میں کئی پہلو اور کئی رنگ ہیں۔ آپ کی فنکارانہ تخلیقات کا پہلا مجموعہ 'سنگ و آہن' اشاعت پذیر ہوکر قبولیتِ عام کا درجہ حاصل کر چکا۔ دوسرا مجموعہ 'سرودِ بخش اللہ' حمد و نعت، سلام اور منقبت پر مبنی ہے۔ مذہبی اور ادبی حلقوں میں دادِ تحسین حاصل کر چکا۔

رازیؔ صاحب اپنے پیرِ طریقت سرکار برہانپور الحاج عبدالغفور بخش اللہ شاہ اشرفی صاحب سے والہانہ اور بے پناہ عشق رکھتے ہیں۔ اپنے منقبتی کلام کو شیخِ طریقت سے منسوب کرنا موصوف کے متصوّفانہ شفقتِ روحی کی دلیل ہے۔

رازیؔ صاحب نے شاعری میں پچاس سال تک صوفیوں کی طرح مجاہدہ کیا ہے۔ آپ کے کلام میں رنگِ قدیم و رنگ جدید کا حسین امتزاج بڑی خوبصورتی کے ساتھ ملتا ہے۔ جدیدیت کے نام پر ادبی چٹکلے بازی نہیں ہے بلکہ ایسی جدت طرازی جو ربط و یابس کے دائرے سے ماورا ہوکر اعلیٰ سے اعلیٰ فنکارانہ صلاحیت کا حامل ہے۔ ہر شے کو تغیر لازم ہے، ریشم ہو کہ فولاد اور کوئی اشیائے

عرضِ مرتب

الحمدللہ! بڑی خوشی کا مقام کا ہے کہ پیر و مرشد حکیم رازیؔ کی شخصیت، شاعری، ادارت اور فنِ طب پر جامع تالیف آپ کے دستِ مبارک میں ہے اور پھر تالیف ہو یا تصنیف، درآں جس قدر افادات و تاثرات وغیرہ سے مضامین معمور ہوں گے اسی قدر وہ قبولِ عام کا درجہ حاصل کرے گی۔ جہاں تک میرا خیال ہے ''حق بحق دار رسید'' کے مصداق سبھی نگارشات عمدہ ہیں۔

ایسی صورت حال میں تقدیم و تاخیر کا کام مرتب کے لیے مشکل ہوجاتا ہے۔ اس لیے تقدیم و تاخیر سے بالاتر ترتیب سے کتاب مزین ہے، کہ عمدہ نگارش جہاں بھی ہو چمکتی ہے، اپنا مقام خود بنالیتی ہے۔

مشمولات میں ایک آدھ مضمون ایسا ضرور ہے جہاں فن کار کے فن پاروں (شعروں) کی مکمل وضاحت نہیں ہوسکی۔ ہوسکتا ہے وہ میرا ہی مضمون ہو۔ مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اہلِ نظر قارئین خود محسوس کرلیتے ہیں کہ کمی کس حد میں ہے۔

مشمولات میں مضامین مختلف النوع ہونے کے سبب کافی دلکش،

کائنات، ہر شے تغیر پذیر ہوتی ہے اسی طرح دنیا کی بڑی زبانوں کے ادب بھی ترقی پذیر ہوتے ہیں۔

موصوف نے عمیق مشاہدے اور پختہ تجربے کی بنیاد پر فنکارانہ تخلیقات کی عمارت تعمیر کی ہے آپ نے اپنے فن کو خونِ دل سے نگارش کیا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حکیم رازؔی صاحب نے 'از شعر و من الحکمہ' کے مصداق اپنے فن کو زیورِ حکمت سے آراستہ کیا ہے۔ شعروں کو علم و وجدان کے مسحور نے اوجِ ثریا سے آشنا کردیا۔ ہر شعر کہکشاں کے ستاروں کی ایک لکیر معلوم ہوتا ہے۔ میں نے شعروں کے انتخاب سے اس لیے اجتناب کیا ہے کہ تازہ فنکارہ رگ سنگ آپ کے ہاتھ میں ہے آپ خود مطالعہ کر کے اشعار کا انتخاب فرمائیں، میری نگاہ میں تو رگ سنگ کا ہر شعر انتخاب ہے۔

'صلاح عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے'

۲۷ اپریل ۱۹۹۲ء

****

قیصر الجعفری - کوسہ ممبرا - ممبئی

رازؔی صاحب

حکیم رازؔی صاحب کے فن اور شخصیت پر تھوڑی سی گفتگو کرنے کا جی ہو رہا ہے ان کا وطن کہاں ہے یہ تو مجھے معلوم نہیں ہے مگر پونہ ان کا مستقل جائے قیام ہے اور ان کی زندگی اپنا سفر طے کرتی ہوئی یہیں کے شب و روز کی دھوپ اور چاندنی میں نہائی ہے۔ پونہ کا ادبی اور فلمی پس منظر بڑا شاندار رہا ہے اور ہے۔ جوشؔ ملیح آبادی، ساغؔر نظامی، سعادت حسن منٹو، ماہؔر القادری، اخترؔ الایمان، تلوک چند محرؔوم، انجم فوقی بدایونی اور دوسرے شعراء نے یہاں اپنے دورانِ قیام میں شمعِ شعر و سخن جلائی جس کی روشنی میں دن بہ دن اضافہ ہی ہوتا رہا۔ ڈاکٹر امانتؔ، ابراہیم فیضؔ، عزیزؔ قصری، نذیر فتح پوری، محمد عمر نیرؔ اور پروفیسر غلام دستگیر شہابؔ صاحبان نے فی الحال اس شہر کے ادبی معیار کو بلند کیا ہے۔ (اس سے پہلے پرانے اساتذہ میں سلیمؔ چشتی، شادؔ پونوی، شوقؔ پونوی، علمؔی برنی، خاکؔ صاحب، جادو صاحب، وحشؔی میرٹھی، صغیرؔ اجمیری، بڑے مرہمؔ، چھوٹے مرہمؔ وغیرہ تھے) شہابؔ مرحوم صاحب نے تو علامہ اقبالؔ کی رموزِ بے خودی کا اس قدر خوبصورت اور دل پذیر ترجمہ کیا ہے کہ ان کی یہ کتاب اُردو دنیا میں بڑی اہمیت کی حامل سمجھی گئی ہے۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ اس وقت ہندوستانی مسلمانوں کے سامنے جو مسائل اٹھ کھڑے ہوئے ہیں ان میں سے بیشتر کا حل اسی کتاب میں مل جائے گا۔ علامہ اقبالؔ کی فارسی شاعری کو اُردو نثر میں ڈھالنے کا کام شہابؔ مرحوم نے خوب کیا ہے۔

حکیم رازؔی کو یہی پس منظر نصیب ہوا۔ یہاں کی محفلوں نے ان کے ذوقِ شعر گوئی کی آبیاری کی اور خلوتوں نے دل کی دھڑکنوں کو شعر میں سمانے کا موقعہ دیا۔ مذاقِ شعر کو سنوارنے اور سجانے کا خیال آیا تو ملک کے مشہور شاعر جناب ادیبؔ مالیگانوی پر نظر پڑی اور حق ہے کہ شاگردی رسمی نہیں کی۔ استاد کی شخصیت کو اوڑھ لیا۔ وہی سادگی، وہی زود گوئی، وہی خیال آرائی، وہی روایت

سے لگاؤ جو ادیبؔ صاحب کا حصہ تھا۔ وہ رازیؔ صاحب نے بھی اپنایا، ادیبؔ صاحب کے ہزاروں شاگردوں میں جو رازیؔ کا مقام تھا۔ وہ مجھے معلوم ہے عمر بھر اختلاف رائے نہیں ہوا آپس میں قربت کے باوجود ایک فاصلہ رکھا جسے ادب و احترام کہا جاتا ہے استاد نے فارغ التحصیل کر دیا مگر ان کا جی نہیں مانا استاد محترم کو کلام دکھانا نہیں بند کیا۔ یہاں تک کہ ادیبؔ صاحب کی آنکھ بند ہوگئی۔

رازیؔ صاحب کی آنکھیں اتنا نہیں روئیں جتنا ان کا دل رویا کسی سے کچھ نہیں پوچھا اکیلے ادیبؔ نمبر نکالنے اُٹھ کھڑے ہوئے 'اسباق' پہلے ہی سے جاری تھا اسی کا نمبر نکالنے کا اعلان کر دیا۔ خلوص، محبت، اخلاق اور ہنر مندی ایسے اوصاف ہیں کہ مشکل سے مشکل راہیں بھی آسان ہوجاتی ہیں ان کے احباب نے پورا تعاون دیا اور ایک لاجواب ادیبؔ اور ادبی نمبر شائع ہوگیا۔

طبابت کے مصروف ترین پیشے کے باوجود ادب اور شعر کے لیے اتنا وقت دینا کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے دبلا پتلا سا بے جان پیکر، باہر سے دنیا دار حکیم اندر سے شاعر اور بے نیاز، ایک شعری مجموعہ 'سنگ و آہن' چھاپ چکا تھا، کوئی صلہ نہیں ملا شاید زخم بہت ملے چنانچہ دوسرا مجموعہ چھاپا (رگ سنگ) اور انہیں زخموں کے نام منسوب کر دیا۔ اب ان زخموں کو پھول بنانا سب دوستوں کا کام ہے۔

رازیؔ صاحب نے شاعری کی ہے اور زندگی بھی سنواری ہے خیالوں کی دنیا میں بھی اڑے ہین اور جلتی ہوئی سڑکوں پر بھی ننگے پاؤں سفر کیا ہے انہیں تجربوں کو سمیٹ کر شعر بنا لیا ہے۔ اور ترتیب دے کر ایک کتاب چھاپی ہے جس کا نام 'رگ سنگ' ہے۔ یہ سنگ دوسروں پر بھی پھینکے گئے ہیں اور اپنے آپ پر بھی، وہی سنگ میں چھپے ہوئے شرر، تمام کے تمام لہو نہ بنے ہوں مگر کہیں لہو بنے ہیں اور ایسے بنے ہیں کہ تھمنے کا نام نہیں لیتے۔

سوچتا رہ گیا انجام سے ڈرنے والا　　　سرخرو ہوگیا دریا میں اُترنے والا

اسی غزل کا ایک اور شعر۔

ہم نے جو رختِ سفر باندھ لیا، باندھ لیا　　　اور ہوگا کوئی رستے میں ٹھہرنے والا

ایک غزل میں ادیبؔ صاحب کا رنگ ملاحظہ فرمایئے۔

تھا دام ہوس ہی کچھ ایسا لوٹ کے آنا بھول گیا
جو بستی بستی پھرتا تھا وہ گھر کا رستہ بھول گیا
وہ لمحہ کیسا لمحہ تھا جب ان سے نظر ٹکرائی تھی
یہ منزل کون سی منزل ہے میں ہوش میں آنا بھول گیا

ایک اور غزل بہت اچھی ہے، جس کا مطلع ہے۔

جسم کے ساتھ جان جیسا ہے پھر بھی وہ بد گمان جیسا ہے

رازؔی صاحب فنِ تاریخ گوئی میں بھی بڑا ملکہ رکھتے ہیں اور اس وقت ملک میں جو چند اسی صنف کے ماہرین ہیں اُن میں موصوف کا نام بہت نمایاں ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں جو قطعاتِ تاریخ شامل ہیں وہ ان کے فن کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

اس مختصر سے مضمون سے رازؔی صاحب کی کتاب کا تعارف مقصود ہے سیر حاصل بحث کا موقعہ نہیں ہے ان کی کتاب میں چند نظمیں بھی شامل ہیں جو مرثیہ کے ضمن میں آتی ہیں ان کی ایک نظم 'قلم شاہِ مکرم' شاہکار چیز ہے۔ روانی سلاست اور موضوع کے لحاظ سے قابل ذکر تصور کی جائے گی۔

شعری مجموعے شاعر کو مالی منفعت نہ دیں نہ سہی مگر ان کی اشاعت ضروری ہے آج کی کتابیں ایک رابطہ ہیں ایک زنجیر ہیں موجودہ نسل اور آنے والی نسل کے درمیاں رازؔی صاحب نے اپنی کتاب چھاپ کر اس زنجیر میں ایک اور کڑی کا اضافہ کیا ہے۔

میں اس جشن کے موقعہ پر ان کو مبارک باد دیتا ہوں اور ان کے دوستوں کو سلام کہتا ہوں۔

اپریل ۱۹۹۲ء

ناوکؔ حمزہ پوری

حضرتِ حکیم رازیؔ کی پچاس سالہ ادبی خدمات کا اعتراف

رباعیاں

(۱)

پہنچا ہے مجھے پیامِ جشنِ رازیؔ
پونے میں ہے اہتمامِ جشنِ رازیؔ
صد آفریں اے بزمِ ادیب پونہ
ہے سو کام کا اِک کام جشنِ رازیؔ

(۲)

یہ دل کشیِ حسنِ زبانِ رازیؔ
یہ ندرتِ اظہارِ بیانِ رازیؔ
ہر لفظ سے ظاہر ہے کمالِ ترصیع
ہر شعر ہے آئینۂ شانِ رازیؔ

(۳)

تطہیرِ خیال کی ادا تو دیکھو
تصویرِ جمالِ دل رُبا تو دیکھو
کیونکر 'رگِ سنگ' میں بھی پڑتی ہے جان
یہ معجزۂ نطق و نوا تو دیکھو

(۴)

اونچا ہے سخنوروں میں نامِ رازیؔ
ہے شستہ و شائستہ کلامِ رازیؔ
تم جانو جو دل میں ہو تمھارے لوگو!
ناوکؔ کرتا ہے احترامِ رازیؔ

جشنِ رازیؔ

رودادِ قلب شاعرِ عالی وقار کی
ہے منتشر سی ایک کلی لالہ زار کی

فتنے ہزار اُٹھے چلیں آندھیاں مگر!
اُس نے نہ فکر کی ستمِ روزگار کی

انسانیت کا درد جگر میں لیے ہوئے
طے کر رہا ہے راہ گزر انکسار کی

کیوں کر نہ خوش دلی سے تبسم لٹائے وہ
فطرت ملی ہے جس کو گلِ نَو بہار کی

تاریک زندگی بھی چمکتی ہے سر بسر
پا کر تجلیاں دلِ آئینہ دار کی

پہنچا ہے اس مقام پہ رازیؔ جہاں ندیم
منزل بھی ہم نوا ہے عروسِ بہار کی

غزلوں میں دل نواز تسلسل ہے جا بجا
نغمہ طرازیاں ہیں کسی آبشار کی

تعظیم فرض ہے نظرِ اہلِ ذوق پر
ملکِ سخن کے شیریں بیاں تاجدار کی

از راہِ شوق جشن میں ساغر کا دَور ہے
موجیں اُچھل رہی ہیں مئے خوشگوار کی

رازیؔ شناس کی نگہِ معتبر سے پوچھ
تابش ملی ہے جس کو دُرِ شاہوار کی

پیری میں ہو رہی ہے عروسِ سخن جواں
پڑتی ہے اس پہ سب کی نظر اعتبار کی

موصوف کے لیے یہ دعا ہے عزیزؔ کی
بارش ہو ان پہ رحمتِ پروردگار کی

❋❋❋

محمد ایوب خان - پرنسپل اینگلو اردو ہائی اسکول - پونہ

غزل

دلِ مہجور پہ دوری ، یہ بہت بھاری ہے
درمیاں آپ کے میرے ، مری بیماری ہے

جوئے فرہاد ، روایت کی فسوں کاری ہے
یہ 'رگِ سنگ' تو بہتی ہوئی گل کاری ہے

تیری فطرت میں ترحم ہے وفاداری ہے
تو کبھی رنگ ہے ، خوشبو ، کبھی چنگاری ہے

ہے ترا ذوقِ سخن حد جنوں سے آگے
اور اقلیم طبابت میں بھی سرداری ہے

مرتبہ اس سے بھی کھلتا ہے سخن کا تیرے
جو شہنشاہِ غزل ہے ترا درباری ہے

تم جہاں ہو وہاں شب تاب اُجالے ہیں بہت
ہم جہاں ہیں نہ وہاں خواب نہ بیداری ہے

یہ عقیدہ ترا مسجد ہو کہ مندر لوگو!
نفسِ ایماں تو فقط شرطِ وفاداری ہے

میرے محسن تری تحسین کو الفاظ کہاں
تو تو خود 'احسنِ تقویم' کی پھلواری ہے

تیری صورت میں ہیں باقی ترے الطاف وکرم
اب نہ وہ دوست ہی باقی ہیں نہ غم خواری ہے

یا الٰہی ! مرے رازؔی سے تو راضی رہنا
گریۂ شب میں میرے لب پہ سخن جاری ہے

❀❀❀

باب چہارم

ہم یہی کہتے ہیں ہر لفظ میں خوشبو ہم ہیں
سب زبانوں کی ادا صاحبِ اُردو ہم ہیں

(حکیم رازؔی)

علمی، ادبی اور سماجی اردو کی علامت!
اسباق
زرِ سالانہ
۱۵ روپے
پونا

٤٨٦

مراٹھی گڑھ پونہ سے اردو کی صحتمند آواز

ماہنامہ **اسباق** پونہ

جلد چہارم - سنہ ۱۹۸۶ - شمارہ - ۵، ۶-۷، ۸- ۹، ۱۰

سرپرست و نگراں - حکیم رازی ادیبی مدیر اعلیٰ - نذیر فتحپوری

معاون مدیران

سید آصف اور یوسف ندیم ایم اے بی ایڈ

تزئین کار

رشید اعجاز

اصلاح کار	
مظہر امام	کشمیر
ڈاکٹر عصمت جاوید	اورنگ آباد
مناظر عاشق ہرگانوی	بھاگلپور
دلدار ہاشمی	پونہ
مشتاق مدنی	مسقط
عطار ظہیر ذوالنہری	پونہ
ایس ایم یوسف	پونہ
ابراہیم آمر	پونہ
عبدالمنان راہی	پونہ
راج ٹھاکر	پونہ

معاونین	
کالی داس گپتا رضا	بمبئی
عتیق احمد عتیق	مالیگاؤں
محبوب راہی	بارسی ٹاکلی
ڈاکٹر اومے سرن ارمان	بلاری (سرآباد)
ڈاکٹر امانت ایم اے۔ پی ایچ ڈی	پونہ
پروفیسر امان اللہ غازی	کھگریا (بہار)
بھگوان کھلنانی ساقی	پونہ
ڈاکٹر اظہار مسرت	جے پور
نامی نادری	دیرہ دون

مراسلت کا پتہ - ۱۲۳، نینا پارک - ۱۹۸۶ - ایروڈا - پونہ ۶

ترسیل زر کا پتہ - دفتر اسباق ۵۰۲ ساچا پیر اسٹریٹ - پونہ ۱

قیمت فی شمارہ - ۳-۵۰ اس شمارے کی قیمت **۳۰** روپے زر سالانہ - ۳۰ روپے

اسباق ٹرسٹ کیلئے حکیم رازی ادیبی نے مہاراشٹر پرنٹنگ اسکول پونہ ۲ سے چھپوا کر دفتر اسباق ۵۰۲ ساچا پیر اسٹریٹ پونہ ۱ سے جاری کیا۔

الخطاط: محمد جمیل

دلچسپ و دل پذیر ہیں جن سے قارئین اچھا خاصا ادبی انقباض و انبساط پائے بغیر نہیں رہیں گے اور ہوسکتا ہے کتاب بار بار دیکھیں گے۔ ادب میں یہ بہت بڑی بات ہوگی۔

مجموعی طور پر امید واثق کہ اسے قبولِ عام کا شرف ضرور حاصل ہوگا اور موصوف کی بے لوث ادبی خدمات کو کافی سراہا جائے گا اور نوازا بھی جائے گا۔

اخیر میں تمام مضمون نگار، مشاہیر قلم حضرات کی زحمت کشی کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ بے شک سبھی نے اپنا قیمتی وقت دے کر مضامین سپردِ قلم کیے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

ہیچ مدار مرتب

ذاکر عثمانی راویری

مکتوبات بسلسلہ سالِ اولیں نمبر اسباق

ڈاکٹر **عصمت جاوید**، اورنگ آباد

قبلۂ محترم حکیم رازؔی صاحب کو بطور خاص مبارک باد، جو مجھے ہمیشہ اپنے مطب میں بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ ان کے چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ ہی دیکھی۔ پھر کیا ان کے پاس کوئی جن ہے جس سے انھوں نے اتنا بڑا کام لیا کہ وہ پردۂ غیب سے نمودار ہوکر اسباق کا سالِ اولیں نمبر اپنے ہتھیلی پر لے آیا! میں جانتا ہوں اُن کے ساتھ کام کرنے والوں کی ایک جماعت ہے اور اس جماعت کے ہر فرد میں جن کی قوت اور اس کا عزم چھپا ہوا ہے اس لیے میں اس جماعت کے تمام فعال اراکین کو بھی مبارک باد دیتا ہوں جس کی متحدہ کوششوں، لگن اور باہمی تعاون سے ادب کی دُنیا میں ایسا کارنامہ انجام پایا جس پر ہر ادب دوست عش عش کرے گا۔

اسباق یہ سالنامہ صوری اعتبار سے بھی معیاری ہے۔ اسے جنت نگاہ بنانے میں رشید اعجازؔ نے اپنے موئے قلم ہی کا نہیں بلکہ ذہانت کا بھی اعجاز دکھایا ہے۔ ہر ٹائٹل کی تصویر دیدہ زیب بھی ہے اور دعوتِ فکر بھی دیتی ہے اس لیے میری طرف سے انھیں بھی مبارک باد!

سالنامے کی ابتدا تاثرات اور پھر دعا سے ہوتی ہے اور دعا بھی وہ جو نذیرؔ فتح پوری مدیر اسباق کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔ دعا کے اندازِ بیان میں شگفتگی اور نیاپن ہے۔ رشید اعجازؔ نے اس دعا کے لیے بڑی چابکدستی سے محراب فراہم کیا ہے اور لفظ اللہ سے 'فتح باب' کا جو تاثر دیا ہے اس سے دعا کی معنویت اُبھر آئی ہے۔ بعد کا ورق اُلٹیے اور انتساب کے صفحے سے آگے بڑھیے تو قلمی خاکے (Sketches) آپ کا استقبال کرتے ہیں۔ یہ اسباق کے سرپرست، لیلئ اُردو کے پرستاروں کے سالارِ کارواں حکیم رازؔی ہیں۔ یہ مدیرانِ اسباق نذیرؔ فتح پوری اور سید آصفؔ ہیں۔ اس کے بعد معاونینِ اسباق کی تصویریں مختصر تعارف کے ساتھ سامنے آتی ہیں۔ مجھے ایسا لگا جیسے کوئی فلم دیکھ رہا ہوں اور فلم شروع ہونے سے پہلے کچھ مصور ٹائٹل پردۂ سیمیں پر پیش کیے جارہے ہیں۔ اس کے بعد ملگجے میں کچھ تصویریں بولنے لگتی ہیں۔ چہرے پہچانے نہیں جاتے پھر اُجالے میں آکر یہی تصویریں

زبانِ حال سے بولنے بھی لگتی ہیں۔

بابِ دوم کا آغاز نعت اور منقبت سے ہے۔ اس کا عنوان 'اُجالے' برمحل ہے۔ اس باب کی ابتداء پاکستانی ادیب ڈاکٹر محمد پٹھان کے مضمون 'چند غیر مسلم نعت گو' سے ہوتی ہے جس میں اُردو کے علاوہ سندھی اور پنجابی غیر مسلم نعت گویوں کا تذکرہ ہے۔ رفیعہ شبنؔم عابدی کی 'حمد' اندازِ بیان کے اعتبار سے منفرد ہے۔ حمد و نعت کے علاوہ اس باب میں ایک منقبت بھی شامل ہے۔

بابِ سوم 'مقالات و مضامین' پر مشتمل ہے۔ بابِ چہارم منظوم تخلیقات میں صرف 'نظم' کے لیے وقف ہے۔ ٹائٹل کی تصویر میں دو نسوانی ہاتھ لڑی میں موتی پروتے ہوئے دکھائے گئے ہیں۔ نظم کے لغوی معنی کی رعایت سے تصویر برمحل ہے اور فکر انگیز بھی۔ بابِ پنجم 'افسانے کہانیاں' گلستان کے بابِ پنجم کی طرح رنگا رنگ ہے۔ ٹائٹل تصویر میں پھول کا رس چوسنے والی تتلی اس فنکار کی علامت ہے جو زندگی سے خام مواد حاصل کر کے اسے تخلیقی عمل سے گذارتا ہے۔ پسِ منظر میں زندگی کا یہ خام مواد بھی دکھایا گیا ہے۔ اس حصے میں جہاں منٹو، بیدی، انتظار حسین، رام لعل، جوگیندر پال وغیرہم کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ تخلیقات شامل ہیں، وہیں انور خان، علی امام نقوی، احمد داؤد اور ادارۂ اسباق سے وابستہ مدیرانِ اسباق نذیؔر فتح پوری، سید آصفؔ اور رشید اعجاؔز کے افسانے بھی ہیں۔ انور خان کا 'میونسپل پارک' اور سید آصفؔ کا 'اپروچ' بہت پسند آئے۔

بابِ ششم میں غزلیں ہی غزلیں ہیں۔ یہ حصہ تمام رسالے پر بھاری ہے۔ اس میں باقر مہدی، فضیل جعفری، بشیر بدر، پروین شاکر، ندا فاضلی، عزیز قیسی، مظفر حنفی، ادیب مالیگانوی، عتیق احمد عتیقؔ، عبدالرحیم نشتر، شاہد کبیر جیسے معتبر نام اس حصے کی کامیابی کی ضمانت ہیں۔ ساتویں باب میں آزاد غزلیں ہیں۔ آزاد غزل کی مخالفت اور موافقت میں کچھ مضامین اور خطوط بھی شائع کیے گئے ہیں لیکن آزاد غزل کی ہیئت کو سمجھنے سمجھانے کے لیے رشید اعجاؔز نے آرٹ کی زبان کا جو سہارا لیا ہے وہ لائقِ داد ہے۔ مدیر اسباق نے اس صنف پر کھلے ذہن سے بحث کرنے کی جو دعوت دی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسباق اُردو کے نئے نئے رجحانات کے لیے اپنے دریچے کھلے رکھتا ہے۔ یہ بڑی اچھی بات ہے۔

آٹھواں باب ترجمے کے لیے وقف ہے۔ ترجمے کی رعایت سے ایک حسین چہرے کو دو مختلف رنگوں میں پیش کرنا آرٹسٹ کی ذہانت پر دلالت کرتا ہے۔ اس کے بعد فن و شخصیت کا باب

ہے یہاں پھر ٹائٹل تصویر کی تعریف کرنے پر مجبور ہوں جس میں بڑی عمدگی سے یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ فن و شخصیت کا تجزیہ کرتے ہوئے تبصرہ نگار کونٹ کی طرح رسّی پر چلتے ہوئے توازن قائم رکھنا پڑتا ہے۔ بابِ دہم اُردو کی دو قدیم اصناف رباعی اور قطعہ کے لیے اور نئی صنفِ تثلیث کے لیے وقف ہے۔

گیارہواں باب موسوم بہ 'یادیں' ہے۔ اس باب کی نمائندگی کرنے والوں میں کالی داس گپتا رضا اور جوگیندر پال شامل ہیں۔ بارہویں باب میں طنز و مزاح کی پھلجھڑیاں ہیں اور سرِ فہرست یوسف ناظم کا نام اس حصے کی کامیابی کی ضمانت ہے۔

اس کے بعد تبصرے کا باب ہے۔ کون جانے تبصرہ نگاروں نے تبصرے میں حقِ دوستی ادا کیا ہے یا جلے دل کے پھپھولے پھوڑے ہیں یا زیرِ تبصرہ کتاب کی اپنی اپنی بساط کے مطابق صحیح قدرشناسی کی ہے۔

آخر میں پھر آپ کو مبارک باد دوں گا (غالباً دوسری بار)۔ یہ امر واقعہ ہے کہ مضامین کی ترتیب و تدوین اور تہذیب میں آپ نے صرف محنت نہیں بلکہ ذہانت سے بھی کام لیا ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کے اتنے سارے ادیبوں، شاعروں اور نقادوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا اور ہر معروف اور غیر معروف شخص کی تصویر بالالتزام شائع کرنا آپ ہی کا کام ہے۔ پھر آپ کو آپ کے سالارِ کارواں حکیم رازؔی کو اور آپ کے ساتھیوں کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں اور خدا سے دعا کرتا ہوں کہ آپ آئندہ اس سے بہتر کارنامہ پیش کریں۔ آمین

عتیق احمد عتیقؔ

سالنامہ دیکھا، صرف ضخیم ہی نہیں عظیم بھی ہے۔ خوبصورت ہی نہیں قابلِ قدر بھی ہے۔ حکیم رازؔی صاحب آپ سید آصف و دلدار ہاشمی صاحبان اور دوسرے رفقائے کار قابل مبارک باد ہیں کہ انہوں نے اپنی ملی جلی اور انتھک کوششوں سے ایسا نمبر نکالا جس کا ایک ایک صفحہ مصوَّر اور منقش ہے اور ایسا حسین و باتمکین، جس کا اس ہوشربا گرانی کے زمانے میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

'اسباق' کے اس خصوصی شمارہ کی دوسری خوبی یہ ہے کہ اس میں شامل تمام تخلیقات کو

'بہ اعتبار مواد و موضوع' مختلف ابواب میں تقسیم کردیا گیا ہے جس سے مطالعہ کا تسلسل و تواتر اپنے قاری کو الگ الگ اصنافِ ادب سے پورے پورے طور پر محظوظ و مستفیض ہونے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ مزید برآں یہ کہ آرٹ آرٹ ہوتا ہے لیکن آرٹسٹ وہ جو رنگوں کے بھید کا در چھو لے۔ رشید اعجاز کا یہ اعجاز نہیں تو پھر کیا ہے کہ وہ اپنی جگہ ایک اچھے شاعر اور بہترین کہانی کار بھی ہیں۔ یہ نہ ہوتے تو شاید اتنے حسین آرٹسٹ بھی نہ ہوتے۔

سالنامے میں حکیم رازی صاحب کا اسکیچ دیکھیے اور ان کے اس کارنامہ پر نظر ڈالیے تو اس طویل العمر نوجوان کی حکمتِ عملی اور کشف و کرامت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ اُردو کے لیے پونہ جیسے بنجر اور مراٹھی گڑھ سے کسی علمی جریدے کا اجرا محال اور سالنامہ جیسا عظیم، ضخیم و معیاری نمبر نکالنا تو دودھ کی نہر بہادینے کے مرادف تھا۔ لیکن آپ لوگوں نے مل جل کر یہ بھی کر دکھایا۔ خدا کرے ......

اس اک چراغ سے روشن ہوں بے شمار چراغ

محبوب راہی (ایم اے)

جذبے صادق ہوں، ارادے مستحکم ہوں، دلوں میں ایثار و خلوص کی کارفرمائی اور کچھ کر دِکھانے کی لگن ہو تو آج بھی معجزے رونما ہوسکتے ہیں۔ ثبوت کے لیے ماہنامہ اسباق کا 'سالِ اولیں نمبر' پیش کیا جاسکتا ہے۔

اسباق کے سرپرست حکیم رازی ادیبی اور مدیرانِ اسباق نذیر فتح پوری اور سید آصف کے علاوہ ان کے رفقائے کار نے اپنی انتھک جدوجہد اور شبانہ روز کاوشوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اسباق کا ایک سالہ طویل اور دشوار گزار سفر طے کرلیا اور اب مجاہدانہ شان کے ساتھ اُردو دُنیا کے سامنے سالِ اوّلیں نمبر کی صورت میں ایک ضخیم ترین، رنگا رنگ، بیش بہا، بے مثال اور باوقار ادبی دستاویز پیش کرکے تاریخِ ادب وصحافت میں اپنے نام جلی حروف میں لکھوالیے ہیں۔ تمام اصناف پر مشتمل برصغیر کے معروف ترین، نسبتاً کم معروف اور اُبھرتے ہوئے فنکاروں کی تخلیقات اراکینِ اسباق نے جس عرق ریزی اور تندہی کے ساتھ یکجا کرکے ترتیب دی ہیں اس سے کچھ زیادہ محنت، لگن اور توجہ رسالے کی تزئین کاری میں دکھائی ہے جو ہونہار آرٹسٹ رشید اعجاز کے فن کی مرہونِ

منت ہے۔

درجِ ذیل اوصاف کی بناء پر یہ خاص نمبر رسائل کے خاص نمبروں کی بھیڑ بھاڑ میں سب سے منفرد اور ممتاز دکھائی دیتا ہے۔ (۱) ایک دو چھوڑ، اُردو ادب کی تمام مروّجہ اصناف کے لیے حسبِ مقدور گنجائش نکالی گئی ہے۔ (۲) ہر صنعتِ شعر و ادب کے لیے نہ صرف یہ کہ الگ الگ ابواب متعین کیے گئے ہیں بلکہ ہر باب کے ساتھ چکنے اور دبیز آرٹ پیپر پر رنگین، دیدہ زیب اور معنی خیز سرِورق بھی لگایا گیا ہے۔ (۳) ہر تخلیق کے ساتھ تخلیق کار کی تصویر آفسیٹ پر چھاپی گئی ہے۔ (۴) ہر صفحہ کو رنگین اور دلکش ڈیزائین کے بارڈر سے طغرے کی طرح سجایا گیا ہے۔ لگ بھگ چار سو صفحات پر محیط تخلیقات میں حمد و نعت بارہ، ان سے متعلق ایک مضمون، آٹھ تحقیقی و تنقیدی مقالے، پینتیس شاہکار افسانے، سینتیس پابند اور آزاد نظمیں، تراسی غزلیں، اُنیس آزاد غزلیں، ان پر تین مضامین، سترہ شعرا کی رباعیات، قطعات اور تثلیثات، ان سے متعلق دو سیر حاصل مقالے، دس مختلف زبانوں کی تخلیقات کے تراجم، فنِ ترجمہ پر دو مقالے، یادداشتوں پر مبنی دس مشاہیر اہلِ قلم کی آپ بیتیاں، فن اور شخصیت سے متعلق سات طویل مقالے اور بارہ کتابوں پر تبصروں کے علاوہ مختلف یادگار تصویریں اس خاص نمبر کی زینت ہیں۔

میں انتہائی وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ایسا خوبصورت، اتنا دلکش، اس درجہ منفرد اور اس قدر گوناگوں دلچسپیوں کا حامل کسی اُردو رسالے کا خاص نمبر کم از کم میری نظروں سے تو نہیں گذرا۔ ممکن ہے اوروں کی بھی یہی رائے ہو۔ مواد، معیار، ضخامت اور لاگت کے پیشِ نظر پینتیس روپے مناسب ہے۔ اُمید ہے کہ اربابِ اُردو اسے ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور ملک کی ہر چھوٹی بڑی لائبریری اور ذاتی کتب خانوں میں اس کی شمولیت ضروری قرار دی جائے گی۔

ڈاکٹر عنوان چشتی دہلی

'اسباق' کا سالنامہ پسند آیا۔ آپ نے بے حد لگن اور شوق کے ساتھ ملک کے نامور ادیبوں اور شاعروں سے تخلیقات حاصل کر کے سالِ اوّلیں نمبر میں اس طرح سجا دیں جیسے جامِ جم میں جلوۂ صد رنگ۔ مبارک باد! اس کی ترتیب اور تزئین پر آپ نے جو محنت کی ہے اس کی داد نہ

دینا کفرِ ادب ہے۔ مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ سالِ اولیں نمبر صوری اور معنوی طور پر ایک دلنواز مجموعۂ تخلیقات ہے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ 'اسباق' کا خوب تر کا سفر ہمیشہ جاری رہے گا۔

ڈاکٹر اُدے سرن ارمانؔ بلاری، مرادآباد

'اسباق' کا سالِ اولیں نمبر میرے خیال سے تو اب تک کے تمام نمبروں سے سبقت لے گیا ہے۔ میں نے جتنے بھی نمبر دیکھے ہیں کوئی بھی اتنا حسین، خوبصورت، شاندار مرصوع و مرصع اور معیاری نہیں دیکھا جتنا 'اسباق نمبر' ہے۔ چھپائی، لکھائی، صفائی سبھی کچھ لاجواب ہے۔

ایسا شاندار نمبر نکال کر سچ مچ آپ لوگوں نے ادب کی دُنیا میں ایک دھماکہ کردیا ہے۔ خدائے برتر آپ کو صحت اور ہمت عطا فرمائے۔ آمین!

مناظر عاشقؔ ہرگانوی بھاگلپور

'اسباق' کا بے حد ضخیم، بے حد معیاری 'سالِ اولیں نمبر' ملا۔ شکریہ! اس مصوّر نمبر کو پا کر جی خوش ہوگیا ہے۔ اور آپ کے لیے دعائیں ہی دعائیں نکلی ہیں۔ آج کی اس مہنگائی میں اتنا خوبصورت اور دقیع نمبر نکالنا آپ ہی کے دل گردے کا کام ہے۔ ایک ایک صفحے سے محنت ٹپکتی ہے۔ رشید اعجازؔ اچھے شاعر کے ساتھ اتنے اچھے آرٹسٹ بھی ہیں اس کا پتہ مجھے نہیں تھا۔ اس نمبر کو دیدہ زیب بنانے میں اُنھوں نے بہت محنت کی ہے۔ ہر صنف کی درجہ بندی کرتے وقت جو ٹائٹل دیے گئے ہیں سبھی کے سبھی معنی خیز ہیں۔ 'آزاد غزل' کے حصے میں ٹائٹل کا آرٹ اس لحاظ سے زیادہ پسند آیا کہ غزل کے تنگنائے کی زنجیر آزاد غزل نے توڑ دی ہے۔ میں اس نمبر پر تفصیلی تبصرہ 'کوہسار' کے جنوری کے شمارے میں یا 'گلبن' کے سالنامے میں دوں گا۔

ناوکؔ حمزہ پوری

بھئی 'دیر آید درست آید' سنا بہت تھا لیکن اس کا صحیح مفہوم اسباق کا خوش نما، دیدہ زیب، بلند پایہ اور ضخیم سالِ اوّلیں نمبر دیکھ کر ہی سمجھ میں آیا۔ ہر ورق نگاہوں کے لیے مقناطیس اور دل کے لیے بے پایاں کشش و شادمانی لیے ہوئے ہے۔ یہ پہلا تاثر ہے۔ رسالہ بس آج اور ابھی ملا ہے۔ ابھی اس کے حسنِ صوری سے ہی لطف اٹھا پایا ہوں۔ مشمولات غماز ہیں کہ معنوی طور پر بھی یہ بہت باوقار ہوگا۔ خدا آپ کو جزائے خیر عطا کرے۔

ظفرؔ ہاشمی مدیر ماہنامہ 'گلبن' احمد آباد

مجھے حیرت بھی ہے اور خوشی بھی کہ آپ نے اشاعت کے سالِ اوّلیں میں اتنا شاندار سالنامہ قارئینِ اُردو کی خدمت میں پیش کر دیا اور آرٹ کا اتنا خوبصورت سنگم میری نظروں سے ابھی تک نہیں گذرا تھا۔ اس خصوصی شمارہ کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ آپ نے تو پہلی ہی جست میں تمام جہتوں کو پار کرلیا۔ اس تاریخی کارنامہ کے لیے آپ تمام حضرات مبارکباد کے مستحق ہیں۔

رئیس الدین رئیسؔ علی گڑھ، (یوپی)

'اسباق' کا اولین سالنامہ باصرہ نواز ہوا۔ اُردو ادب میں ایک منفرد سالنامہ ہے اور ورق ورق سے آپ تمام کی محنت و عرق ریزی عیاں ہے۔ وہ بھی مراٹھی گڑھ سے ایک ایسا نمبر نکالنا آسمان سے تارے نوچ لانے کے برابر ہے۔ جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ میرے خیال سے تمام تعریفی کلمات اسباق کے اس سالِ اوّلیں نمبر کے آگے ہیچ ہیں۔ میری طرف سے دلی مبارکباد قبول فرمایئے۔ اسباق کا مستقبل روشن و تابناک ہے۔ تمام ہی مندرجات اپنی مثال آپ ہیں اور تمام تخلیقات معیاری اور مطالعے کی ہیں۔ الغرض سالِ اوّلیں نمبر بے پناہ ہے۔ ضخامت، سائز،

ابواب اور باب پر الگ رنگ اور ڈیزائن ہر طرح سے انفرادیت لیے ہوئے ہے۔ آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا۔ میری دعائیں اور نیک خواہشات اسباق کے ساتھ ہیں۔ اب تو عام شمارے کا بھی بے چینی سے انتظار ہے۔

نظمی صدیقی سلونوی بارہ بنکی

'اسباق' کو واقعی آپ حضرات کی انتھک محنت نے مثالی دستاویز بنادیا ہے۔ ابھی میں نے اس کا بالاستیعاب مطالعہ نہیں کیا، صرف احباب کی نگارشات ہی تک محدود رہا۔ مہدؔی صاحب نے خوب غزل لکھی ہے اور آپ کی 'دعا' اور آزاد غزل نے مجھے خاصہ متعجب اور متاثر کیا۔ واقعی آپ کی شخصیت بڑی پُر اسرار ہے۔ اسباق کا آغاز حمد وثنا کے ساتھ کرکے اُردو رسالوں کو راہِ راست دکھائی ہے۔ ادبی دُنیا میں یہ انقلابی قدم ہے۔ میں اس کو تہہ دل سے سراہتا ہوں اور اس کے لیے آپ مبارکباد کے مستحق ہیں۔

ایاز احمد قریشی مھو (ایم۔ پی)

سالنامہ موصول ہوا۔ بے نظیر و لاجواب!

اے غمِ زیست ترے چاہنے والے کتنے ۔۔۔ پی گئے زہر سے لبریز پیالے کتنے

(عتیق)

اس گرانی کے دور میں اس درجہ جاذبِ نظر، ضخیم اور بامعیار شمارہ خصوصاً اُردو میں نکالنا زہر سے لبریز پیالہ پی جانے کے مترادف ہے۔ اللہ کرے یہ آپ کے لیے جامِ حیات ثابت ہوتا کہ آئندہ نسل کو آپ کے بعد آپ کو ڈھونڈنے کی سزا نہ برداشت کرنا پڑے۔

کیا کہوں؟ طباعت حسین، گیٹ اپ خوب، کتابت نفیس اور ترتیب بے مثال ہے یا پھر مضامینِ نظم ونثر معیاری تاثرات سے مملو ہیں۔ (جہاں تک ابھی پڑھ پایا ہوں) اب کچھ بھی نہیں

کہنا، کہنا ہے تو بس اتنا کہ تمام اراکین بزم، احباب اور قلم کار حضرات مبارک باد کے حقدار ہیں۔

ظفر ہاشمی جمشید پور

'سالِ اوّلیں نمبر' کی تمام کاپیاں نظر نواز ہوئیں۔ شکریہ! دوسرے دن تک تمام حقداروں کو یہ خوبصورت تحفہ مل گیا اور سارے لوگ باغ باغ ہوگئے۔ آپ لوگوں نے کیا کیا جگر کاوی نہ کی ہوگی۔ آفریں ہے آپ لوگوں پر!

'اسباق' کی بقا و ترقی کے لیے نیز آپ لوگوں کے عزم و حوصلہ پر دل سے دعائیں نکلتی ہیں۔ اس کا پورا مطالعہ کافی وقت چاہتا ہے۔ اب تک صرف اداریہ، نظم، غزل، اور آزاد غزل کا حصہ باضابطہ پڑھ سکا ہوں اور جستہ جستہ گوشوں سے لطف اندوز ہو رہا ہوں۔ میں نے اپنے تاثرات کو اس رباعی میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔

اسباق کا سالِ اولیں نمبر ہے — یارنگ و بو کا اک حسین پیکر ہے
ہے اس کی طباعت و نفاست ایسی — آنکھوں کے لیے ایک نیا منظر ہے

عروج زیدی رام پور (یو پی)

اگرچہ R.M.S کے ملازمین کی ہڑتال کے باعث 'اسباق' کے سالِ اوّلیں نمبر کا رجسٹرڈ پیکٹ انتظارِ بسیار کے بعد غیر معمولی تاخیر سے ہمدست ہوا، مگر اس کی ضخامت اور نمایاں حسن دیکھ کر 'دیر آید درست آید' کا فقرہ بے ساختہ زبان پر آ گیا۔ چشمِ بدور! ۳۸۶ صفحات کے اس معرکۃ الآرا حسین و جمیل نمبر کو جس سلیقہ سے ترتیب دیا گیا ہے اور جس حسنِ کتابت و طباعت کے ساتھ سپردِ اشاعت کیا گیا ہے وہ ایسا صحافتی کارنامہ ہے جس پر کوئی 'کافرِ ادب' ہی ستائش سے گریز کرے گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ پیش کش کا حسن اور دلکش مشمولات کی ادبی افادیت انشاء اللہ طول و عرض ملک میں بالعموم اور مراٹھی گڑھ میں بالخصوص زبان کی توسیع میں اہم رول ادا کریں گے۔ گونا گوں ابواب کے ماتحت رنگا رنگ اور صحت مند منثور و منظوم مواد خاصا جاندار ہے۔ بلا مبالغہ معیار کی بلندی کو چھورہا

ہے اور ذہنوں میں کشادگی پیدا کرنے کا ضامن ہے۔

'دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار' کہتے ہوئے میں ایسے عظیم و ضخیم، خوبصورت و معیاری اسپیشل نمبر کی اشاعت کے لیے اراکینِ اِدارہ کو پر خلوص ہدیۂ تہنیت پیش کر رہا ہوں۔ قادرِ مطلق اراکینِ اِدارہ اور اس کے سرپرستوں کے حوصلوں کو ہمیشہ توانا اور قائم رکھے۔

جوگیندر پال

نیا سال مبارک ہو! آپ کا ۳۰ دسمبر کا خط مل گیا تھا اور اس سے پیش تر 'اسباق' کا سالِ اوّلیں نمبر بھی۔ شکرگذار ہوں۔ اپنے اس نمبر پر آپ نے واقعی بہت محنت کی ہے اور عصری زندگی کی گوناگوں وارداتوں کا گویا ایک 'مانیومینٹ' فراہم کر دیا ہے۔ عصمت جاوید صاحب نے 'بے ارادہ' پر بڑی محنت سے تبصرہ کیا ہے۔ میری طرف سے دلی شکریہ ادا کر دیجیے۔ اس نمبر کے راستے میرا ایک پرانا دوست اچانک چلا آیا اسی طمطراق سے۔ میری مراد مانک ٹالہ سے ہے۔ ایک طویل مدت کے بعد ان کی کہانی دیکھی ہے۔

ڈاکٹر ایم. آئی. ساجدؔ کھامگاؤں

'اسباق' کا سالِ اوّلیں نمبر دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی اور جی خوش ہوگیا۔ 'دیر آید درست آید' کا مفہوم یہاں صحیح نظر آیا۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ لوگوں نے فقیری میں امیری کا جلوہ دکھایا۔ اُردو کے بہت کم رسائل ایسے ہیں جو اتنے اچھے نمبر نکالنے کی سکت رکھتے ہیں بلکہ نہیں کے برابر ہیں۔ اسباق کا فل سائز میں ۳۸۶ صفحات پر ۱۳/ ابواب میں منقسم، جناب رشید اعجازؔ کی فنکارانہ تزئین و مصوری کمالات اُجاگر کرتا ہوا نمبر ذہن و دل کے پردے پر دور تک اپنی خوشبو چھوڑ جاتا ہے۔ تصاویر بہت اجلی، صاف پرنٹنگ بہت خوبصورت اور کتابت نہایت سلیقے کی۔ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی خامی اس میں نہیں اور اگر ہو بھی تو اس ضخیم نمبر کو دیکھتے ہوئے اور آپ کی قدر و قامت کو نظر میں رکھتے ہوئے پہلے خون کی طرح معاف کی جا سکتی ہے۔

نذرِ حکیم رازؔی

جلیلؔ الٰہ آبادی

ہمیشہ کی ہے بزرگوں کی پیروی جس نے
گذار دی ہے فقیری میں زندگی جس نے
انھیں میں حضرتِ رازؔی کا نام شامل ہے
قدم قدم پہ لٹائی ہے روشنی جس نے
حکیم ہی نہیں، شاعر بھی، اشرفی بھی ہیں
جتائی پھر بھی کسی سے نہ برتری جس نے
اُسی کا نقشِ قدم زندگی کا حاصل ہے
مٹاکے اپنی خودی کی ہے زندگی جس نے
جلیلؔ اُس کے ہنر کا کوئی جواب نہیں
جلاکے خونِ جگر کی ہے شاعری جس نے

قطعہ

علم و فن میں پہلے سے بڑھ کر جواں ہے دوستو
ایک اک شاعر یہاں جادو بیاں ہے دوستو
حضرتِ رازؔی کے دم سے اور بھی گلزار ہے
شہر پونہ اک مہکتا گلستاں ہے دوستو

شارق جمال ناگپور

'اسباق' کا سالِ اوّلیں نمبر دیکھ کر طبیعت خوش ہوگئی۔ رسالہ ہاتھ میں آتے ہی سوچ میں پڑ گیا، اسے پہلے پڑھوں یا آپ کی اس سعی جمیل کی داد دوں۔ آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے بالخصوص جناب نذیر فتح پوری نے محنت، لگن اور جانفشانی سے اس نمبر کو ترتیب دے کر دُنیائے ادب میں ایک ادبی دستاویزی نمبر کا اضافہ کیا ہے۔ کیا یہ اُردو ادب کے قارئین پر احسانِ عظیم نہیں؟ مجموعی طور پر میں تمام کار پردازانِ اسباق کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ ادبی دنیا اس نمبر کو تادیر یاد رکھے گی۔ صحافت آپ کی نقل میں اس نمبر کی طرح دوسرا نمبر پیش کرنے کی بھی سعی کرے گی اور آپ کی محنت، لگن اور ادب کے لیے جو قربانی دے رہے ہیں ضرور مستحسن نگاہوں سے دیکھی جائے گی۔

منیر احمد کاروانِ اُردو، بھلائی نگر (ایم۔ پی۔)

ماہنامہ اسباق کا سالِ اوّلیں نمبر دیکھ کے بے پایاں مسرت کے ساتھ بے اندازہ حیرت بھی ہورہی ہے۔ اتنے نامساعد حالات میں بھی آپ نے سالنامہ عالیشان، صالح و توانا پیش کیا ہے جو دوسروں کے لیے قابلِ رشک ہے۔

اسباق اور اس کے فنکاروں کو جس انوکھے انداز سے متعارف کرایا ہے۔ ادبی دُنیا میں یہ نئی روایت ہے جو ذوقِ ادب کی ایک یادگارِ جمیل ثابت ہوگی۔

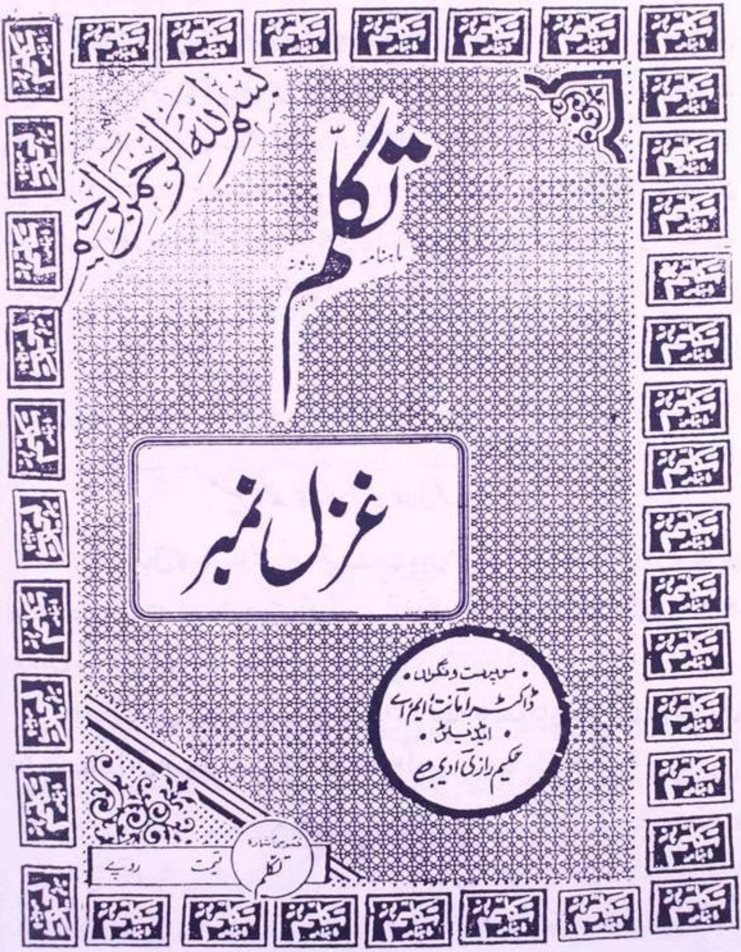
بسم اللہ الرحمن الرحیم
ماہنامہ پٹنہ
تکلم
غزل نمبر
سرپرست و نگراں
ڈاکٹر امانت ایم اے
ایڈیٹر
حکیم رازی ادیب
خصوصی شمارہ
تکلم
قیمت
روپے

انورؔ برہانپوری

تَکَلّمُ

یہ پونہ کا جب ہے رسالہ تکلم
ادب میں کرے گا اجالا تکلم

پچاسوں مضامین عمدہ ملیں گے
رسالوں میں یہ ہے نرالا تکلم

یہی شانِ پونہ بڑھائے گا بے شک
یہی ہے یہی شان والا تکلم

ابھی ذرۂ خاک کی شکل میں ہے
بنے گا کسی دن ہمالہ تکلم

ادیب اور شاعر نظر آرہے ہیں
کہ ہے اور پرچوں سے بالا تکلم

غزل نظم خمسہ رباعی ملے گی
مضامین کا ہے شوالہ تکلم

پچاسوں رسالے ہیں کہنے کو یوں تو
میں پڑھتا ہوں انورؔ رسالہ تکلم

☆☆

قطعات اجرائے تکلم

پھر لبِ رنگیں پہ ہے موجِ تبسم پیدا
دل پُر شوق میں ہوتا ہے تلاطم پیدا
کس مپرسی کا گلہ اب نہ کرے گی اُردو
خاکِ پونہ سے ہے گلبانگِ تکلم پیدا

دوش میخانے میں کہتا تھا یہ اک رند ظریف
ٹوٹنے کے لیے ہوتے ہیں سبھی خم پیدا !
نکلا تعمیر کبھی یاں ، کبھی شاہین، الہام
مٹ گئے سب تو ہوا آج تکلم پیدا !

☆☆

عرق ریز حکیم عزیز قدوسی کامٹوی

۶ ا ۴ ا ھ

قطعہ تاریخ

درصنعتِ تضارب ، بہ اشاعت ماہانامہ 'تکلم' پونہ

دل ہوا حسن تکلم پر نثار — ماہنامہ ہے ادب کا شاندار
فکر تاریخ اشاعت تھی عزیزؔ — دل نے دی 'داد تکلم' چار بار

۴۹۹
× ۴
۱۹۹۶ء

پروفیسر نظام الدین ایس گوریکر ممبئ

رازؔی صاحب سلام و مبارک باد!

'تکلم' پونہ کا خصوصی ضمیمہ نمبر ۲ ملا۔ یاد فرمائی کا شکریہ! پڑھ کر خوشی ہوئی اور امید بلکہ یقین کہ یہ پرچہ ترقی کے تمام مراحل طے کرے گا اور بہت جلد ادبیات، طباعت اور کتابت کے لحاظ سے اُردو کے رسائل و جرائد میں نمایاں مقام حاصل کرے گا۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ امید ہے مزاج اچھے ہوں گے حکیم صاحب کی خدمت میں آداب و مبارک باد پہنچایئے۔

ڈاکٹر اودے سرن ارمانؔ ادیبی بلاری مرادآباد

رازؔی صاحب سلام و نیاز!

امید کرتا ہوں کہ آپ کے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ آپ کا خوبصورت اور مذہبی جذبات سے مزین رسالہ 'تکلم' بہشتِ نظر ہوا بہت پسند آیا۔ شکریہ اللہ تعالیٰ آپ کو حوصلہ اور ہمت عطا فرمائے تاکہ رسالہ برابر جاری رہے میرے لائق کوئی خدمت ہوتو ضرور یاد فرمایئے۔ میں ہمیشہ آپ کو یاد کرتا رہوں گا۔

خواجہ سید جاوید فیضؔ اکبرآبادی

کرم فرمائے من! رازؔی صاحب!

ماہنامہ 'تکلم' کے اجراء کی خبر خوش آئند ہے۔ یہ سچ کہ اُردو شعر و ادب کے آپ جیسے سپاہی Martyr کہلاتے ہیں۔ آپ لوگوں کی قربانیاں اور شہادتیں حضرت ابرؔ احسنی، حضرت ادیبؔ

مالیگانوی، حضرت طرفہ قریشی، حضرت حرمت الاکرام وغیرہ کی روحوں کو خوش کریں گی۔ آپ لوگ بتدریج قدم بقدم فوز و کامرانی کی راہوں پر آگے بڑھتے ہی جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب و فیروز مند فرمائے، میری یہی دعا ہے۔

شبیر آصف مالیگاؤں

آداب! 'تکلم' کی ترسیل کا شکریہ،

حمد و نعت پر مشتمل یہ خصوصی ضمیمہ معنوی و صوری اعتبار سے وقیع ہے۔ اللہ جزائے خیر و برکت دے کہ یہ سلسلہ چلتا رہے۔ دیگر حالات لائقِ شکر ہیں۔ خدا حافظ

وامن راؤ جاگیردار سون پیٹھ

آداب عرض! رازی صاحب

آپ کے روانہ کردہ 'تکلم' کے دو شمارے موصول ہوئے۔ نہایت ممنون ہوں۔ جگر مراد آبادی کی فارسی نعت بہت پسند آئی۔

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

ناوکؔ حمزہ پوری حمزہ پور، بہار

'تکلم' کا تازہ شمارہ ملا۔ مشمولات اوّلین شمارے سے قابل قدر و لایق ستائش ہیں۔ شمارہ اس پہلو سے بھی زیادہ دل کش ہے۔

لبریز مئے حسن ادب خم ہے یہ — گلہائے نگارش کا 'تبسم' ہے یہ
رازی کا دل آویز 'تکلم' ہے یہ — ہر بات اتر جاتی ہے دل میں ناوکؔ

شادؔ باگل کوٹی .... شرالکوپہ (کرناٹک)

ماہ رمضان میں 'تکلم' کا ضمیمہ مل گیا تھا اور اب رسالہ بھی موصول ہو چکا ہے۔ اس عمر میں بھی آپ ادبی خدمت میں لگے ہوئے ہیں یہ بڑے دل گردے کی بات ہے۔ خدا آپ کی عمر دراز کرے۔ اور صحت کاملہ سے نوازے اور تکلم ادبی دنیا کا درخشندہ باب بن کر ابھرے۔

شارقؔ جمال .... ناگپور

تکلم کا پہلا شمارہ ملا۔ شکریہ! رسالہ اپنے مواد کے اعتبار سے بہتر اور خوب ہے۔ خدا کرے یہ زندہ رہے۔ اکثر احباب سے آپ کی خیریت معلوم ہو جاتی ہے۔

خیالؔ انصاری .... ایڈیٹر خیر اندیش، مالیگاؤں

تکلم کے ابتدائی دو اخباری سائز شماروں کے بعد آج رسالہ سائز تکلم بھی نظر نواز ہوا۔ اور دل خوش ہو گیا۔ آپ کی اس حوصلہ مندی، حضرت ادیبؔ سے سچی محبت اور پرورش لوح و قلم کے جذبہ صادق کی جس قدر بھی سراہا کی جائے کم ہے۔

تکلم کے جلد اول کے شمارے ۱۔۲ مشترکہ میں کئی قابل ذکر نگارشات ہیں جو روش مستقبل

اور تکلم کے معیار کی نشاندہی کرتی ہیں۔ معیاری نگارشات کی شمولیت کے ساتھ اگر تھوڑی محنت تزئین و آرائش پر کرلی جائے تو حسن دوبالا ہوجائے گا۔

حکیم عزیزؔ قدوسی .... کامٹی

تکلم کا پہلا شمارہ ہمدست ہوا ٹائٹل سادہ ہے لیکن حسن لیے ہوئے ہے۔ کتابت و طباعت بھی عمدہ ہے قریب قریب تمام مشمولات قابلِ قدر ہے۔ الغرض رسالہ صوری معنوی ہر لحاظ سے وقیع و معیاری ہے پہلے ہی شمارے کی یہ اٹھان ؟

اللہ نگاہ بد سے محفوظ رکھے۔

ڈاکٹر امانتؔ صاحب کے مضمون کا 'ڈاکٹر عبدالحق پونوی اور ان کی غیر مطبوعہ نظم شکوہ' کا یہ بصیرت افروز جملہ دل کو چھو گیا کہ شکوہ ہمیشہ ناخوشگوار اور ناسازگار حالات کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اسی پر قیاس کرکے ہم زندگی کی دوسری انسانی نفسیات کی کیفیات کے نتائج اخذ کرسکتے ہیں۔

بفضل خدا کامراں ہوگئے ہیں ۔۔۔ زمیں تھے مگر آسماں ہوگئے ہیں
تکلم نے ایسی توانائی بخشی ۔۔۔ ضعیفی میں رازیؔ جواں ہوگئے ہیں

اظہر نیر .... دربھنگا

آپ نے تکلم کے لیے غزلیں منتخب کرلی ہیں۔ متشکر ہوں۔ تکلم کی بقا کے لیے دوستوں سے رابطہ قائم کررہا ہوں۔ امید ہے میری کوشش سے کچھ خریدار مل جائیں۔ ایک مختصر مضمون 'سبز موسم کی صدا' اور 'ظہیر غازیؔ پوری - تاثراتی جائزہ' ارسال کررہا ہوں۔

ڈاکٹر بیتاب علی پوری .... علی پور

ماہنامہ تکلم جلد اول شمارہ ۱۔۲ ملا خوب ہے۔ مبارکباد قبول فرمائیے۔ آپ کی یہ کاوش رنگ لائی اور یہ شمارہ اپنا مقام بنا گیا ہے۔ حمد نعت کے بعد معلومات اور شعراء کا کلام مع فوٹو۔ چیدہ مضامین، بہترین ترتیب، خوشنما کتابت اور قیمت صرف دس روپے۔ ''اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ''

ابراہیم اشکؔ .... کوسہ ممبرا، تھانہ

'تکلم' کا اشتہار دیکھ کر جی خوش ہوا کہ گلشنِ اُردو میں ایک پھول آپ اپنی کاوشوں سے کھلانے والے ہیں۔ اللہ مبارک کرے۔ میری دلی دعا ہے کہ تکلم اُردو دنیا میں ایک معیاری ادبی رسالے کے طور پر عہدِ حاضر میں نمایاں آواز بن کر ابھرے۔ ہر نیا رسالہ ہندوستان میں اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اُردو ابھی زندہ ہے۔ تکلم بھی یہی اشارہ دے رہا ہے۔ اللہ اس کی عمر دراز کرے۔

شعورؔ آشنا .... برہان پور

ماہنامہ تکلم کا مشترکہ شمارہ ۱-۲ دستیاب ہوا۔ شکریہ۔ رسالے کا سرورق بے انتہا متاثر کن ہے۔ کتابت و طباعت بھی جاذبیت لیے ہوئے ہے۔ نیز تمام شعری و نثری مضامین بھی لائقِ تحسین ہیں۔ اتنے پر آشوب دور میں اُردو رسالے کی اشاعت قابل مبارکباد ہے۔ خاندانِ تکلم کو اور خاص طور پر رازیؔ صاحب کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

ایوّب جوہرؔ .... بنگلہ دیش

ماہنامہ تکلم کے اجرا پر دلی مبارکباد قبول فرمائیں اللہ کرے تکلم کو آنے والے دنوں میں

محمد شفیع - ایولہ

ایولہ کے شعراء اور ادبی ماحول تاریخی پس منظر

ایولہ

ایولہ، ضلع ناسک (مہاراشٹر) کا ایک شہر ہے جہاں کی آبادی تقریباً بیس پچیس ہزار ہے ایک تہائی باشندوں کی مادری زبان اُردو ہے یہاں کی روزمرہ بات چیت اور تحریر وتقریر دکنی اُردو کے استعاروں، تشبیہوں اور تلمیحوں کی آمیزش کا رنگ جھلکتا ہے۔ یہ وہ سرزمین ہے جس نے تاتیا ٹوپے جیسے سورما (۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں رانی لکشمی بائی جھانسی کے سیناپتی) اور مولوی محمد امین صاحب مرحوم (بانی مدرسہ امینیہ، دہلی) جیسی وطن پرست ہستیوں کو جنم دیا۔ اس کی خاک میں ایسے بھی فنکار موجود ہیں جن کے ہاتھوں نے ہندوستان کو کبھی بے مثال ابریشم، اطلس اور کمخواب دیے۔ اس شہر کے پردۂ تاریخ میں صنعت کاری کا ایک زرین باب پوشیدہ ہے اور یہ شہر چھترپتی شیواجی کی سلطنت میں شامل رہا ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور طوائف الملوکی کے بعد یہاں کی آبادی میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا کیونکہ یوپی اور سی پی کے خانماں برباد اس کے قرب و جوار میں بستے گئے۔ کچھ قابلے ملتان (دکن) اور اُس طرف کے دوسرے علاقوں سے یہاں پہنچے۔ رفتہ رفتہ ان کے میل جول سے اس خطہ کی اپنی ایک زبان ظہور پذیر ہوتی گئی۔ جس میں دکنی اُردو اور مراٹھی کے الفاظ گھل مل گئے۔ اگر ہم یہاں کی تعلیمی، تربیتی اور سماجی زندگی کے پس منظر کو دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ۱۹۳۰ء کے لگ بھگ یہاں ایک یتیم خانہ بنام عثمانیہ آرفینج جناب محمد علی خان صاحب اور سیٹھ رحمت اللہ صاحب غازی اور عبدالکریم عالم نے عوام کی مدد اعانت سے قائم کیا تھا یہ ادارہ پبلک ٹرسٹ ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہے۔ اس کی ایک منزلہ عمارت اور کئی ایکڑ زمین ہے۔ ۱۹۳۲ء میں جناب اکبر صاحب سول جج نے ایک اُردو لائبریری قائم کی جو آج بھی موجود ہے۔ جناب نعیم اللہ

بھرپور کامیابی و کامرانی نصیب ہو۔ آمین

الحاج لطیفی اقبال احمد .... پونہ

مارچ اپریل کا تکلم ملا شکریہ۔

تکلم کی خوبصورتی اور خوشنما طباعت دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ خصوصاً مہاراشٹر میں اُردو زبان سے شغف رکھنے والوں کے لیے یہ ایک نایاب اور نادر تحفہ ہے۔ اس عمر میں تکلم کا اجراء آپ کے لیے ایک بہت بڑا کارنامہ ہے جس کی قدر لوگ ہمیشہ کرتے رہیں گے میں اللہ تعالیٰ سے تکلم کی ترقی اور کامیابی کے لیے دعا کرتا رہوں گا تاکہ لوگ اس سے فیض حاصل کرے۔

علیم اللہ محوی .... ایولہ، ناسک

تکلم کا شمارہ ۱-۲ موصول ہوا۔ آپ کی پہلی کاوش بہت خوب ہے۔ اللہ نظر بد سے بچائے اور دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔

قیوم صادق .... گلبرگہ

تکلم ملا۔ شکریہ! پونے سے آپ نے کامیاب کوشش کی ہے۔ میری جانب سے امانت صاحب کو سلام کہیے۔

محمد علی گارڈ .... شولاپور

احساس عمل کی چنگاری جس دل میں فروزاں ہوتی ہے
اس لب کا تبسم ہیرا ہے اس آنکھ کا آنسو موتی ہے

(شاعر حیات ادیب مالیگانوی)

رازی بابائے محترم ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

ابھی ابھی ماہنامہ تکلم پونہ کا خصوصی ضمیمہ رمضان دستیاب ہوا۔ بڑی دلچسپی و توجہ سے پڑھا۔ بے حد خوشی ہوئی۔ اس کی کن کن خصوصیات کی تعریف کروں؟ کتابت، مشمولات، گیٹ اپ!

مدیر اعلیٰ۔ مدیر کے اسمائے گرامی پر جب نظر پڑی تو دل نے کہا کہ واقعی یہ انہی کا حق ہے۔ اس ذوق و مذاق کے لوگ نچلے نہیں بیٹھا کرتے اور نہ ان کے لیے جائز ہے۔ آپ نے ایسے ماحول میں اس قسم کے رسالے کے اجراء کا قدم اُٹھا کر گویا ایک قلندرانہ جرأت کا ثبوت دیا ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ یہ قدم نہایت قیمتی کام کی طرف اُٹھنے ولا قدم ہے۔ خدا کرے یہ رسالہ جلد از جلد پروان چڑھ کے دوسروں کے لیے ایک قابل تقلید مثال ہو سکے۔

سرفراز غنی

السلام علیکم!

بخدا بخیر! ماہنامہ تکلم کے ماہ مارچ ۱۹۹۶ء میں اجرا کی خوشخبری سے ادبی ذوق کی تسکین کے ساماں سے دل کو کسی قدر خوشی ہوئی۔ خدا آپ کو اس کوشش میں کامیابی عطا کرے۔

ملک مومنؔ .... بھیونڈی

مکرمی رازؔی صاحب! السلام علیکم

ماہنامہ 'تکلم' پونہ کا خصوصی ضمیمہ ملا۔ خطاطی کے خوبصورت اور نایاب نمونے دیکھ کر خوشی ہوئی۔ حمد اور نعتوں کا انتخاب بہت خوب ہے اخبار کی کتابت اور طباعت بہت ہی عمدہ ہے۔

کوثر منیرؔ .... ناندگاؤں

ماہنامہ 'تکلم' دستیاب ہوا۔ یقین کیجیے پرچہ دیکھ کر مجھے بے حد خوشی ہوئی آپ کے اس جذبہ

اور لگن کو سلام کرتی ہوں کیونکہ آج کے اس اُردو کش دور میں کسی اُردو اخبار یا رسالہ کا نکالنا بہت بڑا کارنامہ ہے جب کبھی مورخ پونہ کی اُردو کی تاریخ لکھے گا اس میں آپ کا نام سرفہرست ہوگا۔

اکبر شاہینؔ .... جلگاؤں

ماہنامہ 'تکلم' کی اجراء کی خبر پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ پونہ ہمیشہ سے ہی علم و ادب کا مرکز رہا ہے۔ اور خاص طور پر اُردو زبان و ادب کی خدمت کرنے والے ہر دور میں یہاں پیدا ہوتے رہے ہیں۔

ڈاکٹر حکیم حافظ ایس حبیب الرحمٰن .... کانپور

ماہنامہ 'تکلم' کے خصوصی ضمیمے ملے۔ شکریہ اتنا معیاری اور دیدہ زیب جریدہ نکالنے پر میری اور احباب کی جانب سے مبارکباد قبول فرمائیں۔

ساجدؔ حمید .... شیموگہ

رازیؔ صاحب! آداب!

یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ 'تکلم' کتابی صورت میں شائع ہونے والا ہے۔ متینؔ انصاری صاحب نے اس کے دو ضمیمے ارسال فرمائے تھے۔ اللہ کرے کہ آپ خوب ہوں۔

محمد مصباح اللہ .... مدراس

رازؔی صاحب

آپ کا ارسال کردہ ماہنامہ 'تکلم' کا خصوصی ضمیمہ ملا۔ اس نوازش کے لیے بے حد ممنون ہوں۔ تمام مشمولات دلچسپ اور لائق مطالعہ ہیں اور موقع کی مناسبت سے تمام موضوعات کا مطالعہ وظیفہ کا درجہ رکھتا ہے۔ جگرؔ مراد آبادی کی فارسی نعت کے تراجم غیر معمولی شعری شان کے حامل ہیں۔ جناب تشنہؔ اور ڈاکٹر امانتؔ صاحب کی یہ شعری کاوش ادبی حلقوں میں وقعت کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔ میری نیک خواہشات آپ کے ساتھ ہیں۔

محمد اطہرؔ مسعود خان .... رام پور

مکری، آداب!

ماہنامہ 'تکلم' کا خصوصی ضمیمہ متینؔ انصاری صاحب کی معرفت موصول ہوا۔ اس خصوصی ضمیمہ میں جگرؔ مراد آبادی کی نعت اُردو کے قالب مین واقعی بہترین چیز ہے اور اس قابل ہے کہ اسے ریکارڈ میں رکھا جائے۔

رئیس الدین رئیسؔ .... علی گڑھ

مزاج گرامی!

ماہنامہ 'تکلم' کا ٹرائل شو عید نمبر خصوصی نمبر ۳ موصول ہوا جو عید کی تہنیت بھی ہے، ممنون ہوں۔ 'تکلم' بلاشبہ ایک اعلیٰ معیاری رسالہ ثابت ہوگا اس کا یقین ہے کہ آپ کا اسم گرامی ہی اس کی ضمانت کے لیے کافی ہے۔

جلیل سازؔ .... ناگپور

رازؔی صاحب ! السلام علیکم !

حسین و دیدہ زیب عید کا تحفہ 'تکلم' کی صورت میں فردوس نظر ہوا جی خوش ہوا۔ اور مسیحا کے ہاتھ میں جس کی نبض ہو اس کی صحت مندی مسلم ہے۔ دعا دینے والوں میں مجھے بھی شامل کرلیں۔

دوستوں کی خدمت میں ہدیۂ سلام مسنون۔

منظوم تاثر

محبوب نظر گیا (بہار)

حضرت حکیم رازی ادیبی

حکیم رازی ادیبی بصد خلوص سلام — ملا ہے ڈاک سے آج آپ کا مجھے پیغام

اور اس کے ساتھ تکلم کا ایک شمارہ بھی — زبان شعر و ادب کا ہے جو منارہ بھی

ہوئی ہے جلوہ فگن دل میں خدمتِ اُردو — جنونِ شوق کے تیکھے ہیں کس قدر ابرو

نظر نواز ہیں ٹائٹل، ورق سہانے ہیں — ہیں خوب نظم و غزل، خوب تر فسانے بھی

ہے آج حالتِ اُردو بقیدِ دار ورسن — خزاں رسیدہ ہوا جاتا ہے مہکتا چمن

اسیر رنج و محن ہوگیا ہے اس کا شباب — بہار آئی مگر مسکرا سکا نہ گلاب

بدیسی کہنے لگے آج اس کو اہلِ چمن — جہاں یہ پھولی پھلی اب نہیں ہے اس کا وطن

مگر نکالا یہاں آپ نے جو یہ پرچہ — اُمید ہے کہ اُردو کا ہوگا ہر جگہ چرچا

بڑا وقیع رسالہ ہے خوبصورت ہے — نمایاں ایک اک جملہ سے اس کی عظمت ہے

یہی تو اُردو اشاعت کا ایک ذریعہ ہے — دل حزیں بھی ہو رقصندہ ایسا نغمہ ہے

دعا ہے پھولے پھلے آپ کا تکلم اور
لبِ ادب پہ مچلتا رہے تبسم اور

پندرہ روزہ اسپورٹس اور فلم، کلکتہ، جولائی ۱۹۹۷ء

نام رسالہ: تکلم، سالِ اولیں نمبر

مدیر: حکیم رازؔی ادیبی۔ قیمت ۳۰ روپے، تبصرہ نگار: فراؔغ روہوی

پتہ: ۲/۵۷، ساچاپیر اسٹریٹ، پونے ۴۱۱۰۰۱

۱۶۴ صفحات پر مشتمل ماہنامہ تکلم کا تازہ شمارہ سالِ اولیں نمبر کی شکل میں بڑی آب وتاب کے ساتھ سامنے آیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کی حکیم رازؔی ادیبی نے اس خصوصی شمارے کو خوب سے خوب تر بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ مدیر محترم کا تعلق حکمت سے ہے اور ایک اچھے شاعر بھی ہیں۔ موصوف کی مدیرانہ صلاحیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی ادارت میں پابندی سے شائع ہونے والا یہ رسالہ اُردو کشی کے اس دور میں اپنی پہلی سالگرہ منارہا ہے جو واقعی قابلِ داد ہے۔

زیر نظر شمارے میں نہ صرف ہندوستان کے معروف قلمکاروں کو یکجا کیا گیا ہے بلکہ غیرممالک کے فنکاروں کے فن پارے بھی شامل اشاعت ہیں۔ لکھنے والوں میں نئے لوگ بھی ہیں اور پرانے لوگ بھی اور وہ لوگ بھی جو ہمارے درمیان نہیں رہے۔

سب سے اچھی بات تو یہ ہے کہ اس رسالے میں جہاں عصری ادب کا گرم جوشی سے خیر مقدم کیا گیا ہے وہیں کلاسیکی ادب کا بھی شاندار استقبال کیا گیا ہے۔ جو ہر مکتبِ فکر کے قاری کے لیے بے حد ضروری ہے زیر تبصرہ شمارے میں جن اصنافِ سخن کا احاطہ کیا گیا ہے اس کی فہرست درجِ ذیل ہیں۔

دو حمد۔ دو عدد دعا۔ نعت شریف چھ۔ قطعۂ تاریخ دو۔ قطعات تین۔ رباعیات تیرا۔ غزلیات (۱۰۹) منظومات (۵) عصری منظومات (۱۰) ہائیکو (۸) ماہیے (۶) افسانے (۵) مقالات ومضامین (۸) قیمت مناسب، طباعت عمدہ، گیٹ اپ ٹھیک ہے۔

خمارؔ املنیری (بھیونڈی)

حکیم رازؔی ادیبی کا ادبی کارنامہ
مہانامہ 'تکلم' اور سالِ اولیں نمبر

یہ واقعہ ہے کہ دنیا میں قلم کاروں یا فن کاروں کی اکثریت، مفلسی اور تنگ دستی کا شکار رہی ہے اور کیوں نہ رہی کہ ان کی تمام تر توجہ فن کو سنوار نے اور نکھارنے پر مرکوز ہوتی ہے۔ ان کے برعکس قلم کاروں کی قلم کاری کے طفیل، اہل دنیا کی اکثریت مستفید و مستفیض ہوتی رہی ہے۔ آج بھی ہورہی ہے اور رہتی دنیا تک ہوتی رہے گی۔ اس تلخ حقیقت کے باوجود کہ قلم کار یا فنکار بظاہر مفلس و تنگ دست ہوا کرتا ہے یہ بھی حقیقت ہے کہ باطنی طور پر کوئی تخلیق یا فن پارہ پیش کرکے خوشی اور راحت اسے حاصل ہوتی ہے وہ کسی لکھ پتی یا کروڑ پتی کسی ہزاروں روپے یومیہ کمانے والے کو نصیب نہیں ہوتی۔

ریاست مہاراشٹر کے معروف شہر 'پونہ' میں مقیم حکیم رازؔی ادیبی صاحب بہ حیثیت مالک، طابع ناشر اور مدیر ایک سال سے اُردو زبان میں شائع ہونے والا ماہنامہ 'تکلم' جاری کیے ہوئے ہیں۔ حکیم رازؔی مالدار یا سرمایہ دار آدمی ہیں۔ ہمیں علم نہیں ہے لیکن یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ وہ مالدار یا سرمایہ دار نہیں ہوسکتے اگر ہوتے تو ایک رسالے کی اشاعت اور ترسیل پر روپے صَرف کرنے کی بجائے سو روپے پر سو نہیں تو پچاس اور پچاس نہیں تو پچیس روپے کمانے کی کوشش ضرور کرتے۔ درحقیقت اخبار یا رسالہ وہ بھی اُردو زبان دہی شخصی جاری کرسکتا ہے جو مال کے ساتھ زندگی تک برباد کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے۔ اس اعتبار سے حکیم رازؔی ادیبی قابلِ ذکر ہیں جو مال سے

مال کمانے کی بجائے اُردو زبان و ادب کی چاہت و خدمت میں حتی المقدور قربانیاں پیش کر رہے ہیں۔

فی الوقت ماہنامہ 'تکلم' کا سالِ اولیں نمبر پیش نظر ہے۔ جس میں پہلا حصہ منظوم ہے جو حمد و نعت پر مشتمل ہے۔ دوسرے حصے میں مقالات و مضامین ہیں۔ جس میں 'معاصرانہ چشمک' ڈاکٹر امانت اُردو سفرناموں کا تنقیدی جائزہ، زمرد کا گلوبند، غالبؔ کے چار شعر، اُردو اور سیاسی تفرقہ پروازیاں، نیز 'داستانِ الف لیلیٰ' ایسے مضامین ہیں جن کے لکھنے والوں نے خلوص دل سے محنت کی ہے اور اپنے علم کے مطابق قارئین کی معلومات میں اضافہ کیا ہے۔

منظوم تخلیقات میں سو سے زائد نظمیں اور غزلیں ہیں جن میں مرحوم شعراء کی غزلیں یہ احساس دلاتی ہیں کہ جو آج حیات ہیں کل انھیں بھی مرحومین میں شمار ہونا ہے۔

کسی بھی کتاب یا رسالے سے متعلق حقِ تبصرہ ادا نہیں ہوتا اگر اس میں پیدا شدہ عیوب یا غلطیوں کی نشاندہی نہ کی جائے۔ عین سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کلام الہیٰ کے علاوہ کوئی کلام ایسا بھی ہے جو بے عیب ہے؟ اگر نہیں تو ذاتی طور پر ہر فنکار کو اپنی فنی خامیوں کا اعتراف کر لینا چاہیے کہ اس کی تخلیق، نثری ہو یا منظوم عیب سے خالی نہیں۔

حکیم رازؔی ادیبؔی زندگی کے اس آخری حصے میں سفر کر رہے ہیں جس میں عام لوگوں کی اکثریت بے غرض و بے نیاز ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لیتے ہیں۔ ان کے برعکس حکیم رازؔی ادیبؔی ایسے دھن کے پکے اور پختہ اُردو کے فنکار ہیں۔ جو خلقِ خدا کے لیے جینا چاہتے ہیں اور زندگی کی آخری سانس تک خلقِ خدا کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ اس خدمت کے لیے انہوں نے شعر و ادب کو ذریعہ بنایا ہے۔ شعر و ادب کی اہمیت و افادیت کچھ وہی لوگ سمجھتے ہیں جن کی روحیں بادۂ ادب سے سیراب و سرشار ہو چکی ہیں۔ جن کے ذہن و دل، شاعر کے شعر اور نثار کی نثر سے متاثر ہو چکے ہیں اور جنھوں نے شعر و ادب کے توسط سے نہ صرف دنیا کو بلکہ آخرت کو بھی سنوار لیا ہے۔ جناب حکیم رازؔی ادیبؔی لائقِ مبارک باد ہیں۔ جنھوں نے اُردو زبان و ادب پر زندگی نثار کر کے دائمی زندگی پالی ہے۔

قتیلؔ راجستھانی

مدیر ماہنامہ 'تکلم' پونہ محترم حکیم رازؔی ادیبی کو مبارکباد

اُردو زبان کے ادبی رسالے ان دنوں بہت کم شائع ہو رہے ہیں اس کی بنیادی وجہ نسلِ نو کی زبان سے ناواقفیت ہے۔ ایسے ابتر حالات میں جو حضرات ہمت کر کے رسالہ شائع کرتے ہیں وہ قابل مبارکباد ہیں اُردو زبان کی بدقسمتی یہ ہے کہ بولنے والے زیادہ ہیں اور پڑھنے والے کم۔ جو حضرات پڑھتے ہیں وہ بھی خرید کر نہیں مانگ کر پڑھتے ہیں۔ یہ بات باعثِ شرم نہیں تو کیا ہے کہ ایک اخبار دس گھروں میں پڑھا جاتا ہے ایسی صورت میں اخبارات اور رسائل کی اشاعت کیسے بڑھے گی میری دعا ہے کہ اللہ اُردو کے قارئین کو رسالے خرید کر پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

یہ جان کر بے حد مسرت ہوئی کہ حکیم رازؔی ادیبی صاحب کی ادارت میں شہر پونہ سے بیادگارِ شاعرِ حیات حضرت ادیبؔ مالیگانوی ماہنامہ 'تکلم' شائع ہو رہا ہے جس کے لیے حکیم رازؔی ادیبی قابلِ مبارک باد ہیں۔ میں نے 'تکلم' کا بغور مطالعہ کیا۔ اس میں شعری حصہ ضرورت سے زیادہ اور نثری حصہ ضرورت سے کم ہے۔ بہ نسبت شعری تخلیقات کے نثری تخلیقات بے حد عمدہ ہیں خصوصاً سر سید کی پرورش اور منشی نولکشور کی خدمات دونوں مضامین مختصر ہونے کے باوجود معلوماتی ہیں۔

شعری انتخاب پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔ انسانی فطرت ہے کہ کثرت سے اکتاہٹ ہوتی ہے۔ 'تکلم' میں جو اشتہارات شائع ہوئے ہیں انہیں دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ ادبی رسالہ نہیں کسی تنظیم کا سونیر ہے انہی اشتہارات کو بہتر تقسیم کے ساتھ ساتھ شائع کیا جاتا تو یہ رسالہ اور بھی خوبصورت ہوتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اشتہارات سے ادارہ کو فائدہ ہوتا ہے۔ میں اشتہارات کی اشاعت کے خلاف نہیں ہوں لیکن بہتر انداز میں شائع کیے جانے کے حق میں ہوں۔

یہ شمارہ پہلا ہے۔ مجھے یقین ہے رفتہ رفتہ اپنا منفرد مقام بنالے گا۔ ان معمولی خامیوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو بحیثیت مجموعی یہ رسالہ بہترین ہے۔

غازی صاحب نے ۱۹۵۲ء میں اہالیان ایولہ، (مقیم بمبئی) کے تعاون سے انجمن اُمور تعلیم (برائے ایولہ) کی داغ بیل ڈالی تھی۔ یہ انجمن آج بھی باشندگانِ ایولہ کو تعلیمی ضروریات بہم پہنچا رہی ہے۔ ۱۹۶۴ء میں جناب اسحاق صاحب بلالی نے عوام کے سرفہ سے مدرسۂ نورانیہ کی بنیاد رکھی تھی۔ جس کی اپنی عمارت ہے۔ ۱۹۶۷ء میں جناب حاجی محمد شفیع صاحب غازی (خلف رحمت اللہ سیٹھ غازی)۔ سیٹھ یوسف صاحب طالبؔ اور عزیز الرحمٰن صاحب فاروقی نے انجمن فروغِ تعلیم کے تحت ایک اینگلو اردو ہائی اسکول کا اجراء کیا تھا جو ترقی کی منزلیں طے کر رہا ہے۔ یہاں اُنیس مسجدیں کئی مدرسے اور بزرگانِ دین کے مزارات ہیں۔

ایولہ کے شعراء اور اُن کی شاعری

ایولہ کے شعراء اور ان کی شاعری کے لیے تحقیقی معلومات بہم پہنچانے کے لیے میرے پاس ایسے ذرائع نہیں تھے جن سے استعفادہ کرتا۔ لہٰذا میں نے اپنی کتابِ زندگانی کی ورق گردانی کی۔ میری پیدائش ۱۹۳۲ء میں ہوئی۔ مجھے یاد ہے کہ بچپن میں شبِ معراج کے موقعوں پر، شادی بیاہ کے وقت، گیارہویں کی نیاز کے دنوں میں میلاد خواں خوش الحانی اور ترنم سے میلاد خوانی کیا کرتے تھے۔ پردیس پورہ، بھٹی، چاول گلی اور پنجار گلی وغیرہ کی جماعتیں مشہور تھیں۔ میرا مکان پردیس پورہ میں ہے۔ اس لیے یہاں کی جماعت کے متعلق مجھے بہت کچھ یاد ہے۔ اس جماعت کے خاص اراکین (جنھیں یہاں حادی کہتے ہیں) قبلہ نور سیٹھ، رمضان ماما سوداگر، حلیم چچا، رؤف سیٹھ اور مطلب صاحب طالبؔ تھے۔ ان جماعتوں کو جو بھی مدعو کرتا یہ جماعت بسروچشم حاضر ہوتی۔ ان جماعتوں کے پاس ہر موقعہ کے لیے مناسب کلام تھا جو حضرت مولوی نور اللہ صاحب نورؔ مرحوم کی فکری کاوشوں کا نتیجہ تھا۔ یہ جماعتیں ماہِ رمضان المبارک، عیدالفطر، عیدالضحیٰ اور محرم کے موقعوں پر شہر کا گشت کرتی۔ اس طرح ہر جماعت میلاد خوانی کیا کرتی تھیں۔ آج بھی ایولہ میں میلاد خواں جماعتیں ہیں۔

اس مضمون کا مسودہ لکھ لینے کے بعد جب میں نے احباب سے اپنی تحقیق اور تشنگی کا ذکر کیا تو محمد ہارون حاجی محمد اکبر صاحب نے مجھے ایک رسالہ 'حسنِ خیال' دکھایا جو بھوپال سے شائع ہوتا تھا۔ یہ ماہِ دسمبر ۱۹۲۶ء کا شمارہ ہے۔ اس میں مختلف شہروں، اورنگ آباد، سیہور، ایولہ اور بھوپال میں ہونے والے طرحی مشاعروں کا کلام شائع کیا گیا تھا۔ شاخ بزم شعراء ایولہ کے مندرجہ ذیل شعراء کا

قرطاس ناگپور

نام کتاب: ماہنامہ 'تکلم' سالِ اولیں نمبر

شمارہ نمبر: ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴

مدیر: حکیم رازؔی، زرسالانہ: ۵۰ روپے

مراسلت وترسیل زر کا پتہ: مدیر ماہنامہ تکلم، ۵۷۲ رازی دواخانہ، ساچا پیر اسٹریٹ، پونہ ۱

مبصر: ریحانہ امین

ناگپور مہاراشٹر کی دوسری راجدھانی ہونے کے باوجود یہاں جس رفتار سے ترقی ہونی چاہیے تھی وہ نہیں ہو پائی۔ پونہ بمبئی سے قریب ہونے کی وجہ سے یہاں اتنی تیزی سے ترقی ہوگئی کہ اسے تعلیم کا گہوارہ کہا جاتا ہے۔

پونہ سے آج تین ماہنامے پابندی سے شائع ہو رہے ہیں جن میں تکلم کا اجراء ۹۶ء میں عمل میں آیا۔ اشاعت کا ایک سال مکمل ہونے پر انھوں نے تکلم کا سال اولیں نمبر شائع کیا ہے جو صوری ومعنوی اعتباز سے مستند نہ صحیح لیکن قابلِ قبول ہے حکیم رازؔی صاحب 'رسالہ کی اشاعت' ترتیب و تزئین کے لیے نئے نہیں ہیں انہیں ان معاملات میں خاصا تجربہ ہے اس لیے نہایت ہی اہتمام سے اس نمبر کو شائع کر کے اُردو ادب کی خدمت کا فریضہ انجام دیے ہیں۔

رسالہ جاری کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے لیکن اُسے جاری رکھنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ رسالہ کی اشاعت اتنے مراحل سے گذر کر پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہے یہ اُردو کا ہر قاری جانتا ہے لیکن پھر بھی دستِ تعاون بڑھانے کے لیے تیار نہیں۔

'تکلم' کا سالِ اولیں نمبر چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں حمد۔ نعت دعا اور مناجات شریک کی گئی ہیں۔ دوسرا باب مقالات ومضامین پر مشتمل ہے اس باب میں کل ۸ مضامین و مقالات شامل کیے گئے ہیں جس میں اُردو سفر ناموں کا تنقیدی جائز (ڈاکٹر عبدالمجید بیدار اورنگ آباد) داستان الف لیلیٰ (منظور الحسن منظورؔ پونہ) غالبؔ کے چار اشعار کی (ایس عبدلصمد مدراس) قارئین کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتے ہیں۔ اس باب میں منظور الحسن منظورؔ نے اپنے شفیق استاد و نیز اس رسالہ کے سرپرست ونگراں ڈاکٹر امانت شیخ پر سیر حاصل مضمون لکھ کر ان کے زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کر کے حق شاگرد ادا کیا ہے دیگر مضامین بھی لائق مطالعہ ہیں۔ تیسرا باب

افسانوں پر مشتمل ہے اس باب میں صرف افسانے ہی شریک کیے گئے ہیں سبھی افسانے موجودہ سماجی حالات کی عکاسی کرتے ہیں۔ حق گو (ڈاکٹر اودے سرن ارمان مراد آباد) سیراب کے پیچھے (عظیم) راہی اورنگ آباد) عصری تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ اس باب سے تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔

چوتھا باب نظموں پر قائم کیا گیا ہے نظموں کی تعداد کم ہے۔ لگتا ہے کہ اس باب پر توجہ نہیں دی گئی ہے۔

پانچواں باب غزلیات پر مشتمل ہے اس باب میں بے شمار غزلیں شریک اشاعت ہیں۔

معروف اور چند غیر معروف شعراء کرام کی تخلیقات شریک ہیں۔ معروف شعرائے کرام کی غزلیں اکثر رسائل میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن غیر معروف شعرائے کرام کی تخلیقات وہ رسائل جن کا ادبی رسائل میں اپنا ایک مقام ہے ان کی تخلیقات شائع کرنے سے پرہیز کرتے ہیں جو مناسب معلوم نہیں ہوتا ہے جب تک ہم غیر معروف شعرائے کرام کی غزلیں شریک نہیں کریں گے وہ معروف کیسے بن سکیں گے اس لیے ان کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے اور اس کام کو تکلم کے ذریعے اس کے مدیر اور سرپرستوں نے کی ہے۔

اس شمارہ کا چھٹا اور آخری باب ’کلام رفتگاں‘ کے نام سے قائم کیا گیا ہے جو سالِ اولیں نمبر میں خاصے کی چیز ہے اور ایک دستاویزی حیثیت رکھتا ہے۔ اس باب سے نئی نسل کے ادیب و شاعر ان شعرائے کرام سے واقفیت حاصل کریں گے اور ان کے کلام کی روشنی میں کچھ سیکھ سکیں گے۔

مجموعی طور پر سال اولیں کی ترتیب و تزئین پر کافی محنت کی گئی ہے عمدہ کتابت اور نفیس طباعت سے آراستہ کر کے قارئین کی خدمت میں نہایت ہی خلوص کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

اب قارئین کا کام ہے کہ اس ماہنامہ کے زیادہ سے زیادہ خریدار بنیں اور اپنے احباب کو بھی ترغیب دیں کہ وہ بھی تعاون کریں جس سے ان لوگوں کو کام کرنے کا حوصلہ ملے اور بہتر سے بہتر طور سے اس ماہنامہ کی ترتیب و تزہین کرتے رہیں۔

☆☆☆

ہارون بی اے، مدیر ہفت روزہ بیباک مالیگاؤں

ماہنامہ تکلم، پونہ

اراکین بزمِ ادیبؔ پونہ کی جرأت اور حوصلے کی داد دینا چاہیے کہ انہوں نے آج کے ادبی کساد بازاری کے دور میں بھی ایک ادبی اور تہذیبی رسالہ 'تکلم' کا اجراء کرنے جارہے ہیں۔ یوں تو حضرت ادیبؔ مالیگانوی کے شاگردوں کی تعداد ملک بھر میں پھیلی ہوئی ہے۔ لیکن باقاعدہ تنظیمی شکل پونہ میں ہے۔ جس کی سرکردگی حکیم رازؔی ادیبی فرمارہے ہیں۔

رسالہ 'تکلم' کی باقاعدہ اشاعت سے پہلے نمونے کے طور پر ایک سونیئریا (خصوصی ضمیمہ) ہمیں موصول ہوا جس پر مختصر تبصرہ پیش کرنا ہم اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔ ۲۳×۱۸ کے چار صفحات پر یہ خوبصورت اور دیدہ زیب سونیئر اپنے اندر طنوع اور خصوصی دلچپیوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ ہم یہ بھی اظہار کردیں کہ تکلم کے مدیر اعلیٰ حکیم رازؔی صاحب تو ہیں ہی لیکن سرپرست اور نگراں کی حیثیت سے مشہور ادیب اور شاعر ڈاکٹر امانتؔ شیخ (ایم اے پی ایچ ڈی) کا نام اس بات کی ضمانت دیگا کہ رسالہ کو معیار کا پابند بنانے اور اُس کو حسن بخشنے میں وہ ایک اہم رول ادا کرسکتے ہیں۔

چار صفحات کے مختصر سونیئر میں مولانا عامر عثمانی، رازؔی ادیبی اور یوسف ندیؔم صاحبان کی حمد، حضرت محمدؐ اور مارکس کے اوپر ایک فکر انگیز مضمون شامل ہیں۔ حضرت جگرؔ مرادآبادی کی فارسی نعت کو اُردو کے قالب میں بڑی خوب صورتی کے ساتھ ڈاکٹر امانتؔ نے ڈھالا ہے جو ادب میں ایک بیش بہا اضافہ ہے جو قارئین کو یقیناً پسند آئے گی۔

چونکہ سونیئر رمضان المبارک مہینے میں شائع ہوا ہے۔ اس میں ایک اہم اضافہ حضرت ادیبؔ مالیگاں کی مشہور نعت شریف کا ہے جس کا مقطع لازوال ہے۔

کیاؔ ہے دل کو روشن جلوۂ عشق محمدؐ نے
ادیب اس آئینہ پر غیر ممکن ہے غبار آئے

غرض آفسیٹ کی طباعت، دلکش کتابت اور ترتیب سے سوئیز کی خوبصورتی میں چار چاند لگ گئے ہیں۔ اُمید ہے کہ رسالہ تکلم جب باقاعدہ شائع ہوگا تو وہ اس طرح معیاری حسن کی دلالت کرے گا۔

ہم اس کے لیے حکیم رازؔی، داکٹر امانتؔ اور یوسف ندیم کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

☆☆☆

بابِ پنجم

مجلسِ فلاحِ ملّت

اور

ہفت روزہ

مِلّت ٹائمز

عظمتِ ہستی سے ہے حسنِ عمل کا واسطہ
لوگ رہتے ہیں پریشاں کیوں بڑے پن کے لیے

(حکیم رازیؔ)

۷۸۶

مجلسِ فلاحِ ملت پونا

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

شائع کردہ

شعبۂ نشر و اشاعت مجلسِ فلاحِ ملت ۲۷۱ گنیش پیٹھ پونا ۲

مجلسِ فلاحِ ملت کا قیام اور

ہفت روزہ ملت ٹائمز کا اجراء

مولانا اسحاق صاحب نے اپنے رفقاء کے ساتھ پونہ میں مجلس فلاحِ ملت قائم کی۔ یہ ایک سماجی ادارہ تھا جس کا مقصد نہ صرف جوانوں کی تنظیم تھا بلکہ ہر شعبۂ زندگی میں ان کی مستقل رہنمائی تھی۔ اس ادارے نے اپنا ذاتی اخبار 'ملت ٹائمز' بھی شروع کیا۔ مولانا اس کے مدیر تھے۔ اخبار کی اپنی آواز تھی۔ اس نے پونہ کے مسلم دشمن عناصر کو بھی جھنجھوڑا۔ مجلس فلاحِ ملت ۱۹۶۵ء میں شروع ہوئی تھی۔ ۱۹۶۹ء کے قریب قریب یہ تحریک ختم ہوکر رہ گئی۔ اخبار بند ہوگیا۔ اور وہ لیڈی حوا بائی اسکول میں عربی کے ٹیچر مقرر ہوگئے۔

''انجمن خیر الاسلام والوں کو پونہ مدعو کر کے پونہ میں ایک کالج کھولنے کی تحریک دینے مولانا اسحاق صاحب کے ہمراہ مجلسِ فلاحِ ملت کے سبھی رفقاء شریک تھے۔ اس سلسلے میں لگاتار کوششیں کی گئیں۔ آخر محمد علی مٹھا صاحب مرحوم (صدر انجمن خیر السلام) اس بات پر راضی ہوگئے کہ ایک بار پونہ آئیں گے اور حالات کا جائزہ لیں گے۔ چنانچہ ایک شام مٹھا صاحب، جناب محمد حنیف خان صاحب چارٹرڈ اکاؤنٹینٹ اور مفیدہ خاتون صاحبہ اور انجمن خیر الاسلام کا پورا وفد پونہ آیا۔ اُس وقت اینگلو اُردو ہائی اسکول کے اسمبلی ہال میں تعلیم کی اہمیت وضرورت پر مرحوم نے جو تقریر کی ہے اُس نے تمام عمائدین پونہ کو پونہ میں ایک کالج کھولنے پر آمادہ کر ہی دیا اور یہ لوگ فیصلہ کر کے اُٹھے کہ پونہ میں کالج کھولا جائے گا۔ وہی فیصلہ آج پونہ میں پونا کالج آف آرٹس، کامرس اینڈ سائنس' کی شکل میں عملی جامہ پہن چکا ہے جہاں ہزاروں طلبہ تعلیم پا رہے ہیں۔''

☆☆☆

ملت ٹائمز پونا

اُردو ہندی ہفت روزہ

مجلسِ فلاحِ ملت ایک وسیع اور ہمہ گیر نظریۂ حیات کی علمبردار تنظیم ہے جس کا ایک سرا دین حقیقی سے وابستہ ہے تو دوسری طرف وہ گردوپیش کے حالات و مسائل سے واقفیت اور زندگی کے گوناگوں مسائل کے مطالعہ میں ممتاز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے 'مجلسِ فلاحِ ملت' کو ایک سال کے قلیل عرصہ میں قوم کا اعتماد اور اپنے مقاصد و پروگرام میں جو ترقی عطا فرمائی ہے اس پر کارکنان مجلس کے قلوب جذبۂ تشکر سے معمور ہیں۔

مجلس نے اپنے پروگرام میں ایک اچھے معیاری نظریاتی اور مقصدی اخبار کی اشاعت کو شامل کیا تھا چنانچہ مجلس کے ہفت روزہ اخبار 'ملت ٹائمز' کا اجراء انشاء اللہ جون ۱۹۶۷ء سے ہو رہا ہے۔ جو ملک اور مہاراشٹر کی ضرورت کے پیش نظر بیک وقت اُردو اور آسان ہندی میں شائع ہوگا۔

ملت ٹائمز کی پالیسی کیا ہوگی؟ اس سوال کا جواب خود اس کے نام ہی سے ظاہر ہے۔ وہ یہ کہ ملّت کی دلنشین دعوت اپنوں ہی کو نہیں بلکہ غیروں کو بھی۔

ملت کے ان تمام احساسات اور مشکلات کی ترجمانی اور اس کے حل کی تدبیریں، ملت کی مبصرانہ رہنمائی اور دیگر حلقوں میں ملّت کے مسائل کی رسائی، مختصر یہ ملت ٹائمز مجلس فلاحِ ملت کا اخبار اور آپ سب کا ترجمان ہوگا۔

ملت ٹائمز جس سمت کی طرف ایک قدم ہے اس میں بڑے عزم و استقامت، توازن و اعتدال اور حکمت و بصیرت کی ضرورت ہوگی۔ ساتھ ہی ملت کے مخیّر حضرات کے مالی تعاون، اہل علم و فضل کی رہنمائی اور مشورے اور اہل قلوب کی دعاؤں کے ہم محتاج ہیں۔ اُمید ہے کہ یہی خواہان ملت اس سامان سفر کو فراہم کر کے ہمیں کامیابی کی منزل کی طرف عزم و حوصلے سے گامزن ہونے میں پورا ساتھ دیں گے۔

''ملت ٹائمز'' کے سالانہ خریدار بنیے

''ملت ٹائمز'' میں اشتہارات دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجیے۔

مجلسِ فلاحِ ملت

محترمی

گذارش ہے کہ مجلسِ فلاحِ مِلّت کی کاروائیوں کو از سرِنو زندہ کرنے کی غرض سے سابقہ اراکین مجلس کی ایک خصوصی میٹنگ بروز سنیچر مورخہ ۲۹ ستمبر ۷۹ء بوقت ساڑھے نو بجے شب بر مکان جناب حکیم رازؔی صاحب منعقد ہوگی۔

اس میں شرکت کی آپ سے پرزور استدعا ہے۔

الداعی

محمد ایوب خان

جنرل سیکریٹری

پتہ: حکیم رازؔی، ۱۴۹۵، بھیم پورہ، گلی نمبر ۱۲، پونہ ۱

ایجنڈا

(۱) مولانا محمد اسحاق ندوی کے انتقال پُرملال پر ایک تعزیتی ریزولیوشن

(۲) آئندہ کاروائی کے متعلق بحث

۱ حکیم رازی صاحب

۲ مولانا محمد اکرم قریشی صاحب

۳ محمد عثمان قطب الدین ہیرولی

۴ عبدالمنان راہؔی

۵ ایوب حسین

۶ خلیق الرحمٰن

۷ اسداللہ

۸ انیس چشتی صاحب

مجلسِ فلاحِ ملت

محترمی!

اللہ کے فضل و کرم سے مجلسِ فلاحِ مِلّت کا آغاز ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے کی دوسری خصوصی میٹنگ بروز سنیچر مورخہ ۱۳ اکتوبر ۹۷ء، ساڑھے نو بجے شب بر مکان جناب حکیم رازؔی صاحب منعقد ہوگی۔

اس خصوصی میٹنگ میں ممبران سے شرکت کی پُر زور استدعا ہے۔

الداعی
حکیم رازؔی
(خازن مجلس ہٰذا)

۱ جناب انیس چشتی صاحب
۲ جناب عبدالمنان راہؔی صاحب
۳ شیخ حسن اشرفی صاحب
۴ محمد ایوب خان صاحب
۵ رازؔی خلیق الرحمٰن صاحب
۶ منور پیر بھائی صاحب
۷ مولانا محمد اکرم صاحب قریشی صاحب
۸ محمد عثمان قطب الدین ہیرولی صاحب
۹ محمد نسیم لکھنوی صاحب
۱۰ نثار پٹیل صاحب
۱۱ شیخ محمد ہاشم اشرفی صاحب
۱۲ شفیق احمد شیخ (ایڈوکیٹ)
۱۳ معیز بھائی صاحب
۱۴ عبدالقادر ہاشمی صاحب
۱۵ رازؔی اسداللہ صاحب
۱۶ محمد سلیم گاما صاحب

کلام شائع کیا گیا۔ (۱) جناب مولوی نور اللہ صاحب نوؔر (۲) احمد اللہ صاحب شفقؔ (۳) جناب مولوی محمد اسحاق صاحب عاقلؔ (۴) جناب منشی محمد نوؔر صاحب منیؔر (۵) جناب عبدالرحمٰن صاحب مہماںؔ (۶) محبوبؔ ایولوی (۷) جناب عبداوہاب صاحب (۸) جناب محمد یوسف صاحب شارقؔ (۹) جناب بخش ریحاںؔ (۱۰) جناب نور محمد صاحب انوؔر"۔

مگر رسالہ 'حسنِ خیال' کے مطالعہ کے بعد بھی میری تشنگی باقی رہی اور میں تحقیقات کرتا رہا۔

میں نے ۱۹۷۲ء میں جناب قمؔر ایولوی (بی-اے) کا مجموعۂ کلام 'جلوۂ قمر' کا سرسری مطالعہ کیا۔ میں نے اب جو اس کے اوراق اُلٹے تو صفحہ ۷ پر خلیل املیزی کے تعارفی مضمون پر نظریں ٹھہر گئیں۔ موصوف ایولہ کے متعلق فرماتے ہیں "ایولہ ضلع ناسک کا ایسا مقام ہے جو ادبی مرکز سے دور افتادہ سہی مگر آج سے بیسوں سال پہلے اس کی ادبی و شعری برتری اور شہرت پورے مہاراشٹر میں مسلّم ہو چکی ہے۔ جن بزرگ استادوں نے اردو شاعری، زبان و ادب کی آبیاری کی ہے اُن میں حضرت قدیؔر ایولوی، حضرت نوؔر ایولوی، حضرت سلطاںؔ نقشبندی، جناب جمیؔل ایولوی، جناب شفقؔ ایولوی، جناب انوؔر نوحی، اور سفیؔر ایولوی کا نام پیش پیش ہے۔ ان بزرگ شعراء کے فیضانِ شعر و ادب ہی کا نتیجہ ہے کہ آج بھی پروفیسر دستگیر شہابؔ، پروفیسر امانت ارشدؔ ایولوی، خلیقؔ ایلوی، ضیا ایولوی، عابدؔ شہابی، رازیؔ ایولوی، اور قمؔر ایولوی ایولہ کی ادبی رنگا رنگی کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔"

اسی مجموعۂ کلام کے صفحہ ۱۲ پر حضرت جوہؔر چاندوڑی (جانشین حضرت علامہ محویؔ صدیقی لکھنوی) اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"دنیائے شعر و ادب میں حضرت قدیؔر ایولوی مرحوم کو کون نہیں جانتا۔ وہ جدید شاعری میں اکثر کہتے تھے اور ہر صنفِ شعری میں بھی طبع آزمائی فرماتے تھے۔ انہی کے حلقۂ تلامذہ میں شاعرِ حیات ادیبؔ مالیگانوی ہیں۔

حضرتِ ادیبؔ مالیگانوی کے تلامذہ ہندو پاک میں پائے جاتے ہیں۔ جب بھی کوئی مورخ شعراء دکن پر قلم اٹھائے گا تو شاعرِ حیات ادیبؔ مالیگانوی کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔

جب ۱۹۳۶ء میں میرا تبادلہ مدرسہ اُردو ایولہ میں ہوا تو میرے حلقۂ طلبہ میں زیڈ عابدؔ شہابی، رازیؔ ادیبی، خلیقؔ سیمابی، عبدالرحیم ارشدؔ اور عزیزی قمؔر ایولوی نہایت ذہین اور ہونہار طالب علم تھے۔ انھیں طالب علمی کے زمانے ہی سے شعر و شاعری کا فطری شوق و ذوق تھا۔"

مجلسِ فلاحِ ملت

سنیچر، ۱۳،۱۱ اکتوبر ۷۹ء

آج شب میں ۱۰ بجے اطلاع کے مطابق مجلس ہذا کے زیر اہتمام ایک خصوصی جلسہ ہوا۔ مکان جناب حکیم رازؔی صاحب جس کی روداد حسبِ ذیل ہے۔ ذیل میں دستخط کنندگان حاضر تھے۔

روداد: اراکین مجلس نے مندرجہ ذیل صاحبان کو بالاتفاق رائے مذکورہ عہدوں کے لیے انتخاب کیا۔

۱	صدر-	جناب محمد ایوب خان
۲	نائب صدر-	جناب مولانا محمد اکرم صاحب
۳	جنرل سکریٹری-	جناب انیس چشتی صاحب
۴	جوائنٹ سکریٹری-	جناب محمد عثمان قطب الدین ہیرولی
۵	جوائنٹ سکریٹری-	جناب عبدالمنان راہیؔ
۶	خازن-	جناب حکیم راہیؔ صاحب
۷	محتسب-	جناب منور پیر بھائی

اراکین

۱ جناب ایوب حسین صاحب
۲ جناب خلیق الرحمان رازؔی
۳ محمد حسن اشرفی
۴ عبدالمجید صاحب پانگل
۵ جناب ہارون رشید شیخ صاحب

دستخط

باب ِششم

چند کلماتِ دعا ، چند ستائش کے خطوط
آج کی ڈاک سے آئے جو تکلم کے لیے

شرف کمالی

حکیم رازؔی ادیبی کا شمار مہاراشٹر میں اردو کی ترویج و بقا کی خاطر کام کرنے والوں میں ہے۔ وہ حضرتِ ادیبؔ مالیگانوی کے شاگرد ہیں۔ اُن کا اپنا شستہ لب ولہجہ ہے جو ان کے کلام سے ظاہر ہے۔

عصر حاضر کی تلخیاں اُن کے کلام میں جگہ بہ جگہ نظر آتی ہیں وہ ایک مدت سے پونے میں قیام پذیر ہیں اور وہاں کی ادبی محفلوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔

انقلاب ۔ ۲۴ فروری ۱۹۸۱ء

۔ یوم منگل ۔

حکیم رازؔی ۔ ایک درد آشنا شاعر

مظہر امام

حکیم رازؔی ادیبی کو میں اُردو کے محسنوں میں شمار کرتا ہوں۔ اُردو زبان و ادب کے بے لوث خدمت گذاروں میں آج جن معدودے چند شخصیتوں کا نام محبت اور احترام کے ساتھ لیا جاسکتا ہے اُن میں بلاشبہ ایک نام حکیم رازؔی ادیبی کا ہے۔

حکیم رازؔی ادیبی ایک کہنہ مشق شاعر ہیں۔ انہیں خدا نے علم کی دولت بھی دی ہے اور ذہن رسا بھی ودیعت کیا ہے۔ لیکن فروغِ طبع خداداد کے باوجود انہوں نے کسبِ ریاض میں کوئی کمی نہیں کی۔ انہوں نے ادیبؔ مالیگانوی جیسے اُستادِ فن کے آگے زانوے ادب تہہ کیا اور اُن سے عروض و بلاغت کے نکات سیکھے۔

جناب رازؔی کو اپنے اُستاد سے جو والہانہ وابستگی اور شیفتگی ہے اس کا اظہار انہوں نے اپنے اکثر اشعار میں کیا ہے۔

حکیم رازؔی کی شاعری میں ایک حسّاس اور بیدار مغز شخصیت کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے۔ ان کا دل درد آشنا ہے اور اپنے گرد وپیش پھیلی ہوئی نا انصافی اور بے راہ روی کو دیکھ کر ان کے احساس کو جو کچوکے لگتے ہیں ان کا اظہار انہوں نے شاعرانہ دیانت داری سے کیا ہے۔ مسائل حیات پر ان کی گہری نظر ہے لیکن وہ محبت سے بھی نا آشنا نہیں ہے انہیں فن کی حرمت عزیز ہے اور ان کا شاعرانہ وقار انہیں تاجرانہ ذہنیت کی دہلیز پر جھکنے نہیں دیتا۔

حکیم رازؔی کے یہاں عمدہ اشعار کی کمی نہیں ۔ ان کے رنگِ سخن کا اندازہ لگانے کے لیے محض ایک غزل کی مثال کافی ہوگی۔

جادہ ، جادہ منزل ہم طوفاں ، طوفاں ساحل ہم
دُور کریں گے مِل جُل کر انسانوں کی مشکل ہم
وہ تو نشانِ منزل تھا جس کو سمجھے منزل ہم
اُس نے نظریں یوں ڈالیں کہتے رہ گئے دل ، دل ہم
کیسی تھکن ، کیا ناکامی رستہ ہم ہیں ، منزل ہم
کیسے ڈوبے اپنی ناؤ ہم ہی طوفاں ساحل ہم
رازؔی کیوں کر ہم کہہ دیں اپنے فن میں کامل ہم

(ڈائرکٹر، دُور درشن کیندر۔ سری نگر، دسمبر ۱۹۸۳ء)

مظہر امام

محترمی حکیم رازؔی صاحب !

سلام مسنون

تکلم کے دو شمارے اور نوازش نامہ ملا۔ یاد فرمائی کے لیے ممنون ہوں۔ تکلم کا اشتہار دیکھا تھا۔ لیکن رسالہ دیکھنے کا اتفاق پہلی بار ہوا۔ غالباً اسباق سے بے تعلقی کے بعد آپ نے اپنا رسالہ جاری فرمایا۔ رسالہ دیکھ کر یہ اندازہ ہوا کہ آپ نے ایک بڑا حلقہ بنا رکھا ہے۔ اور ملک کے تمام علاقوں کے ادیبوں اور شاعروں کو اپنی محفل میں شامل کرلیا ہے۔ پونہ میں شعر و ادب کی مشعل کو فروزاں رکھنا بڑی ہمت، لگن کا کام ہے اور اردو زبان و ادب سے آپ کی غیر معمولی شیفتگی کا ثبوت

ہے۔ خدا آپ کو تادیر صحت کے ساتھ سلامت رکھے۔ تا کہ آپ اسی طرح اُردو زبان و ادب کی خدمت انجام دیتے رہیں۔

میری تمام تر نیک خواہشات تکلّم کے ساتھ ہیں۔

پونہ کے ادبی ماحول کے بارے میں مضمون لکھنے کا ارادہ بہت دنوں سے ہے۔ مگر صحت عرصے سے خراب ہے اور اب آنکھیں بھی بہت متاثر ہوگئی ہیں۔ اگر حالات بہتر ہوئے اور اپنی خواہش کو عملی جامہ پہنا سکا تو آپ کی ادبی اور شعری خدمات کا بھی ذکر ہوگا۔ آپ کے بارے میں تکلّم سے اچھی خاصی معلومات حاصل ہوگئی ہیں۔ مجھے اس سلسلے میں ابھی مواد کی ضرورت نہیں ہے۔

اُمید ہے آپ مع متعلقین خیر و عافیت ہوں گے۔

پرسانِ حال اور خصوصاً ڈاکٹر امانتؔ اور ڈاکٹر عصمت جاویدؔ صاحب سے میرا سلام کہیں۔

176 - B. Pocket- I- Mayurvila- phase- I- Dehli.

(۱۱ اکتوبر ۱۹۹۷ء)

پروفیسر عنوان چشتی

'سرودِ بخش اللہ' اُردو کے بے لوث شاعر حکیم رازیؔ ادیبی کی نعتوں اور عقیدتوں پر مشتمل ایک ایسا مجموعہ اشعار ہے۔ جس کے باطن سے نور بیز کرنیں چھن چھن کر آرہی ہیں۔ نعتوں اور مذہبی شاعری کے لیے جس 'اخلاصِ عشق' اور علم دفن کی ضرورت ہے وہ شاعر کو میسر ہے۔ اس لیے ان اشعار کی کاٹ میں دو دھاری تلوار کی سی کیفیت ہے میں اس شعری مجموعے کا دل سے قدردان ہوں۔

(شعبہ اُردو، جامعہ ملیہ۔ نئی دہلی۔ ۱۷ دسمبر ۱۹۹۶ء)

امجد ایوب مرزا، چین

نان ننگ

آپ کا خط مع احباب کے کلام و تصاویر کے ملا تھا۔ فکرنو کی مصروفیات کی بنا پر جواب میں تاخیر ہوئی جس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ ہم نے اپنی جانب سے پوری کوشش کی ہے کہ سبھی کا کلام شامل اشاعت ہو۔ اسباق، آؤ بچو گیت سنائیں اور سنگ و آہن کا اشتہار نمایاں طور پر شائع کیا گیا ہے۔

رسالہ کی دو عدد کاپیاں چند روز قبل آپ کو بذریعہ ریل روانہ کردی ہیں۔ ایک کاپی آپ کو مئی کے شروع میں بذریعہ ہوائی ڈاک ارسال کی جائے گی۔ امید ہے اسباق میں موزوں تبصرہ شائع فرما کر حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔

میں نے آپ کو پہلے بھی خط لکھا تھا ایک سفر نامہ بھی ارسال کیا تھا۔ جس کی وصولی سے آپ نے اب تک مطلع نہیں کیا۔ اگر یہ سفر نامہ آپ نے اسباق میں شائع کیا تو براہ کرم ایک شمارہ ارسال فرما کر ممنون فرمائیں۔ اگر سفر نامہ شامل اشاعت نہیں ہو رہا تو براہ کرم سفر نامہ مجھے واپس بھیجوا دیں۔

Amjad Ayub Mirza, Guang Xi Medical College, NANNING,
P.R. China.

میرے ہونہار طلبہ

(قمرؔ ایولوی کے مجموعہ کلام 'جلوہ قمر' سے)

حضرت جوہرؔ چاندوڑی۔ مالیگاؤں (جانشین علامہ محویؔ صدیقی لکھنوی)

صنعتی دنیا میں ایولہ، ضلع ناسک، زرین ساڑی اور پگڑی کے لیے مشہور ہے۔ مگر انقلاب روزگار کے ہاتھوں یہ صنعت بھی دم توڑ رہی ہے اور اکثر و بیشتر کاریگر اپنے وطن کو خیر باد کر کے مالیگاؤں اور پونہ آباد ہو گئے۔

دنیائے شعر وادب میں حضرت قدیرؔ ایولوی کو کون نہیں جانتا وہ جدید شاعری میں اکثر شعر کہتے تھے اور ہر صنفِ شعری میں بھی طبع آزمائی فرماتے تھے۔ انہی کے حلقۂ تلامذہ میں شاعرِ حیات حضرتِ ادیبؔ مالیگانوی ہیں۔ آپ کے تلامذہ ہندوپاک میں پائے جاتے ہیں۔ جب بھی کوئی مورخ شعرائے دکن پر قلم اُٹھائے گا تو شاعرِ حیات حضرتِ ادیبؔ مالیگانوی کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔

جب ۱۹۳۶ء میں میرا تبادلہ اُردو اسکول ایولہ میں ہوا تو میرے حلقۂ طلبہ میں زیڈ عابدؔ شہابی، حکیم رازیؔ ادیبی، خلیق سیمابی، عبدالرحیم ارشدؔ (ایڈوکیٹ) اور عزیزی قمرؔ ایولوی نہایت ذکی اور ہونہار طالب علم تھے۔ انہیں طالب علمی کے زمانے ہی سے شعروشاعری کا فطری ذوق تھا اور اسی فطری ذوق کی بنا پر عزیزی قمرؔ ایولوی کا مجموعہ کلام 'جلوۂ قمر' منظر عام پر آ رہا ہے۔

اسی زمانے میں برادرِ معنوی مولوی احمد اللہ خاں شفقؔ القادری ایولوی مرحوم اور مولوی نور اللہ نورؔ ایولوی مرحوم سے ایولہ میں شعر وسخن کی گرم بازاری تھی۔ ان دونوں حضرات میں خوب نوک جھونک چلتی تھی۔ ان دونوں حضرات کے تلامذہ کی وجہ سے مشاعروں میں خوب دھوم رہتی تھی۔ مگر افسوس ہے کہ ان حضرات کی وفات کے بعد ان کے مِشن کو چلانے والا کوئی موجود نہیں۔

☆☆☆

رازؔی و نذیؔر

حضرت ناوکؔ حمزہ پوری

تغیرات کی ہے صبحُ و شام اک تفسیر
ہے لمحہ لمحہ زمانے کا انقلاب پذیر

ہے کارگاہِ زمانہ مریض خود غرضی
دکھائی دیتی ہے اخلاص کی کہاں تصویر

کسی کو غیر کے دکھ درد کا نہیں احساس
جو ہے اپنی ہی زنجیرِ فکر کا ہے اسیر

☆

ہے جائے شکر کہ اس عرصہ گاہِ عالم میں
ہیں چند لوگ ابھی ایثار پیشہ، پاک ضمیر

حکیم رازؔی ادیبی کی ذات با برکت
اور ان کے ساتھ جواں حوصلہ جنابِ نذیؔر

یہ لوگ آیتِ حسن وفا کی ہیں تفسیر
یہ لوگ خلق ومروت کی بولتی تصویر

یہ لوگ واقفِ اسرار خلوتِ احساں
یہ لوگ مہر و محبت کے خواب کی تعبیر

سخن شناس و سخن سنج و قدردانِ سخن
ہیں اس زمانے میں یہ لوگ آپ اپنی نظیر

یہ اہلِ علم بھی ہیں اور اہل دل بھی ہیں
نذیؔر و رازؔی ہیں مجموعۂ صفات کثیر

☆

دعا یہ کرتا ہے ناوکؔ فقیر ابن فقیر
دے ان کی عمر میں، اقبال میں، خدا برکت

حکیم رازؔی ادیبی ہوں ہمسرِ رازی
نذیؔر بھائی ہوں عالم میں بے عدیل و نظیر

مومنٹو

(۱) رسک متر منڈل، پونے -۳، مارچ ۱۹۹۶ء

(۲) پونہ کلچرل اکاڈمی - ۱۷ ستمبر، ۲۰۰۴ء

(۳) پونہ کلچرل اکاڈمی - ۲۰۰۵ء

(۴) دی مسلم ویلفیر ایجوکیشن سوسائٹی کیمپ پونہ کی جانب سے

5) Life Time Achivement Award - 2005, September 2005, For Best Performance in Education field.

(۵) غزل اکاڈمی - پونہ

(۶) سماج کلیان آفس سے توصیفی سند

(۷) دکن مسلم انسٹی ٹیوٹ پونہ کی جانب سے دو مرتبہ توصیفی سند

وہ جریدے جو حکیم رازؔی ادیبی کے کلام سے مزین ہوئے

نیا رجحان، ایولہ، حریم ناز، جموں، فکرنو، نانگ چین، فلم سنسار، بمبئی، ماہنامہ سمنانی، بمبئی، انقلاب، بمبئی، اردو ٹائمز، بمبئی، ماہنامہ صبح اُمید، بمبئی، اخبار عالم، بمبئی، امکان، بمبئی، ایجوکیشنل ٹائمز، ناگپور، قرطاس، ناگپور، گونج، نظام آباد، لب ولہجہ، ناگپور، سٹی زن ٹائمز، مالیگاؤں، بیباک، مالیگاؤں، خیر اندیش، مالیگاؤں، ثبات، مالیگاؤں، دھوپ چھاؤں، کامٹی ناگپور، رقیب، کامٹی، سازِ سرمدی، ڈیرہ دون، ماہنامہ آداب عرض، لاہور پاکستان، نئی نسلیں، دہلی، آج کل، دہلی، ندائے سنت، لکھنو، تعمیر حیات، لکھنو، ہمراز، گریڈیہہ، میرا بھارت ٹائمز، پونہ، ملت ٹائمز، پونہ، عندلیب، بمبئی، سب رنگ، بمبئی، اردو رپورٹر، بمبئی، نشتر، رامپور، ماہنامہ روشنی، میرٹھ، میرٹھ میلا، میرٹھ، کاتب، پونہ، اسباق، پونہ، تکلم، پونہ، العروس، مالیگاؤں، آوازِ وطن، بمبئی، الانصار، پونہ، بال وپر، کھام گاؤں، شاہین، جلگاؤں، بزمِ فکروفن، بمبئی، روحِ ادب، کلکتہ، آندھراپردیش، حیدرآباد، بانگِ درا، لکھنو۔

From: The Hindu magzine

At the parallel Sachapir Street, you can see the neighbourhood Imam speak a few ayaats in Arabic into a glass of water to heal small ailments; one is sandwiched between lamdmarks reflecting years of legacies. In one of which, Ansar Ali Shaikh snips hair. A 150 years old barbershop, started by his Ajooba (great - great - grandfather), it had been famously regarded as the Chidiyawala Baba ka Dukaan*. The founder kept and flew birds and won many bird -flying compititions that were common in those times. In another, a dawakhana opposite the barbershop, sits Hakim Raazi, attending to patients and mixing several homemade medicines into small glass bottles or pieces of paper with a smile. This 80 years old also writes satirical debates in urdu.

* Totaywale Hakeem

بابِ اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کام جب اس میں لہو آتا ہے فنکاروں کا
تب کہیں نور فشاں شمعِ ہنر ہوتی ہے

(رازؔی)

۱۹۴۳ء میں مجھے تحصیلِ علم کے لیے بمبئی جانا پڑا۔ کالج کی تعطیل کے دنوں میں ایولہ کے دورے ہوتے رہے۔ ان دنوں مولوی نور اللہ صاحب نوؔر ایولوی، مولوی احمد اللہ خاں شفیقؔ ایولوی، حضرت نوؔر نوحی ایولوی اور اسعدؔ سدیدی صاحب سے ایولہ میں شعر و سخن کی گرم بازاری تھی۔ ان حضرات میں نوک جھوک بھی خوب چلتی تھی۔ بزمِ نوؔر اور بزمِ ارتقائے سخن کا کافی چرچا تھا۔ اخبار و رسائل میں ایولہ کے شعراء کرام کا کلام نظر نواز ہوتا تھا۔

۱۹۶۹ء میں غالبؔ صدی کے جشن پر ''یومِ غالبؔ'' کی تقریب نہایت ہی تزک و احتشام سے منعقد کی گئی۔ جس کا مشاعرہ نہایت کامیاب رہا۔ اس جشن میں ایولہ کے شعراء حسب ذیل ہیں۔

جناب احمد اللہ دلخوشؔ، مولانا محمد دلکشؔ، سید سلیمان، پیرزادہ اقبالؔ، عبدالقیوم نادرؔ، عبدالسلام سلاؔم، احمد عبدالکریم کاملؔ، محمد شفیع سکھیؔ، عبدالشکور ہوشؔ، حاجی اسداللہ اسدؔ، حافظ نور محمد حافظؔ، محمد بشیر نیرؔ، شمس الدین ذاکرؔ، محمد منور منیرؔ، اسداللہ پرویزؔ اور ڈاکٹر زیڈ۔ یو۔ شیخ طوفاںؔ۔

بوہرہ شعراء حضرات کا ایولہ کی نشستوں میں سننے کا بھی اتفاق ہوا اور میں کافی محظوظ ہوا۔ مجھے یاد ہے کہ بوہرہ خواتین شعراء بھی محرم کی مجلسوں میں مرثیہ خوانی و نوحہ گری کرتی ہیں۔

'شان اسلام کلب' کی جانب سے علامہ سیمابؔ مرحوم کا مصرعہ

'قیامت صبح بن کر آگئی فریاد کیا کرتے'

طرحی مشاعرے کے لیے دیا گیا تھا جس میں پروفیسر امانتؔ صاحب بھی شریک تھے۔

'شان اسلام کلب' کچھ عرصہ بعد ختم ہوگیا۔ اس کے بعد 'بزمِ ارتقائے سخن' کی بنیاد رکھی گئی جس کے صدر جناب انوؔر نوحی تھے۔ یہ بزم بھی چند سال باقی رہی۔ اس کے بعد حضرت نوؔر ایولوی کے شاگردوں نے 'بزمِ نور' کا افتتاح کیا۔ یہ بزم بڑی سرگرمی سے کام کرتی رہی بعد میں اختلافات کی وجہ سے ایک دوسری بزم بنام 'بزمِ ادب' ہوئی لیکن یہ بھی ختم ہوگئی۔

(خلیق سیمابیؔ ایولوی کے مجموعۂ کلام 'زہر خند' (۱۹۷۴) سے ماخوذ)

حکیم رازی ادیبی کی خوشخطی کے چند نمونے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دواخانہ حکیم رازی

۵۷۲، ساچاپیر اسٹریٹ، پونہ ۱

عِزٌّ مَنْ قَنَعَ وَذُلٌّ مَنْ طَمَعَ

بقلم حکیم [illegible]

اللہ اکبر

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر

روزِ محشر عذر ہائے من پذیر

گر حسابم را تو بینی ناگزیر

از نگاہِ مصطفیٰ پنہاں بگیر

از

علامہ اقبال

بہمیر آزری اشرفی بونہ

کشادہ باد بدولت ہمیشہ ایں درگاہ

بحقِ اشہد اَن لا الٰہ الا اللہ

اللہ

اے خالقِ ہر بلندی و پستی

شش جہت نقطۂ بکن ز ہر مستی

علم و عمل و فراغ و عزّ و مستی

ایمان و امان و تندرستی

درخت سے نہیں کچھ کام جس کے پھول ہو تم
کمال اصل تو جب ہے کہ با اصول ہو تم

حکیم رازی

1-5-93

تالیف
شہرت الٰہ آبادی

شہرتؔ الٰہ آبادی کی تالیف 'خط شناسی' کا سرورق جس میں حکیم رازیؔ کا بطور خطاط ذکر ہے۔

حکیم رازؔی ادیبی کی دیگر مطبوعات

۱-	سنگ و آہن	شعری مجموعہ	۱۹۸۳ء
۲-	چراغ رہگذر	مرتب، نظمیں	۱۹۸۸ء
۳-	سرودِ بخش اللہ	منقبتوں کا مجموعہ	۱۹۹۰ء
۴-	رگِ سنگ	شعری مجموعہ	۱۹۹۱ء
۵-	نوائے امروز	ناوکؔ حمزہ پوری رباعیات (مرتب)	۱۹۹۶ء
۶-	کاروانِ سنگ	شعری مجموعہ	۱۹۹۹ء
۷-	ارمغانِ نعت	نعتیہ مجموعہ	۲۰۰۳ء
۸-	گلشنِ ادیبؔ (مرتب)	حضرت ادیبؔ مالیگانوی کے شاگردوں کا منظوم تعارف	۲۰۰۴ء
۹-	جہانِ سنگ	شعری مجموعہ	۲۰۰۴ء
۱۰-	رہنمائے بیت بازی	....	۲۰۰۴ء

باب ہفتم

ہم سے قلندروں کا نہ کچھ حال پوچھیے
تنہا بھی بیٹھتے ہیں تو محفل لیے ہوئے
(حکیم رازؔی)

قلب ہے ہندوستاں کا شہر یہ برہانپور
جس کے مالک میرے آقا اشرفی عبدالغفور
نور کی موجیں رواں ہیں ، نور کا عالم تمام
چشمِ دل سے دیکھیے انوارِ طیبہ کا ظہور
(حکیم رازؔی)

شہر ایولہ کی یادگار 'ہندوستانی مسجد'۔

آستانہ عالیہ پیرومرشد حضرت الحاج محمد عبدالغفور بخش اللہ شاہ اشرفی (سرکار برہانپوریؒ)۔

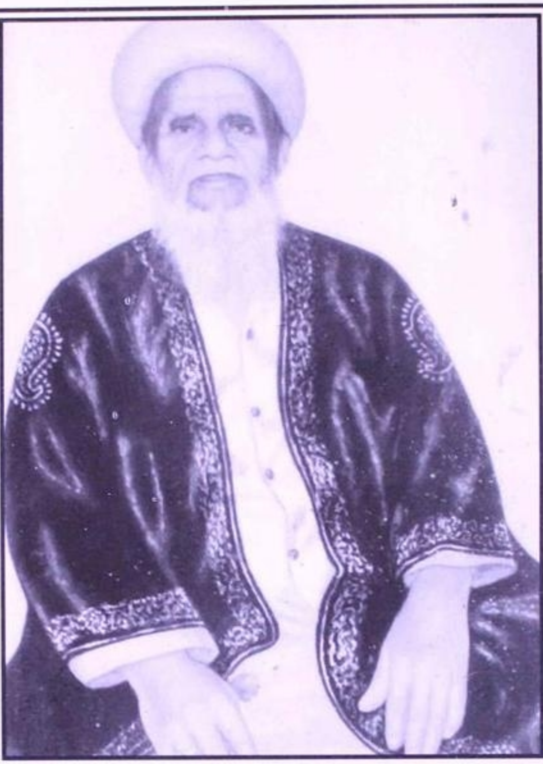

پیرومرشد محترم الحاج ابوالمقصود محمد عبدالغفور بخش اللہ شاہ اشرفی الجیلانی (سرکار برہانپورؒ)۔

پیرومرشد سرکار برہانپور سے خلافت ملنے کے بعد، اپنے پڑپوتے محمد عمر کے ہمراہ حکیم رازؔی ادیبی اشرفی۔

ایولہ کا ایک یادگار طرحی مشاعرہ

جناب رحمت اللہ غازی سیٹھ کی جانب سے ایک طرحی مصرعہ اس شرط کے ساتھ دیا گیا تھا کہ اس مصرعہ پر جس کی گرہ اچھی ہوگی اس کو پانچ روپیہ انعام دیا جائے گا۔ مصرعہ طرح۔

''حسرت کو یہ حسرت ہے، ارماں کو یہ ارماں ہے''

چھے اُستاد شعرا نے گرہ لگائی۔ اب فیصلہ کون کرے، اس کے لیے اتفاق رائے سے سب مصرعے حضرت نوؔح ناروی کو فیصلے کے لیے بھیج دیے گئے۔ آپ نے سب مصرعوں کو قلم زد کر کے اپنا مصرعہ لگا کر بھیج دیا وہ اس طرح تھا۔

میں دل سے چلی جاؤں میں دل سے نکل جاؤں
حسرت کو یہ حسرت ہے ارماں کو یہ ارماں ہے

لہٰذا رحمت اللہ سیٹھ غازی نے پانچ کی جگہ چھ روپے کر کے ایک ایک روپیہ چھ استاذوں کو بطور انعام دے دیا۔

حکیم رازؔی ادیبی کے استاذ محترم
حضرت ادیب مالیگانوی مرحوم۔

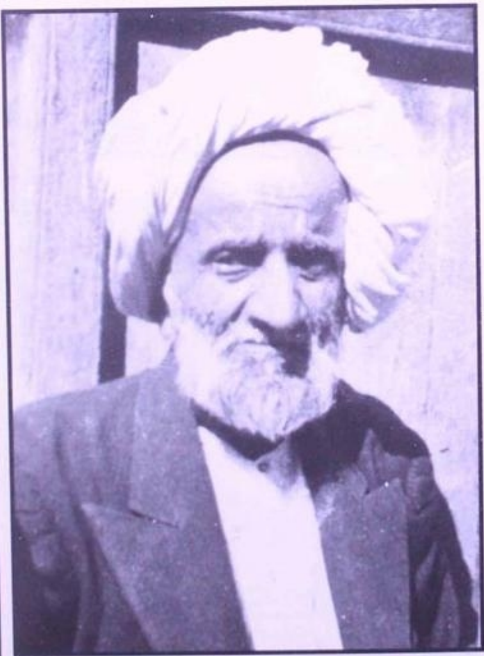

حکیم رازؔی ادیبی اشرفی کے والد محترم
جناب محمد سلیمان سردار صاحب مرحوم۔

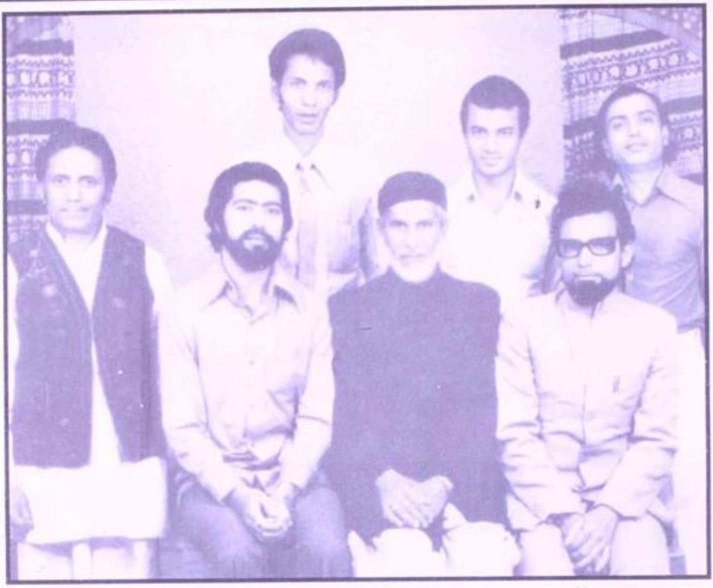

رسالہ 'اسباق' کے بنیاد گزاران: (ایستادہ دائیں سے) رشید اعجاز مرحوم، مشتاق مدنی، سیّد آصف اشرفی، (بیٹھے ہوئے) نذیر فتح پوری، حکیم رازؔی ادیبی، رمیش اڈوانی، دلدارؔ ہاشمی۔

ماہنامہ 'اسباق' کے ابتدائی ارکین: (بیٹھے ہوئے دائیں سے) زاہد کمال، عطار مہر، حکیم رازؔی، دلدارؔ ہاشمی، لطیف جوہر۔
(ایستادہ) عبدالماجد، نذیر فتح پوری، سیّد آصف، رشید اعجاز، عبدالکریم لہرؔی آزاد۔

امیر الشعراء حضرتِ نیر سلیمی صاحب کے ہمراہ (دائیں سے) جلیل الہ آبادی، حکیم رازؔی ادیبی، ظفر کلیم ناگپوری،

نشتر اکبر آبادی اور سیّد صاحب۔

۸/ستمبر ۱۹۸۹ء کو منعقدہ گنیش فیسٹیول کے آل انڈیا مشاعرہ میں حکیم رازؔی کلام سناتے ہوئے۔ کیفی اعظمی ہمہ تن گوش ہیں۔

نذیرؔ فتح پوری کے مجموعۂ کلام 'بچو! آؤ گیت سنائیں' کے رسم اجراء کے جلسہ میں علامہ کالی داس گپتا رضا جناب حکیم رازؔی

کا استقبال کرتے ہوئے۔

حکیم رازؔی اشرفی اپنے پیرومرشد اور پیر بھائیوں کے ہمراہ۔ پروفیسر دستگیر شہاب بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

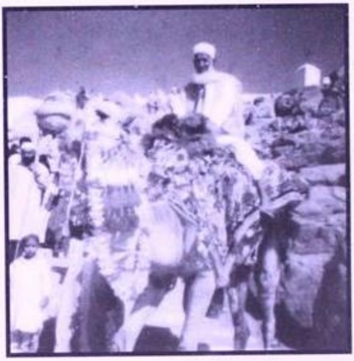

حکیم رازؔی ادیبی جبلِ رحمت پر۔

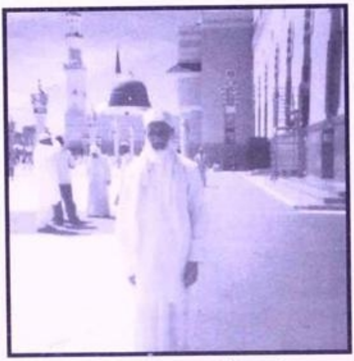

حکیم رازؔی ادیبی مدینہ منورہ میں۔

'اسباق' کا سالِ اوّلیں نمبر کا اجراء بدست سیّد صاحب بمبئی والے۔ ہمراہ حکیم رازؔی ادیبی۔

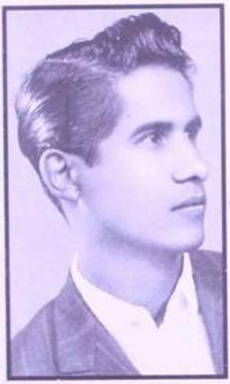

حسن سیرت اور
حسن صورت کا حسین سنگم
جناب حکیم رازی
مختلف ادوار میں۔

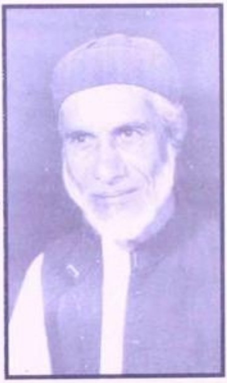
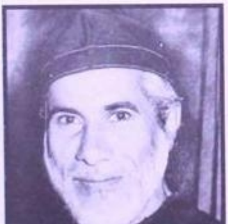
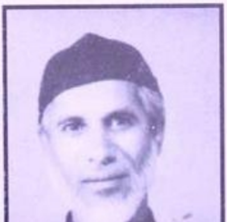

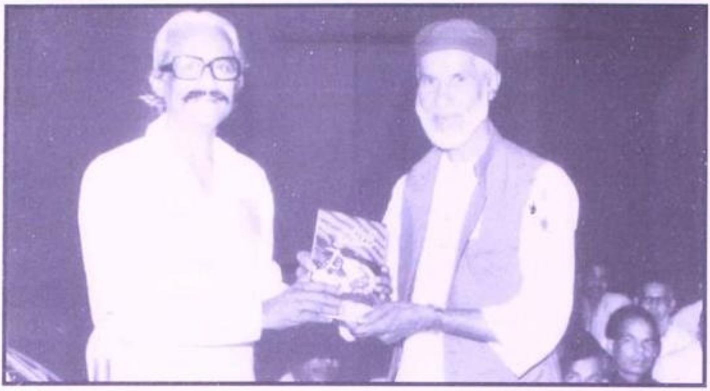

حکیم رازؔی ادیبی کا شعری مجموعہ 'سنگ و آہن' کا اجرا (۱۹۸۴ء)۔ بدست ریاض احمد خان ایڈیٹر قومی راج، ممبئی۔

'اسباق' کے ادیب اور ادیبی نمبر کا اجراء (۱۹۸۴ء) بدست ڈاکٹر عصمت جاوید مرحوم۔
جناب کالی داس گپتا رضا اور عبد السلام فردوسی مرحوم دیکھے جا سکتے ہیں۔

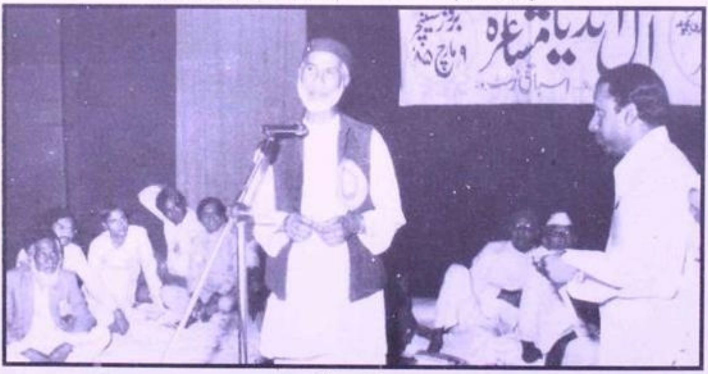

ماہنامہ 'اسباق' کے آل انڈیا مشاعرے میں حکیم رازؔی ادیبی غزل سناتے ہوئے۔ (۱۹۸۵ء)

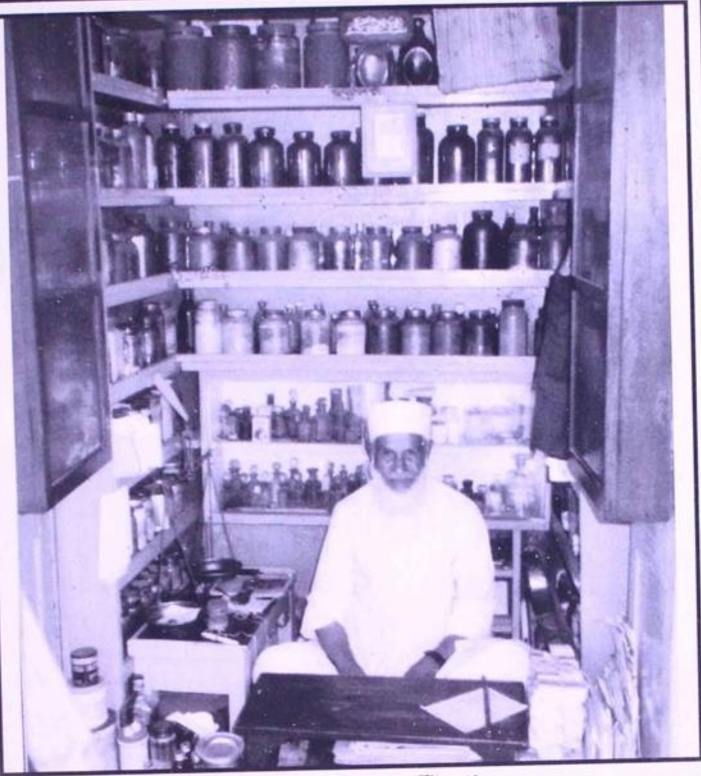

حکیم رازیؔ ادیبی اشرفی اپنے مطب میں۔

'بزمِ غالب ناگپور' کی جانب سے یومِ عمر فاروقؓ کے مشاعرے میں حکیم رازیؔ کلام سناتے ہوئے۔

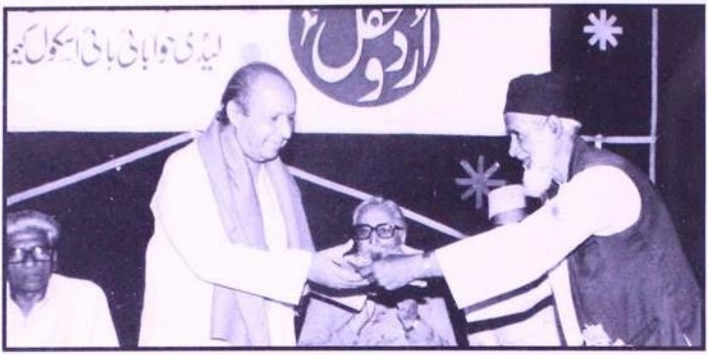

حکیم رازی ادیبی، قتیل شفائی کی خدمت میں گلہائے تہنیت پیش کرتے ہوئے۔ قتیل صاحب کے ہمراہ پاکستان سے آئے ہوئے مہمان شاعر شہزاد احمد بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

ایک یادگار تصویر: (بائیں سے) جلیل الہ آبادی، دلدار ہاشمی، حکیم رازی ادیبی، راجندر سنگھ بیدی، حضرت ادیب مالیگانوی (گل پوش)، نورانی سرمدی وغیرہ دیکھے جاسکتے ہیں۔

پمپری چنچوڑ میں منعقدہ ایک آل انڈیا مشاعرہ زیر صدارت حکیم رازی ادیبی۔

'اسباق' کے سال اولیں نمبر کے اجرا کے موقع پر جناب کالی داس گپتا رضا، حکیم رازی کو
گلہائے تہنیت پیش کرتے ہوئے۔

پونہ کے شاعر بھگوان داس کھلنانی ساقی کے شعری مجموعے 'دبی چنگاریاں' کے اجرا کے موقع پر حکیم رازی ادیبی،
انور سنکتانی، دلیپ کمار وغیرہ۔

'سنگ و آہن' کے اجرا کے موقع پر حکیم رازی ادیبی کو نذیر فتح پوری پھولوں کا ہار پیش کرتے ہوئے۔

نجے گوڈبولے کی کتاب مرزا غالب کے اشعار کا مراٹھی ترجمہ کا اجرا بدست مولانا حسن عباس فطرت۔
(بائیں سے) تسخیر فہمی، کالی داس گپتا رضا اور حکیم رازی ادیبی۔

حکیم رازی ادیبی کے نعتیہ مجموعے 'ارمغانِ نعت' کے اجراء کے موقع پر حکیم رازی اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے۔
شہ نشین پر (دائیں سے) منور پیر بھائی، امین حزیں، سریش چندر سورت والا اور صالح محمد خان۔

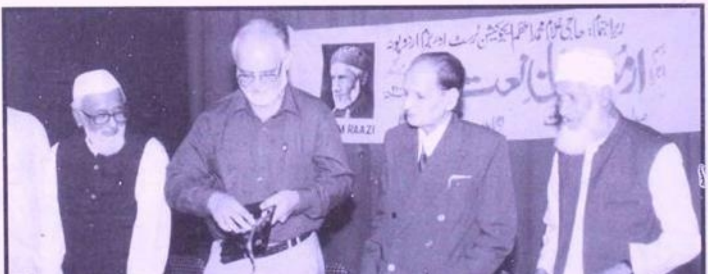

حکیم رازی کے نعتیہ مجموعے 'ارمغانِ نعت' کا اجرا کرتے ہوئے منور پیر بھائی۔ ہمراہ حکیم رازی، ڈاکٹر امانت شیخ،
امین حزیں وغیرہ دیکھے جاسکتے ہیں۔

تاریخ پونہ

پونا ایک بہت ہی قدیم علاقہ ہے۔ اس کو مورخین نے کبھی پیشواؤں کا ملک بتایا ہے تو کبھی شیواجی مہاراج کا کسی نے مغلوں سے منسوب کیا تو کسی نے علاؤالدین خلجی سے۔ لیکن بعد کی تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک ہزار سال پہلے ہی بسا ہوا شہر ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اب تک کے مورخین نے یہ زحمت ہی نہیں اُٹھائی کہ اس کی اصل حقیقت کو جان سکیں۔

پونا کے ''دکن کالج'' کے تحقیقی ادارے کا یہ ایک قیاسِ واثق ہے کہ پونہ میں ہزار سال پہلے بھی ایک بستی رہی ہوگی۔ اپنے اس قیاس میں ادارے کا یہ کہنا ہے کہ ''بنڈ گارڈن'' (جو موٹھا مولا ندیوں کے سنگم کے کچھ فاصلے پر نگر روڈ کے قریب واقع ہے) کے اُس طرف قدیم زمانے کے کچھ پتھر کے بنے اوزار ملے ہیں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہاں پہلے کوئی بستی رہی ہوگی۔ اس قیاس کو مزید تقویت اُس وقت پہنچتی جب پونا سے تقریباً ۱۶ میل پر واقع کورے گاؤں کے پاس کچھ اور اوزار دستیاب ہوئے۔ یہ اس امر کی نشاندہی کے لیے کافی تھا کہ یہاں اور اطراف میں کبھی کوئی بستی رہی ہوگی۔ یہ تمام تحقیق (تقریباً آج سے ۵۰ سال قبل) اس وقت عوام کے سامنے آئی جب دکن کالج کے آثارِ قدیمہ کے ایک عہدے دار ''ڈاکٹر ایچ - ڈی سانکلیا'' دکن کالج کے گولف میدان میں چہل قدمی کررہے تھے۔ اچانک ان کی نظر ایک سفید چمک دار پتھر پر جم گئی۔ اس پتھر کو اُٹھا کر انھوں نے دیکھا تو انہیں شک ہوا کہ پتھر کہیں پرانے زمانے کی یادگار نہ ہو! پھر انہیں مزید غور وفکر کے بعد یقین بھی ہوا۔ یہ پتھر ۳ انچ لمبا اور بھینڈی کی مانند نظر آتا تھا۔ اس پتھر پر بھینڈی کی طرح دھاردار لکیریں تھیں۔ ڈاکٹر کے ذہن میں یہ سوال سما گیا کہ یہ پتھر یہاں کس طرح آیا؟ انھوں نے تحقیقی کام کا آغاز کیا۔ ابتدائی پوچھ تاچھ سے معلوم ہوا کہ گولف میدان کے تعمیری کام کے سلسلے میں ''کورے گاؤں'' سے ریت لائی گئی تھی۔ انھوں نے اپنے ماتحتوں کو کورے گاؤں روانہ کیا اور ''بھیما ندی'' کے کنارے کسی آثارِ قدیمہ کی تلاش شروع کردی۔ قریب ہی ایک چھوٹا سا ٹیلہ نظر آیا لیکن اس ٹیلے پر چند جھونپڑیاں موجود تھیں۔ انہیں بہر حال تحقیق کرنی تھی۔ جیسا کہ ''موہن جوڈارو'' (سندھ) اور ہڑپا میں بھی تحقیقی کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا تھا اسی طرح سے انھوں نے اس ٹیلے

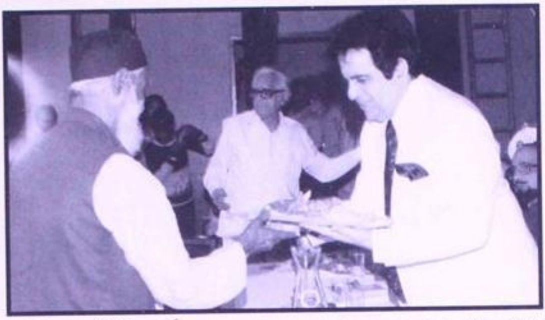

ساقی کھلنانی کے شعری مجموعہ 'دبی چنگاریاں' کے جلسۂ اجرا میں دلیپ کمار، حکیم رازی کو گلدستہ پیش کرتے ہوئے۔

حکیم رازی کے شعری مجموعے 'جہانِ سنگ' اور 'رہنمائے بیت بازی' کا اجرا کرتے ہوئے
قادر خان۔ ہمراہ حکیم رازی ادیبی، یوسف ندیم، جاوید مولا شیخ اور تبریز رازی دیکھے جاسکتے ہیں۔

سماجی و تعلیمی تنظیم 'دی مسلم ویلفیئر ایجوکیشن سوسائٹی' کی جانب سے یوم اساتذہ کے موقع پر
حکیم رازی کو 'لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ' بدست جناب تھورات (ایجوکیشن آفسر) نوازا گیا۔
ہمراہ موہن کلکرنی، جناب قاسم بیابانی اور جناب محمد صاحب (ڈائرکٹر مسلم بینک)۔

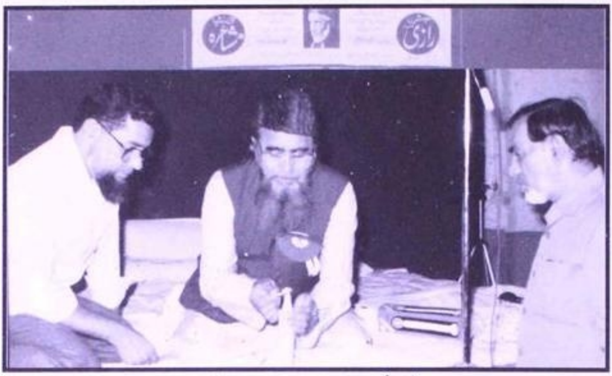

جشن رازی کے موقع پر شمع افروزی کرتے ہوئے (دائیں سے) رشید اعجاز،
پیرزادہ مولانا عبدالباقی اشرفی اور ڈاکٹر اشفاق انجم۔ (۱۹۹۲ء)

جشن رازی کے موقع پر منعقدہ مشاعرے کے موقع پر اسٹیج پر بیٹھے ہوئے (دائیں سے) پیرزادہ عبدالباقی اشرفی،
پی۔ اے۔ انعامدار، اُلہاس پوار سابق ایم ایل اے، ڈاکٹر امانت شیخ،
ڈاکٹر عصمت جاوید، نجمہ خان صاحبہ اور حکیم رازی ادیبی۔

جشن رازی (۱۹۹۲ء) کے موقع پر الحاج رزّاق انور کی جانب سے حکیم رازؔی کو
منظوم سپاس نامہ پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر امانت شیخ، رزّاق انور دھولیوی اور ڈاکٹر ابراہیم فیض۔

عوامی محاذ کی جانب سے منعقدہ 'اُردو صحافت سیمینار' میں سردار جعفری تقریر کرتے ہوئے۔
شہہ نشین پر یونس مظفرنگری، فلک رومان، دلدار ہاشمی، امان اختر، پروفیسر دستگیر شہاب،
حکیم رازؔی ادیبی، ڈاکٹر اے۔ آر۔ شیخ وغیرہ دیکھے جاسکتے ہیں۔

جشن رازی (۱۹۹۲ء) کے موقع پر جناب اسرار پٹھان (BDO) جناب حکیم رازؔی ادیبی
کو گلہائے تہنیت پیش کرتے ہوئے۔

پونے فیسٹیول کے مشاعرے کے بعد کیفی اعظمی، بیکل اُتساہی، حکیم رازؔی ادیبی، عثمان ہرولی،
مرزا حمید بیگ تحمل قادری وغیرہ۔

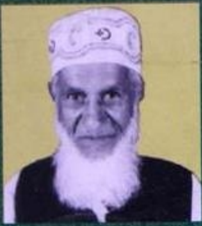

Hakim Raazi Adibi is one of the senior most and a naturally blessed poet, Pune is proud to have ever produced. His poetic saga revolves around a good half a century when he happened to meet and get benefited from some of the towering luminaries of the Urdu world, including his teacher, guide and mentor Adeeb Maleganvi.

A staunch traditionalist and a strict disciplinarian, Hakim Raazi always had a charged and an electrifying attitude when it came to serve the most delicious but highly underestimated Urdu language. First he, along his confidents, which included the brilliant poet and artist late Rashid Ejaz, launched a monthly magazine 'Asbaque' in 1981, which rose to unimaginable heights and offered some of the most memorable numbers to the Urdu world during his enviable patronship of four years. But, expectedly 'Asbaque' proved to be a thankless nightmarish endeavour for the simple thinking Hakim Raazi. Disillusioned with early experience, few years later he again launched a bimonthly 'Takallum' entirely on his own efforts proving once again his unmatched zeal and stamina to his betrayers.

An octogenarian Raazi has potential of a growing youth and patience and wisdom of a saint. His infallible faith in humanity has over the decades, earned him popularity cutting across caste, creed and religion. An ever-willing soul to help needy and an author of ten books, Hakim Raazi has been conferred many awards. His long poetic journey, as a humble student of life, language and humanity is beautifully epitomized in this book "Ehtesab-e-Raazi" where one can truly find the shades, colours, fragrance and essence of a genuinely blessed servant of Urdu language and literature.

Publisher

Ehtesaab-e-Raazi

Compiled by
Zakir Usmani

Price : Rs. 200

published by
Usool Publications, Pune

کے نیچے تلاش جاری رکھی۔ انہیں پہلے سفید مٹی اور اس کے نیچے کالی مٹی کی تہہ نظر آئی۔ اُسی میں اُنہیں زمانۂ قدیم کے بہت سے جنگی ہتھیار ملے پھر قدرے گہرائی میں ایک چھوٹا سا پیالہ ملا جو چائے کی کیتلی کی مانند تھا۔ اس طرح متعدد اور کئی طرح کے برتن، برنیاں (مرتبان) وغیرہ اشیاء برآمد ہوئیں۔ جو ''پَروارا نْدی'' کے کنارے بسے ''نیواسہ'' ''جوروے'' میں دستیاب شدہ اشیاء کی طرح ہی تھیں۔ اس سے پیشتر بھی مہاراشٹر کے دیگر اضلاع جیسے شولاپور، بھیما ندی کے کنارے ''پنڈھرپور'' ۔ایٹا۔ ستارا ضلع میں کرشنا ندی کے کنارے ''کراڈ'' احمد نگر ضلع میں پروارا ندی کے کنارے ''نیواسہ'' اور ''جوروے'' میں اس طرح کے بہت سے ثبوت ملے ہیں۔ بہر حال پونہ ضلع اب تک اس قسم کی تحقیق سے محروم تھا۔ حالانکہ آج بھی یہاں آثارِ قدیمہ کی نشانیاں موجود ہیں۔ ان باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں بہت پہلے انسانوں کی بستی رہی ہوگی۔ گمان غالب ہے کہ یہاں قبل از مسیح دو یا تین سو سال پہلے بدھ مذہب کے پیروکارنے بود وباش اختیار کی ہو۔ آج بھی مہاراشٹر کے کئی علاقوں میں ''ایلورا اجنتا'' کی طرز پر بنی گپھائیں نظر آتی ہیں۔ پونہ سے بیس پچیس میل کے اطراف بھی اس طرز کے غار مثلاً کارلا، بھانجے، شیلارواڑی، ساسوڑ، پرندھر اور جُنّر وغیرہ میں موجود ہیں۔ ان علاقوں میں تقریباً ۲۳۵ گپھائیں موجود ہیں۔ اسی طرح ''بھور'' کے قریب ایسے ہی غار نظر آتے ہیں ہوسکتا ہے کہ بدھ مذہب کے بکھشور (مبلغین) ایک دوسرے سے ربط رکھتے ہوں اور پونہ ہی سے آتے جاتے رہے ہوں۔ پونہ میں ''فرگیوسن کالج'' کے ٹیلے پر اور جنگلی پیر کے قریب ''پاتالیشور'' جیسی گپھائیں آج بھی موجود ہیں۔ علاوہ ازیں ۷۵۴ء کی ایک دستاویز بھی ملی ہے جس میں ''پونہ'' لفظ کا استعمال کیا گیا ہے۔ دستاویز کے سیاق سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ''پونہ'' سے متعلق ہوگا۔ اس کے علاوہ جو دستاویز ملی ہیں اُن میں اطراف کے چھوٹے چھوٹے دیہاتوں کا بھی ذکر ملتا ہے۔ جیسے پوپرکھیلوں (پوپ کھیل) کلس، داپوڑی، بھوسری درپ فریقہ، بے ہوساریکا'' (مولا ندی کے کنارے سے وابستہ دیہات)۔ اس کے علاوہ ۷۶۸ء کی ایک دستاویز میں ''پونک'' ''کھام گاؤں بوری'' ''چوروں کی آلندی'' ''تھیؤر'' اور ''اُرلی'' کا بھی ذکر ملتا ہے۔

دسویں صدی سے قبل ''پونہ'' سے متعلق جتنی بھی دستاویزات حاصل ہوئی ہیں اُن میں ''پونہ پرگنہ'' کا ذکر ملتا ہے اور اس کے بعد ''پونک'' ''پونیہ پور'' ، ''پونک واڑی'' جیسے ناموں سے پونہ کی شناخت ملتی ہے۔

پونہ میں اورنگ زیب کا قیام عرصۂ دراز تک رہا۔ اس نے اور اس کے صاحبزادے عالم شاہ

نے پونہ کی بیشتر درگاہوں اور مندروں کو جاگیریں دیں۔ اور پونہ کو خوش حال وخوبصورت بنانے کے علاوہ مقامی باشندوں میں اتفاق اور بھائی چارگی کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے جس طرح ''خواجہ شیخ صلاح الدینؒ، خواجہ سید حسام الدینؒ اور انگڑ شاہ (انگار) جیسے بزرگوں کو انعامی زمینیں عطا کیں اسی طرح موریہ گوساوی (چینچوڑ) تکارام مہاراج (دیہو۔ آلندی) کے علاوہ لونی کال بھور کے ''ماروتی مندر'' کو بھی انعامات سے نوازا۔ شہر کو وسیع تر بنا کر اُن علاقوں کو آباد کردیا۔ (اُس وقت پونہ کی آبادی دس ہزار باشندوں پر مشتمل تھی) انہی کے دور میں یہاں اُن پٹھانوں کو آباد کیا گیا جو اُن کی فوج میں شامل تھے۔ مثلاً بھالدار جماعت اور راجپوتوں میں پردیسی سماج، کراڈ سماج، بڑھئی سماج وغیرہ۔ یہ سب مغلوں کے ہی دَور میں بسائے گئے۔ مراٹھی مورخ نا-س- انعامدار نے ''شہنشاہ'' میں تحریر کیا ہے کہ پونہ شہر کا نام ''محی آباد'' اورنگ زیب نے رکھا۔ لیکن بعض مورخین نے قصبہ پیٹھ اور شائستہ پورہ (سوموار پیٹھ) کے بعد بسائے جانے والے علاقے کو محی آباد کہا ہے۔ جسے آج کل بدھ وار پیٹھ کہا جاتا ہے۔ مغلوں نے اپنے دور میں بسائے ہوئے علاقوں کے جو نام دیے تھے وہ بعد ازاں تبدیل کردیے گئے۔ ان کی تفصیل اس طرح ہے۔ مُرتضیٰ باد(شنوار پیٹھ) محی آباد (بدھ وار پیٹھ) مِلک پور(رویوار پیٹھ) اویسی پورہ(شکروار پیٹھ)شاہ پورہ(سوموار پیٹھ) استا پورہ جس کو شائستہ پور بھی کہا جاتا تھا (منگلوار پیٹھ) نہال پورہ(ناگیش پیٹھ) مظفر گنج (بھوانی پیٹھ) یہ تمام ۱۷۰۳، ۱۷۳۴ء ،۱۷۵۰ء، ۱۷۵۵ء اور ۱۷۶۹ء میں بدل دیے گئے۔ پونہ کی ترقی اور ترویج میں مغل بادشاہوں نے کافی حصہ لیا۔ یہی نہیں بلکہ پانی کے انتظامات میں اصلاحات بھی کیں۔ پونہ کے طول وعرض میں وسعت پیدا کرنا، تاجروں کو سہولیات فراہم کرنا اور عوامی جان و مال کی حفاظت کرنے کے سلسلے میں مغل بادشاہوں نے باریک بینی اور دُوررس نتائج کو مدِ نظر رکھتے ہوئے شہر کو نیا روپ اور نئی زندگی عطا کی۔ عالمگیر کے ایک پوتے محی الملک کا انتقال پونہ ہی میں ہوا۔ اور اُسے خواجہ شیخ صلاحؒ کے قریب ہی سُپردِ خاک کیا گیا۔ بارش کا تقریباً اوسط ۷۰ سینٹی میٹر (۲۷ انچ) ہے۔ اور شہر سطحِ سمندر سے ۱۸۰۰ فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ بمبئی کے بعد پونہ اور پمپری چینچوڑ میونسپل کارپوریشن ہر لحاظ سے بڑی کارپوریشن کہلاتی ہے۔

(تاریخ اُردو ادب پونہ ''ایک تحقیق'' سے اقتباس شکریہ کے ساتھ)

مصنف : مرزا حمید بیگ تحمّل قادری پونوی

قادر خان

حکیم رازؔی پونہ کے کہنہ مشق بزرگ شاعر

پونہ کے بزرگ کہنہ مشق شاعر حکیم رازؔی صاحب کو میں گذشتہ تین سال قبل سے جانتا ہوں۔ جب وہ میرے دفتر اپنی تصانیف ''جہانِ سنگ'' اور ''رہنمائے بیت بازی'' کا اجراء کروانے کی مناسبت سے حاضر ہوئے تھے۔ اپنی پہلی ہی ملاقات میں خوش مزاج، خوش اخلاق وخوش گفتار حکیم رازؔی نے انتہائی خلوص ومحبت سے اپنے مخصوص کلام سے مجھے مسحور کیا۔ ''جہانِ سنگ'' کے علاوہ ''رہنمائے بیت بازی'' جو خاص طور سے اسکول کالج کے طلبہ وطالبات کو مدِ نظر رکھ کر مرتب کی گئی تھی۔ اس کتاب سے میں بہت متاثر ہوا اور فوراً ہی مزید ایک کتاب رہنمائے بیت بازی مرتب کرنے کو کہا جس میں محلِ وقوع کے اشعار کے ساتھ شاعر کا نام بھی تحریر کرنے کی درخواست کی تاکہ بچوں کو شعر سمجھنے کے ساتھ شاعر کا نام بھی زبان زد ہو۔ کچھ ہی دنوں بعد حکیم رازی نے میری درخواست کو لبیک کہتے ہوئے مرتب شدہ اشعار ارسال کیے۔ میرے ذریعے ان اشعار کا مطالعہ کرنے کے بعد احساس ہوا کہ حکیم رازی صاحب نے انتہائی محنت وعرق ریزی سے یہ مشکل کام بحسن وخوبی سے انجام دیا۔ حکیم رازی کے یہ اشعار کمپیوٹر کتابت کے بعد میری اور دوبارہ حکیم رازی صاحب کی نظروں سے گزر چکے ہیں۔ انشاء اللہ العزیز اسے عنقریب ''کے کے فاؤنڈیشن'' کے توسط شائع کر کے منظرِ عام پر لایا جائے گا۔

حکیم رازی صاحب کے متعلق یہ جان کر بے انتہا مسرت ہوئی کہ آج عمر عزیز کی ۸۷ ویں بہاریں دیکھ چکے ہیں۔ اس عمر میں آرام کرنے کی بجائے ایک چست پھرتیلے نوجوان کی طرح اپنے تمام کام خود انجام دیتے ہیں۔ گذشتہ ۴۰ سال سے روزانہ صبح وشام اپنا مطب دواخانہ حکیم رازؔی خود کھولتے اور بند کرتے ہیں۔ مریضوں کو دوائیاں بھی خود ہی دیتے ہیں بعض اوقات ایمرجنسی کے دوران اپنی سائیکل پر ہی دور دراز کے علاقوں میں مریضوں کے علاج کے لیے پہنچ جاتے ہیں۔

دوپہر کے اوقات میں بجائے آرام کرنے کے مریضوں کے لیے دوائیاں، بالوں کا تیل، مرہم اور معجون کو سخت محنت ولگن سے بناتے ہیں۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ غریب مریضوں سے پیسے بھی نہیں لیتے۔ حکیم رازی نے جہاں حمد، نعت، منقبت، غزلیں، نظمیں، قطعات میں طبع آزمائی کی ہے ساتھ ہی قطعہ تاریخ میں بھی مہارت رکھتے ہیں۔ آخر میں بارگاہِ اللہ رب العزت میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحت دے تندرستی دے اور عمر دراز کرے۔ آمین ثم آمین!

حکیم رازی کے چنندہ اشعار مجھے بہت پسند ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

اگر اللہ نے بخشی ہے تم کو علم کی دولت
تو رازی بانٹتے رہیے یہ دولت کم نہیں ہوتی

ایسا لگتا ہے قیامت کی گھڑی ہے نزدیک
اپنے اعمال پر شرمندہ نہیں ہے کوئی

تیز تر دھوپ ہے مسائل کی
حوصلہ سائبان جیسا ہے

منزلوں کے نشاں جب اُبھرنے لگے
فاصلے بڑھ گئے حوصلہ دیکھ کر

دوستوں سے دور رہنے کو غنیمت جانیے
وقت کی صورت بدل جاتے ہیں اکثر آشنا

فرق اپنی وضعداری میں نہ آیا آج تک
گو زمانے کی روش میں بے رُخی بھی آ گئی

دشمنی کے کئی کردار ہوا کرتے ہیں
جاں نثاروں میں بھی غدار ہوا کرتے ہیں

اسی نے دونوں ہاتھوں سے متاعِ کارواں لوٹی
جسے ہم منزلِ غم میں امیرِ کارواں سمجھے

آزادئ گلشن کی قیمت جو سمجھ لیتے
یوں ارض گلستاں کی تقسیم نہیں ہوتی

قدم کی چاپ، نہ آہٹ، نہ کوئی دستک ہے
وہ دل میں آئے تو دل کا پتہ نہیں ملتا

بہ چشمِ نم کبھی رازی وہ مجھ سے بچھڑے تھے
میری نظر سے وہ منظر جدا نہیں ہوتا

وہ سامنے تھے تو کہہ نہ سکا جب لوٹ گئے تو یاد آیا
یہ بھول گیا وہ بھول گیا میں جانے کیا کیا بھول گیا

چمن کے اس بدلتے رنگ کو بھی دیکھ اے گُل چیں
کہ ہر معصوم غنچہ سنگ و آہن ہوتا جاتا ہے

☆☆☆

102, Rajkamal, 2nd Hasanabad Lane, Santacruz (W), Mumbai

ممتاز پیر بھائی - صدر انجمن ترقی اردو (ہند) پونے

پونہ کے علمی و شعری ماحول کی پرورش اور پرداخت کرنے والوں میں کئی شعراء اور دانشوروں کا ہاتھ رہا ہے۔ اپنے اپنے زمانے میں یہاں الگ الگ طرزِ فکر اور مکتب خیال کے اہل قلم اپنے اپنے افکار کے چراغ جلاتے رہے اور تاریکی میں ڈوبے ذہنوں کو روشن کرتے رہے۔ تخلیقی بصیرت رکھنے والے حضرات نے ان چراغوں سے کسبِ نور کیا اور اپنے اپنے طور پر فکر وفن کی راہیں تلاش کرنے میں منہمک ہوئے اس طرح چراغ سے چراغ جلتے رہے اور روشنی کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔

ایک زمانہ تھا پونہ کی سرزمین سے ایک سے بڑھ کر ایک اہل قلم وابستہ تھے۔ یہاں جانشین داغ نواب سائل دہلوی کے شاگرد خاک پونوی تھے۔ امیر مینائی کے شاگرد حکیم موج قریشی تھے۔ تحمل جلال پوری کے شاگرد سلیم چشتی پونوی تھے۔ مشہور فلمی مکالمہ نگار عبدالباقی پونہ میں پیدا ہوئے جنھوں نے سہراب مودی کے تمام فلموں کے مکالمے لکھے۔ مشہور شاعر و ادیب، محقق، نافذ اور ماہر لسانیات ڈاکٹر عصمت جاوید کا تعلق بھی پونہ سے تھا۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہیں جناب حکیم رازیؔ صاحب۔

آپ کی پیدائش ضلع ناسک کے شہر ایولہ میں ہوئی آپ کا نام محمد رجب اور تخلص رازیؔ ہے۔ آپ پیشے کے اعتبار سے حکیم ہیں اور کئی ایسی بیماریوں کا علاج اپنی حکیمی دوا سے کیا ہے جو الوپیتھی میں تقریباً لاعلاج سمجھی گئی تھیں۔ آپ کے صوفیانہ رجحان نے آپ کو حضرت پیر عبدالغفور بخش اللہ شاہ اشرفی کا مرید بنادیا۔ اور شعری رجحان نے آپ کو ادیبؔ مالیگانوی کا شاگرد بنا دیا۔ آپ کے کئی شعری اور نثری مجموعے شائع ہوچکے ہیں۔ جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔ سرود بخش اللہ، سنگ وآہن، رگِ سنگ، کاروان سنگ، جہانِ سنگ، ارمغان نعت، رہنمائے بیت بازی۔

پونے سے نکلنے والے واحد رسالے اسباق کے آپ سرپرست ونگراں تھے۔ آپ نے ماہنامہ تکلم کی بھی ادارت کی۔ آپ کی ادبی خدمات کے لیے کئی اداروں کی جانب سے آپ کی پذیرائی کی گئی جیسے دکن مسلم انسٹیٹوٹ پونے، رسک متر منڈل، سماج کلیان، دی مسلم ویلفیئر ایجوکیشن سوسائٹی، مہاراشٹر مجلس پونے، ایوارڈ ادیب لائبریری مالیگاؤں۔

ثمینہ اسرار پٹھان

والدِ محترم، ''حکیم رازؔی ادیبی اشرفی''

میرے والدِ محترم کا اسمِ گرامی محمد رجب ولد محمد سلیمان ہے، لیکن ادبی اور سماجی دنیا میں حکیم رازؔی کے نام سے مشہور و معروف ہیں۔ ہم چار بھائی اور دو بہنیں ہیں۔ میں اپنے والدین کی سب سے چھوٹی بیٹی ہونے کے سبب گھر کے سب ہی لوگ اور والدین مجھ سے بہت زیادہ محبت اور پیار کیا کرتے تھے اور میری ہر خواہش پوری کیا کرتے تھے۔ میں اپنے والد سے اکثر کہا کرتی تھی کہ میں بڑی ہوکر پروفیسر بنوں گی اس پر میرے والد بڑی دعائیں دیا کرتے تھے کہ خداوند عالم اپنے حبیب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے صدقے اور طفیل تمہاری یہ تمنا اور خواہش پوری کرے۔ میں آمین کہا کرتی تھی۔ بہر کیف بارگاہِ رب العزت میں ان کی دعا قبول ہوئی اور آج میں ان کی دعاؤں اور اپنی لگن کے طفیل گورنمنٹ اُردو کالج آف ایجوکیشن فار ووین پونہ میں لیکچرر ہوں۔ والدین کی دعاؤں سے مجھے سسُرال کے لوگ بھی اچھے ملے۔ میرے شوہر اسرار پٹھان B.D.O یعنی Block Development Officer ہیں۔ میری دو بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے۔ یہ سب ہائی اسکول میں زیرِ تعلیم ہیں۔

میرے والد گھریلو زندگی میں گھر کے تمام کام نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے ہیں۔ بچوں سے ہمیشہ شفقت، پیار اور محبت کا برتاؤ کرتے ہیں اور خوب نگرانی رکھتے ہیں کہ کوئی بچہ بے راہرو نہ ہوجائے، غلط صحبت میں نہ پڑجائے، تعلیم اور صوم وصلوۃ سے غافل نہ ہوجائے۔

اپنے مطب کے لیے خود اپنے ہاتھوں سے دوائیں بناتے ہیں۔ مریضوں کے ساتھ بڑی خندہ پیشانی سے گفتگو کرکے نہایت توجہ اور ذمہ داری سے علاج معالجہ کرتے ہیں۔

میرے والد کی شاعری کا آغاز اسکول کے زمانے ہی سے ہو چکا تھا۔ ۱۹۴۰ء میں ایولہ، ضلع ناسک (مہاراشٹر) سے پونہ آئے یہاں کی آب و ہوا اور ادبی ماحول کو دیکھ کر یہیں کے ہوکر رہ گئے۔ پونہ آکر شاعرِ حیات حضرتِ ادیبؔ مالیگانوی کی رہنمائی میں ان کی شاعری بامِ عروج کو پہنچی اور آج وہ کہنہ مشق شاعروں کی صف میں نظر آتے ہیں۔

میرے والد نہایت وسیع القلب، مزاج میں نرمی، سنجیدگی، بردباری اور انکساری بدرجہ اتم ہے، غرور اور تکبر انہیں چھو کر نہیں گذرا، خلوص و محبت، انسانیت اور ہمدردی کا پیکر ہیں۔ ہر قسم کے لوگوں سے ان کے اچھے مراسم ہیں، مسلم، غیر مسلم سب ہی سے خندہ پیشانی اور فراخ دلی سے پیش آتے ہیں۔ چنانچہ ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ وہ مجھ ہی پر زیادہ مہربان ہیں۔ مہمان نوازی اور خاطرداری کے لیے بہت مشہور ہیں۔

میری یہ دلی تمنا ہے اور اللہ رب العزت سے یہی پُر خلوص دعا ہے کہ تمام بچوں کو میرے جیسے مشفق و مہربان، نیک سیرت اور اعلیٰ اخلاق و کردار کے حامل والدین عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

لیکچرر گورنمنٹ اردو کالج آف ایجوکیشن فار وومین۔ پونہ

☆☆☆

فہرست

صفحہ نمبر

بابِ اوّل	3
بابِ دوم	61
بابِ سوم	216
بابِ چہارم	246
بابِ پنجم	282
بابِ ششم	289

توشیحی نظم

حکیم رازؔی ادیبی

نذیر فتح پوری

ح حمد و ثنا لکھوں میں غفور الرحیم کی ❋ توصیف پھر لکھوں میں رسولؐ کریم کی

ک کمزور ہے سخن مرا، کمزور ہے قلم ❋ پھر بھی کروں گا اپنے خیالات میں رقم

ی یوں روشنی قلم کی لٹاؤں گا بر ملا ❋ اک شمع تیرگی میں جلاؤں گا بر ملا

م میں پھر لکھوں گا حضرتِ رازؔی کا تذکرہ ❋ اُردو کے اک مجاہد و غازی کا تذکرہ

ر رجب ہے نام، رازؔی تخلص ہے آپ کا ❋ تھا حضرتِ ادیبؔ سخنور سے سلسلہ

ا اُردو ادب کے پھول کھلائے ہیں آپ نے ❋ حکمت کے بھی چراغ جلائے ہیں آپ نے

ز زورِ قلم سے کرلیا تسخیر اک جہاں ❋ چاروں طرف بکھیر دی اُردو کی کہکشاں

ی یہ سچ ہے باکمال ہیں اور باہُنر ہیں آپ ❋ پونہ کی سرزمین پہ اُردو شجر ہیں آپ

ا اسباق ماہنامے کو سمیں شجر دیا ❋ کتنے ہی خوش نویسوں کو اپنا ہُنر دیا

د دعویٰ نہیں ہے ان کو سخن کا کلام کا ❋ ہے معترف زمانہ مگر ان کے کام کا

ی یوں بھی لٹائی اپنے تبسم کی روشنی ❋ پھیلائی چاروں سمت ''تکلم'' کی روشنی

ب بازی کبھی نہ ہاری بساطِ حیات کی ❋ روشن ہے دل میں شمع نشاطِ حیات کی

ی یارب طویل زندگی رازؔی کو کر عطا ❋ حکمت کا اور ادب کا چلے خوب سلسلہ

حکیم رازؔی ادیبی

عزیز ادیبی اعظمی

جناب حکیم رازؔی اشرفی ادیبی کی خدمتِ عالیہ میں نذرانہ خلوص

علم و ادب کا باب ہے رازی کی زندگی
تفہیم کی کتاب ہے رازی کی زندگی

ظاہر میں محو خواب ہے رازی کی زندگی
باطن میں مستجاب ہے رازؔی کی زندگی

عرفان و آگہی کے عنادل ہیں وجد میں
کیف آفریں گلاب ہے رازؔی کی زندگی

ہوتے ہیں طالبانِ عمل خیر سے جواں
گہوارہ شباب ہے رازؔی کی زندگی

شکر خدا کہ مرشدِ کامل کے فیض سے
صد رشکِ ماہتاب ہے رازؔی کی زندگی

کترائیں کیوں نہ کفر و ضلالت کی آندھیاں
رحمت سے فیضاب ہے رازؔی کی زندگی

سرکار دوجہاں کی محبت لیے ہوئے
بے حد و بے حساب ہے رازؔی کی زندگی

بارانِ رنگ و نور سے سرسبز ہے چمن
یہ غیرتِ سحاب ہے رازؔی کی زندگی

طغیانیاں نہ کم ہوں کبھی اس کی اے عزؔیز
دریائے لاجواب ہے رازؔی کی زندگی

محمد حسین دلبر ادیبی، پونہ

حکیم رازؔی ادیبی

جو اچھے ہیں وہی دنیا میں اچھے کام کرتے ہیں
تہی دل کو نگاہوں سے چھلکتا جام کرتے ہیں
روِش محبوب ہوتی ہے جنھیں خُلق و مروّت کی
اسی تدبیر سے وہ سب کو زیرِ دام کرتے ہیں
روا رکھتے ہیں یوں چشمِ کرم اپنے مریضوں پر
عبادت جیسے وہ دن رات، صبح و شام کرتے ہیں
کہیں محدود رہ سکتی نہیں روشن دِلی ان کی
مثالِ مہر و مہ سب سے سلوکِ عام کرتے ہیں
بیاں ہو حضرتِ رازؔی کی مجھ سے خوبیاں کیوں کر
کہ عزت جن کی اہلِ دل بصد اِکرام کرتے ہیں
وہ مقبولِ جہاں ہوتے ہیں فطرت جن کی پختہ ہو
دلوں میں گھر کہیں ناپختہ کار و خام کرتے ہیں
دعا یہ ہے وہ اپنا نور پھیلاتے رہیں ، دلبرؔ
رہیں جس انجمن میں اس کو چمکاتے رہیں ، دلبرؔ

☆☆☆

نذرِ رازی

(حکیم صاحب نیک و بد کے پارکھ ہیں جب انھیں معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ نیک اور وہ بد ہے تو ان کی فطرتِ انصاف پسند بیدار ہو اٹھتی ہے اور نتیجے میں یہ نیک کے دامن گیر اور بد کے گلوگیر ہو جاتے ہیں۔کالی داس گپتا رضاؔ)

(۱)

مجھے شکوہ تھا دنیا سے محبت کا مروت کا
کہ یہ اس قسم کے انمول موتی کم ہی رکھتی ہے
شکایت تھی کہ آنکھیں ہیں وفا ناآشنا اس کی
یہ اپنے عاشقوں کو مبتلائے غم ہی رکھتی ہے

(۲)

گلا تھا اس کی فطرت میں نہیں اخلاص کا عنصر
یہ شفقت اور ممتا کے تقدس سے بھی عاری ہے
نہیں ہے اس کے آگے قدر و قیمت دل کے جزبوں کی
کہ اس کا مسلک و مذہب فقط سرمایہ داری ہے

(۳)

یہ اہلِ علم کی دشمن ہے جہلاء دوست ہیں اس کے
یہ اپنے گرد حرص و عاز کا اک جال رکھتی ہے
جسے منہ سے کہے اپنا کبھی اس کی نہیں ہوتی
عجب انداز کی اپنی سیاسی چال رکھتی ہے

(۴)

یہ طاقت کی پرستش کرنے والی قوم کی مانند
ہمیشہ بادشاہوں پر نگاہِ لطیف کرتی ہے
یہ فن کی یا کسی فنکار کی عزت نہیں کرتی
یہ شیطانوں کی داسی صرف شیطانوں سے ڈرتی ہے

(۵)

مگر ایسا نہیں، بالکل نہیں ایسا، میں اب سمجھا
کہ اک دانائے راز و عقد و حل یہ بات کہتا ہے
جو کچھ ہو سطحِ دریا پر، وہی تہہ میں نہیں ہوتا
کہ رازیؔ کا حکیمانہ عمل یہ بات کہتا ہے

(٦)

وہ رازیؔ جس کے دل میں پیار ہے، ممتا ہے، شفقت ہے
وہ رازیؔ جو سراپا پیکرِ مہر و مروّت ہے
وہ رازیؔ جس کا سینہ علم کا گہوارہ ہے گویا
وہ رازیؔ جس کی اپنی ذات اک دریائے حکمت ہے

(۷)

وہ رازیؔ یہ بتاتا ہے کہ قدرِ علم کیا شے ہے
یہ دنیا عالموں کو اپنے سر آنکھوں پہ لیتی ہے
انہیں محفوظ رکھتی ہے ہمیشہ اپنے سینے میں
حریصِ زر کو تھوڑے سیم و زر پہ ٹال دیتی ہے

(۸)

یہ جبر و جہل کو حالت پہ ان کی چھوڑ دیتی ہے
مگر منصف مزاجوں کے تعاقب میں بھٹکتی ہے
مصیبت ہی میں کھلتی ہے بشر کی طبعِ نیک و بد
یہ اک ایسی کسوٹی ہے جو سونے کو پرکھتی ہے

لہٰذا اب مجھے شکوہ نہیں میں لکھ کے دیتا ہوں
ہر اک حرفِ شکایت اپنا واپس آج لیتا ہوں

☆☆☆

خیر مقدم

(۲۹ر ڈسمبر ۱۹۸۵ء بروز اتوار شب میں ادیب لائبریری مالیگاؤں کی طرف سے ایک محفلِ مشاعرہ منعقد ہوئی تھی۔ پونہ سے ماہنامہ ''اسباق'' کے سرپرست جناب حکیم رازؔی ادیبی۔ مدیر اسباق نذیرؔ فتح پوری اور دلدارؔ ہاشمی اس مشاعرہ میں بطورِ خاص مدعو تھے۔ اس موقع پر شاعرِ حیات حضرت ادیبؔ مالیگانوی صاحب قبلہ نے خیر مقدم کے طور پر چند اشعار پیش کیے ہیں۔ جو نذرِ قارئین ہے۔)

شاعروں کا وفد آیا شہر مالیگاؤں میں
چل گئی شعر و سخن کی لہر مالیگاؤں میں

حضرت رازؔی کی خدمات ادب ہیں آشکار
آپ کے ایثار سے ہے باغ پونہ میں بہار

آپ کے یارانِ مخلص میں ہیں دلدار و نذیر
آصف و اعجاز بھی ہیں ہر قدم پر دستگیر

قدرداں رازؔی کے ہیں شاعر بھی دولتمند بھی
ایسے مخلص اس زمانے میں ملیں گے چند ہی

بزم اہلِ ذوق میں ہے خیر مقدم آپ کا
کر رہے ہیں دل سے استقبال بھی ہم آپ کا

کارنامہ اک ادیبی کا ہے کتنا شاندار
بڑھ گیا اہلِ نظر میں اس سے رازؔی کا وقار

یہ بہارِ گلفشاں تازہ رہے یونہی ادیبؔ
ہر عمل ''اسباق'' کا ہو کامرانی سے قریب

ادبی ایوارڈ

ادبی دنیا میں یہ جان کر خوشی ہوگی کہ مورخہ ۲۹ ڈسمبر ۸۵ء بروز اتوار شب میں ادیبؔ لائبریری کی جانب سے ایک محفل مشاعرہ منعقد ہوئی تھی۔ اس مشاعرہ میں ادیبؔ لائبریری، جوہرؔ پری پرائمری اسکول اور انجمن کاوانِ ادب مالیگاؤں کی جانب سے جناب حکیم رازؔی ادیبی سرپرست ونگراں ماہنامہ 'اسباق' پونہ کو ان کی طویل ادبی خدمات کے اعتراف میں 'پاسبانِ ادب' کا خطاب مرحمت کیا گیا۔ حکیم صاحب ان تمام تنظیموں کا شکریہ ایک قطعہ کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔

قطعہ

'کاروانِ ادب'' نے بخشا ہے
''پاسبانِ ادب'' خطاب مجھے

شکریہ ان کی دل نوازی کا
پیش کرنا ہے بے حساب مجھے

سندِ خلافت

۲۷ مارچ ۱۹۸۷ء لوہار منڈی، اشرفی گلی برہانپور عرس اشرفی الجیلانی کے مبارک موقع پر محترم الحاج محمد عبدالغفور بخشؒ اللہ شاہ اشرفی (سرکار برہانپور) کے ادنیٰ خادم جناب حکیم رازؔی ادیبی اشرفی پونہ کو حضرت علامہ تنویر اشرف کچھوچھوی کے دستِ مبارک سے تاجِ غوثیہ اور سندِ خلافت سے نوازا گیا۔ مندجہ ذیل تہنیتِ خلافت جناب مجاؔز آشنا، برہانپور کی جانب سے حکیم صاحب کی خدمت میں پیش کی گئی۔

تہنیتِ خلافت

مجاؔز آشنا

گلستانِ طریقت کی نگہبانی مبارک ہو
جو قدرت نے عطا کی ہے وہ سلطانی مبارک ہو
جسے سینچا ہے اپنے خون سے ''مخدوم اشرف'' نے
تمہیں اس سلسلے کی آج نگرانی مبارک ہو
جہاں آکر شہنشاہی بھی اپنا سر جھکاتی ہے
طریقت کا وہی تختِ سلیمانی مبارک ہو
فلک پر چاند تارے بھی سلامی کو نکل آئے
زمیں پر آسماں کی بزم نورانی مبارک ہو
خدا کو جاننا، اس کو سمجھنا اور سمجھانا
تمہیں یہ فلسفہ، یہ فلسفہ دانی مبارک ہو
بہ فیضِ شاہ بخش اللہ ملا جو دامنِ اشرف
تمہیں رازؔی وہ دامن، پاکدامانی مبارک ہو
مجاؔزِ بے نوا بھی دل کی گہرائی سے کہتا ہے
تمہیں اس راہ میں معراجِ انسانی مبارک ہو

ایم یونس افسؔر کامٹی

کیوں نہ رازؔی سے ہو خدا راضی
یہ ہمارے قریب آئے ہیں
ناز کرتی ہے شاعری جن پر
اپنے گھر وہ ادیبؔ آئے ہیں
رونقِ انجمن ہیں فخرِ غزل
کیسے کیسے حبیب آئے ہیں

(فخؔر دھولیوی، ۱۴رمئی ۱۹۷۹ء)

☆☆☆

ناظؔم القادری - پونہ

قطعہ

کس درجہ بلندی پر پونہ کی یہ قسمت ہے
سورج کی طرح روشن اُردو کی حقیقت ہے
آہی گئے مرکز پر اربابِ سخن ناظؔم
رازؔی کی خلافت کی پہلی یہ کرامت ہے

☆☆☆

ظفؔر مرزا پوری

الحاج حکیم رازؔی ادیبی کی نذر

مبارک ہو سوئے بیت الحرم جانا مبارک ہو
گلِ اُمید سے دامن کو بھر لانا مبارک ہو
زہے قسمت حسیں زم زم کا پیانا مبارک ہو
دیارِ خالق اکبر کا دیکھ آنا مبارک ہو
درِ کعبہ پہ جانا عشق میں لبیک بھی کہنا
ندامت سے خطا پہ اشک برسانا مبارک ہو
زیارت کو چلے طیبہ کی جانب جب محبت میں
دفورِ شوق سے بیتاب ہوجانا مبارک ہو
درود و حمد کا تحفہ لیے رازؔی مدینے میں
کھجوروں کی قطاروں سے گذر جانا مبارک ہو
محبت سے چھپا رکھّے تھے حاجی نے جو آنکھوں میں
درِ احمدؐ پہ ان اشکوں کا برسانا مبارک ہو
زیارت گنبدِ خضرا کی کرکے پاک نظروں کا
سنہری جالیوں میں کھوکے رہ جانا مبارک ہو
پہنچتا ہے وہی جس کو شہہِ بطحا بلاتے ہیں
نصیب اپنا مدینے جاکے چمکانا مبارک ہو
ظفؔر جو پیش کرتا ہے یہ چند اشعار کے تحفے
خلوصِ دل کا یہ ادنیٰ سا نذرانا مبارک ہو

۲۴ اکتوبر ۱۹۹۰ء

☆☆☆

انتساب

پیر و مرشد محترم الحاج ابوالمقصود

محمد عبدالغفور بخش اللہ شاہ اشرفی الجیلانیؒ

(سرکار برہانپور)

کے نام

جن کے روحانی فیضان نے مجھے عرفان کی دولت بخشی

اور

اُستاد محترم شاعرِ حیات، ادیب الملک

حضرتِ ادیبؔ مالیگانوی

کے نام

جن کی رہنمائی میری ادبی و شعری زندگی کا سرمایۂ عظیم ہے

حکیم رازیؔ ادیبی اشرفی

زید احمد قاسمی - یونانی میڈیکل کالج، پونہ

حکیم رازؔی - پونہ کا نمائندہ شاعر

حکیم رازؔی ایک اسلام پسند شاعر ہے طور طریقے مذہبی مشرقی روایات کا حامل اور مزاجاً خانقاہی ہے ہندوستان میں خانقاہ وتصوف وسعت قلبی اور رواداری کا دوسرا نام ہے۔ فلسفہ خانقاہ وتصوف سے ان کی شاعری متاثر ہے ایسے روادار شخص کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس کو وہ چھپا سکے اس نے نہ تو اپنے ماضی کو پُر بہار و دیدہ زیب بنا کر پیش کی ہے اور نہ ہی حال پر نازاں ہے اور نہ ہی مستقبل کی تابناکی کے لیے باطل کے سہارے کی تلاش کرتا ہے۔ بس وہ سیدھے سادھے خیالات و جذبات کو شعری زبان میں کہتا ہے یہی اس کا حسن ہے۔ اس کی اسی سادگی رواداری و قناعت پسندی نے اس کو پونہ کا نمائندہ شاعر بنادیا ہے حکیم رازؔی چلوتم ادھر کو جدھر کی ہوا ہو کے فلسفہ کے خلاف ہیں اپنی انفرادیت و شناخت کے بقاء پر اصرار کرتے ہیں۔

لاکھ دنیا میں آئے نشیب و فراز　　اک زمانے سے اپنا وہی رنگ ہے
وقت کی چوکھٹ پہ رازؔی سر نہ ٹیکا جائے گا
چاہے لگ جائے اُمیدوں کے گل و غنچہ میں آگ

انگریزوں کے ہندوستان آنے اور نئی تعلیمی وصنعتی پالیسی مرتب کرنے کے نتیجے میں ہنرمندوں پر عتاب نازل ہوا چھوٹی چھوٹی دستکاریاں ماند پڑنے لگیں حالی سے لے کر گاندھی تک سبھی نے احتجاج کیا اور قوم کی بے حسی پر ملامت کی قوم بیدار بھی ہوئی تو آزادی وتقسیم کے بعد وہ ہُنر مند فرقہ پرستی اور صنعت کاری کی نذر ہوگئی۔

پیدا کہاں سے ہوں گے ہنر مند دوستو　　جو ہاتھ با ہنر تھے وہی ہاتھ کٹ گئے

لیکن رازی تمام مشکلات کے بعد بھی ہار ماننے کو تیار نہیں اور نہ ہی فرقہ پرستوں سے خوف زدہ ہے۔

جو اپنی کاوشوں میں رات دن مصروف رہتا ہے
اسی کو صبح ملتی ہے وہی سورج اُگاتا ہے

☆

تم فرقہ پرستوں کی کرو پشت پناہی
انصاف کا دروازہ ابھی بند نہیں ہے

دن دھاڑے بابری مسجد شہید کردی گئی جو نہ ہونا تھا وہ ہوکر رہا رازی کا مشورہ بھی گوش گذار کریں۔

کوئی مندر بنے یا کہ مسجد بنے سوچ دھارا کا رستہ بہت تنگ ہے
جہاں پر نفرتوں کے داغ سارے دل سے مٹ جائیں
وہیں پر مسجد و مندر کے رشتے جوڑ دینا تھا

حکیم رازی کا اس عہد پیری میں رنگِ تغزّل ملاحظہ ہو۔

بس اس قدر ہی یاد ہے ماضی کی زندگی گذرے تھے ایک بار کسی کہکشاں سے ہم
دنیا کو پیش کرنا ہے فرہاد کا بدل شہکار ایک تراشیں گے کوہِ گراں سے ہم
دامانِ بخت اپنا سجانے کے واسطے گوہر کا کام لیتے ہیں اشک رواں سے ہم

اس استاد کش دور میں بھی حکیم رازی کو اپنے اساتذہ پر فخر ہے وہ سخن میں حضرت ادیب مالیگانوی اور عرفان میں خواجہ عبدالغفور اشرفی مرحوم کو اپنا استاد مانتے ہیں۔ حضرت ادیب سے حکیم رازی کی عقیدت ذیل کے اشعار سے نمایاں ہے۔

علم و فن کا پاسباں خاموش ہے زندگی کا رازداں خاموش ہے
جس نے اسرار سخن سمجھائے تھے وہ غزل کا رازداں خاموش ہے
بانٹتی تھی جو ضیاء فکر و فن وہ ادب کی کہکشاں خاموش ہے

حضرت عارف خواجہ عبدالغفور اشرفی کی عظمت وعقیدت کے لیے ذیل کے اشعار۔

کیا بتاؤں مجھے آج کیا مل گیا اشرفی جیسا اک رہنما مل گیا
بیعتِ دستِ مرشد ہوا جب سے میں زندگی کو مری حوصلہ مل گیا
پیر و مرشد کا رازی یہ فیضان ہے اپنے عرفان کا کچھ پتہ مل گیا

حکیم رازی شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ماہر طبیب بھی ہے کچھ طبی اشعار بھی ملاحظہ ہوں ۔

رہوگے توانا جو کم کھاؤ رازؔی
یہی ایک نسخہ ہے اکسیر کیا ہے
یہ ہر گرم معدے کو دیتا ہے فرحت
نہ پوچھو کلنگڑ کی تاثیر کیا ہے
اگر خاکِ سیماب مل جائے تم کو
تو مٹ جاتے جڑ سے نواسیر کیا ہے

آج کے پرائیویٹ ڈاکٹر حکیم اپنی آمدنی کا ریکارڈ کم کرکے پیش کرتے ہیں باوجود کہ ان کے یہاں انجکشن اور ٹیبلیٹ کا چارج زیادہ ہوتا ہے لیکن حکیم رازی کے یہاں صرف سفوف وحبوب ہی تقسیم نہیں ہوتا ہے بلکہ یہاں اس کے علاوہ کچھ اور بھی تقسیم ہوتا ہے۔

تقسیم علم و فن کا ہے مرکز بنا ہوا
چلتا ہے کیسے میرا مطب پوچھتے ہیں آپ

حکیم رازؔی مریضِ دل ہے اس کو یہ بیماری لگنی ہی تھی کیونکہ وہ جس خوبصورت ساچاپیر کے علاقے میں مطب کرتے ہیں وہ اسی بات کی متقاضی ہے۔

دنیا میں یوں تو لاکھوں اطباء ہوئے مگر
رازؔی مریضِ دل ہے اگر چہ طبیب ہے

غرض حکیم رازؔی ایک ماہر طبیب بھی ہے اور شاعر بھی غزل گو بھی اور صوفی بھی تصوف پر صرف چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

کبھی قطرہ لگے ہے اپنی ہستی
کبھی خود کو سمندر سوچتا ہوں
زمانے کو نہیں ادراک اس کا
میں جس عالم میں اکثر سوچتا ہوں
حقیقت کیا ہے رازؔی زندگی کی
میں تنہائی میں اکثر سوچتا ہوں

☆☆☆

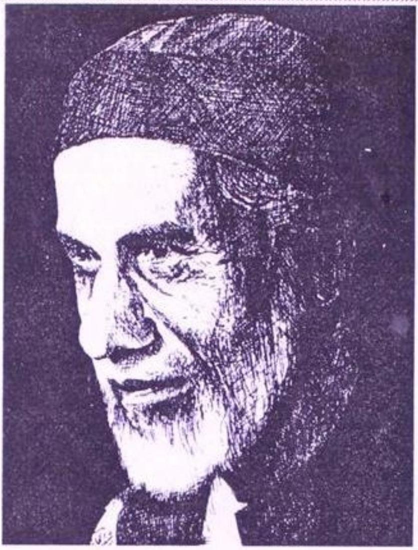

سر پرست اسباق حکیم رازؔی ادیبی اشرفی

آشنائے حکمت و راز، قلندر صفت، پیکر اخلاص وتسلیم و رضا، محترم حکیم رازؔی ادیبی اشرفی، پونہ کے کہنہ مشق شعراء میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ آپ کی فطرت کا رنگ آپ کے کلام میں بے حد نمایاں ہے۔ آپ ''اسباق'' کے سر پرست ہیں اور آپ کی حکیمانہ ودانشمند رہبری میں اسباق، بڑی تیز رفتاری سے ترقی کے مدارج طے کر رہا ہے۔

بہ ظاہر ضعیف و ناتواں نظر آتے ہیں لیکن فی الحقیقت نوجوان کو شرمانے والا آہنی عزم و حوصلہ اپنے اندر رکھتے ہیں۔ علامہ اقبالؔ کی طرح جہد مسلسل و کوشش ناتمام کے قائل ہیں اور اسے کامیابی و کامرانی کی اساس سمجھتے ہیں۔ کام کے وقت اوروں کے تعاون و اشتراک کا انتظار کیے بغیر تنہا اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی جدوجہد میں لگے رہنا آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔ اسباق کے تعلق سے جو بھی کام پیش نظر ہوتا ہے برق رفتاری سے انجام دیتے ہیں۔

'اسباق' کی بقاء اور ترقی کے سوا خدا سے کچھ نہیں مانگتے۔

('اسباق' کے سالِ اوّلین نمبر سے ماخوذ)

مردِ قلندر...... حکیم رازی ادیبی

تروتازہ ہے
میرے ذہن میں انیس سو اسی (۱۹۸۰ء)
ہوا تھا آشنا میں
جبکہ اک مردِ قلندر سے
کہ جس کی گود میں دیکھا تھا اک نوزائیدہ بچہ
بتایا مجھ کو یاروں نے
کہ اس کا نام تھا 'اسباق'
'رَجَب رازی' مبارک نام مردِ قلندر کا
رُخِ روشن پہ ابیض ریش تھی مظہر بزرگی کی
فقیرانہ ادا تھی اور فطرت تھی رئیسانہ
وہ مالا مال تھا
اخلاق اور کردار کے زر سے
ضعیفی میں
وہ عزمِ آہنی رکھتا تھا سینے میں
اسی کے زیرِ سایہ پرورش پاتا رہا 'اسباق'
وہ اب گبرو جواں ہے

عمر اس کی ہو گئی پچّیس
پھر اس کے سایۂ شفقت میں آیا دوسرا بچہ
'تکلم' نام تھا اس کا
ہوا محبوب وہ سب کا
وہ ایک شاعر بھی تھا
چرچے تھے جس کے بزم یاراں میں
کئی مجموعے شاہد بن گئے اس کے تخیل کے
طبیبِ خوش ادا ہے
منفرد ہے اپنی حکمت میں
مطب چھوٹا سہی
لیکن مریضوں کے علاوہ بھی
ادیبوں، شاعروں کو بھی سموتا ہے وہ دامن میں
سناتا ہے
وہ رازؔی کی مسلسل جہد کا قصہ
وہ اپنے آپ میں
تاریخ ہے خدماتِ رازؔی کی !!

امین حزیںؔ - پونے

توشیحی نظم

عالیجناب حکیم رازیؔ صاحب کی ادبی اور طبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے خراجِ تحسین

م محبتوں کے مبلغ، مرید بخش اللہ ر رہِ سلوک کے رہرو، حکیم حق آگاہ

ح حکیم طبع ہیں، ہے دامنِ عمل بے داغ ہ ہر اعتبار سے ملتا ہے خوش دلی کا سراغ

ت تفکرات کے حامی، تصورات نواز ن نیاز مندی ملی ہے انہیں بہ حدِ نیاز

ر رئیسِ اُردو ادب اور شاعرِ خوش دل م ملے گی اُردو زبان کی انہیں نئی منزل

م مطب پہ رہتا ہے شعرائے شہر کا جمگھٹ ا ادیب اور مریضوں کی ہے یہی چوکھٹ

ح حوالے ملتے ہیں شعراء کو بھی سرِ محفل ے یہاں مریض بھی پاتے ہیں صحتِ کامل

ک کلام سنتے سُناتے نہیں ہے تھکتا کوئی ب بصد خلوص ہی ہوتی ہے سب کی دل جوئی

ی یہی تو مرکزِ شعر و ادب بھی کہلایا ی یہی تو در ہے مریضوں کے فیض پانے کا

م مزید یہ کہ ہیں مشہور دردمندی میں ت توقعات سے زیادہ ہیں جاں نثاری میں

ر ریاضِ دہر میں مہکے ہیں اپنی محنت سے ب بہت متین ہیں مخلص ہیں اپنی فطرت سے

ا ادبی رنگ سے معمور ہے کلام ان کا ا ادب نوازی رہا ہے ہمیشہ کام ان کا

ز زمین سخت سہی پھر بھی ہے غزل شاداب ز زباں پہ رکھتے ہیں قدرت یہ کہتے ہیں احباب

ی یہ نظم کہہ کے سعادت امینؔ نے پائی ی یہی خوشی ہے کہ میں کرسکا پذیرائی

محترم حکیم رازیؔ

غزل

عرفانِ محبت کی تفہیم نہیں ہوتی
بے مرشدِ کامل کوئی تعلیم نہیں ہوتی

انصاف کی آنکھوں کی یہ کیسی بصیرت ہے
بے داغ اُصولوں میں ترمیم نہیں ہوتی

آزادئ گلشن کی قیمت جو سمجھ لیتے
یوں ارضِ گلستاں کی تقسیم نہیں ہوتی

ناکام ہی رہتی ہے ہر گام پہ دنیا میں
جس قوم کے لوگوں میں تنظیم نہیں ہوتی

تم لاکھ بدل ڈالو دستور زمانے کا
آئینِ شریعت میں ترمیم نہیں ہوتی

اس دور کے بچوں سے رازؔی کو شکایت ہے
کیوں اپنے بزرگوں کی تعظیم نہیں ہوتی

☆☆☆

غزل

وادیٔ عشق کا میں قیس بھی تھا میر بھی تھا
میں وفا کیش ہوں پیشانی پہ تحریر بھی تھا

قید رشتوں نے کیا تھا مجھے ایسے گھر میں
میرا ہمدرد ہر اک حلقۂ زنجیر بھی تھا

سنگِ در تھا تری ٹھوکر میں پڑا تھا لیکن
میں زمانے کے لیے صاحبِ تقدیر بھی تھا

میں نے انسان کی خدمت کو فریضہ جانا
یہ عمل میرے لیے باعثِ توقیر بھی تھا

آج محکوم مرا ذہن بھی ہے دل بھی مگر
سب کو معلوم ہے میں صاحبِ شمشیر بھی تھا

مجھ کو زخموں کا نہیں، غم ہے تو اس بات کا ہے
مجھ پہ چھوڑے ہوئے تیروں میں تیرا تیر بھی تھا

بارشِ رحمت حق سے تھا شرابور مگر
اپنی غفلت پہ پشیماں بھی تھا دلگیر بھی تھا

آج بارود کی بو سے ہیں فضائیں بوجھل
کبھی جنت کا نمونہ مرا کشمیر بھی تھا

صرف نفرت کا اندھیرا نہ تھا دل میں رازیؔ
اس جزیرے میں کہیں خطۂ تنویر بھی تھا

☆☆☆

غزل

شاید اسی کا نام غمِ انتظار ہے
آنسو بھرے ہیں آنکھ میں دل سوگوار ہے

آسودگیٔ جاں ہے نہ دل کو قرار ہے
دامن نظامِ نو کا ابھی تار تار ہے

دیکھو چلے بھی آؤ تمہاری کمی ہے بس
رقصاں چمن میں کب سے عروسِ بہار ہے

کانٹے ہیں نرم، ریت ہے ٹھنڈی، سبک ہوا
اے دل ذرا بتا تو یہ کس کا دیار ہے

حاصل ہے زندگی کا مزہ قیدِ عشق میں
چشمِ کرم کا دیکھیے کیسا حصار ہے

اس طرح تیرے جلووں سے روشن ہوا ہے دل
اس آئینے میں بال نہ گرد و غبار ہے

پامال ہے خزاں سے چمن کی فضا تو کیا
فصلِ بہار آئے گی دل کو قرار ہے

آندھی ستم کی کس طرح ہم کو مٹائے گی
سر پر ہمارے سایۂ پروردگار ہے

اُردو کی خبریں آتی ہیں ہر اک دیار سے
رازیؔ یہ بے مکان ہوا پر سوار ہے

☆☆☆

حمد

ہر ایک منزلِ مقصود کا نشاں تو ہے
ہے تو ہی قافلہ سالار ، کارواں تو ہے

تجھی سے گلشنِ ہستی ہے ، باغباں تو ہے
ہے تو ہی مالک و مختار ، پاسباں تو ہے

ترے ہی حکم سے ارض وسما میں گردش ہے
ہر ایک ذرۂ عالم پہ حکمراں تو ہے

چمک ہے تیری ستاروں میں ، چاند سورج میں
ہماری روح میں یارب رواں دواں تو ہے

بروزِ حشر بھی یارب مرا بھرم رکھنا
مرے تمام گناہوں کا رازداں تو ہے

کلی میں، پھول میں، پتوں میں ہے مہک تیری
تمام رنگوں میں پنہاں ہے اور عیاں تو ہے

ترے ہی فضل کا اُمیدوار ہے رازؔی
مثال جس کی نہیں ، ایسا مہرباں تو ہے

غزل

حکیم رازؔی ادیبی

جو بھی در پہ آئے گا
ہم سے دعا لے جائے گا

تو نے کانٹے بوئے ہیں
پھول کہاں سے پائے گا

جس نے دل توڑا میرا
من ہی من پچھتائے گا

چشمِ بصارت گم ہے میاں
راہ کہاں سے پائے گا

تن کر چلنا چھوڑ بھی دے
ورنہ ٹھوکر کھائے گا

حق کا طوفاں اُٹھے گا
دنیا پر چھا جائے گا

دنیا والے ڈھونڈیں گے
رازؔی جب مرجائے گا

بابِ دوّم

بن گیا وہ ساری دنیا کے لیے وجہِ نشاط
مثلِ بوئے گُل جو عالم میں پریشاں ہوگیا

(حکیم رازؔی)

فہرست

نمبر شمار	نگارش	نگار	صفحہ نمبر
۱-	حکیم رازی - ایک شخص، ....، ....،	ذاکر عثمانی راویری	64
۲-	حکیم شاعر	حضرت ادیب مالیگانوی	71
۳-	ساچا پیر کا پیر	کالی داس گپتا رضا	73
۴-	قولِ سدید	عتیق احمد عتیق مالیگانوی	75
۵-	حکیم رازی ادیبی - سنگ و آہن شخصیت	قاضی مشتاق احمد	76
۶-	سوانح خاکہ - حکیم رازی ادیبی اشرفی		78
۷-	مردِ آہن	نذیر فتح پوری	81
۸-	حکیم رازی ادیبی	ڈاکٹر عصمت جاوید	86
۹-	کرشمہ دامنِ دل می کشد	ناوک حمزہ پوری	94
۱۰-	شعر و حکمت کا صوفیانہ سنگم - حکیم رازی ادیبی	مشتاق مدنی	96
۱۱-	سنگ و آہن - صحت مند شعری تصنیف	عبدالمجید سرور	100
۱۲-	سنگ و آہن کا شاعر حکیم رازی ادیبی	ریاض احمد خان	111
۱۳-	فیض ید اللہی	نظام صدیقی	114
۱۴-	سنگ و آہن	خالد اگاسکر	116
۱۵-	نذرِ حکیم رازی صاحب	رزّاق افسر	118
۱۶-	رگِ سنگ اور حکیم رازی	ڈاکٹر عصمت جاوید	119
۱۷-	رگِ سنگ	ڈاکٹر امانت	121
۱۸-	حکیم رازی اور کاروانِ سنگ	ناوک حمزہ پوری	122
۱۹-	رسالہ اسباق کا گوشہ 'حکیم رازی ادیبی'	مولانا حسن عباس فطرت	125
۲۰-	پونہ میں اُردو کا ساچا پیر حکیم رازی	ڈاکٹر عبدالرحیم نشتر	127
۲۱-	تبصرہ سنگ و آہن - حکیم رازی	مناظر عاشق ہرگانوی	130
۲۲-	حکیم رازی - شخص و شاعر	قیوم راز	132
۲۳-	حکیم رازی - پونہ کا ایک ممتاز شاعر	زیڈ. احمد قاسمی	139
۲۴-	سنگ و آہن - پونہ کے قلعے میں اُردو کی گونج	رشید قاسمی جلگانوی	144
۲۵-	حکیم رازی ادیبی - صدی کا آدمی	ڈاکٹر ایم. آئی. ساجد	147
۲۶-	حکیم رازی فکر و فن کے آئینے میں	ڈاکٹر زبیر احمد قمر دیگلوری	151

۲۷-	حکیم رازؔی ادیبی	عبدالسمیع بوبیرے	157
۲۸-	کاروانِ سنگ - میری نظر میں	شاغل ادیب	159
۲۹-	اپنے وقتوں کے ہیں یہ لوگ ...	ڈاکٹر اقبال برقی	163
۳۰-	کاروانِ سنگ اور حکیم رازؔی	شکیل گوالیاری	165
۳۱-	ماہنامہ سازِ سرمدی سے	محمد ایوب خان	167
۳۲-	میں کیوں لکھتا ہوں ......!	حکیم رازؔی ادیبی	168
۳۳-	۸۵ سالہ نوجوان حکیم رازؔی	شبیر محمود مجاہد	170
۳۴-	حکیم رازؔی کی غزل	مناظر عاشق ہرگانوی	172
۳۴-	حکیم رازؔی - پونہ کا نمائندہ شاعر	زیڈ. احمد قاسمی	176
۳۵-	کاروانِ سنگ اور حکیم رازؔی	ڈاکٹر عبدالرحیم نشترؔ	179
۳۶-	مردِ آہن	از سہ ماہی توازن	180
۳۷-	حکیم رازؔی - پونہ کے بزرگ شاعر اور ماہر طب و جراحت	محمد جاوید مولا شیخ	181
۳۸-	حکیم رازؔی - ایک صوفی	مرزا حمید بیگ تحمل قادری	185
۳۹-	حکیم رازؔی - میری نظر میں	سنجے گوڈبولے	189
۴۰-	ارمغانِ نعت - حرفِ آغاز	ڈاکٹر امانت	191
۴۱-	شاعری - "بدلیں گے نہ محفل سے"	ڈاکٹر سریش چندر ناڈکرنی	193
۴۲-	ارمغانِ نعت	ڈاکٹر جلیسؔ سہوانی	194
۴۳-	ارمغانِ نعت پر میری طائرانہ نظر	وقار حلم سیّد نگلوی	195
۴۴-	حضرت رازؔی سے خطاب	حضرت راحتؔ کوٹی	198
۴۵-	حکیم رازؔی ادیبی بے حد پرگو شاعر	یوسف ناظم	199
۴۶-	حکیم رازؔی - مختلف آئینوں میں	ڈاکٹر اُدے سرن ارمان	200
۴۷-	کاروانِ سنگ	ڈاکٹر جلیس سہوانی	201
۴۸-	میرے بچپن کے بزرگ - حکیم رازؔی ادیبی	شیخ واحد قاسم بیابانی	202
۴۹-	جناب حکیم رازؔی ادیبی صاحب	سردار جوہر امروہی	204
۵۰-	نذرانۂ خلوص	یونس افسر کامٹوی	205
۵۱-	اخبارات کے چند تراشے		206

حکیم رازؔی - ایک شخص ، ...... ، ...... ، ...... ،
سدابہار ملاقاتیں

شہر پونہ میں زبان و ادب کی اشاعت کے بانی حکیم رازؔی ادیبی کو بطور خدمت خوشی میں لکھا کہ ''شعراءِ پونا'' میں آپ پر مقالہ دیکھا، مبارک ہو!'' سات پردوں میں سے آپ نے جواب مرحمت فرمایا کہ مزید ایک کتاب زیرِ ترتیب ہے۔ ''کتاب میں تمھارا نام بھی آجائے تو مسرت ہوگی۔'' اس ایک جملے کے استعارے، شرارے اور علامت خلوص و نوازش کے تحت تجربات، مشاہدات اور ملاقاتوں کے پس منظر میں بستر علالت سے دو حرف سپردِ قلم......

یادش بخیر! علیک سلیک کے ساتھ ہی میں نے عرض کیا، محترم رازؔی صاحب! کیا حال ہے؟ مجھ انجانے کو نہایت حیرت سے دیکھا، اور بے ساختہ فرمایا:

ہم سے قلندروں کا نہ کچھ حال پوچھیے　　　تنہا بھی بیٹھتے ہیں تو محفل لیے ہوئے

سبحان اللہ! چہ خوب عارفانہ شعر ہے جو اپنے درون میں مفہوم کی کئی پرتیں رکھتا ہے لیکن رازؔی صاحب! قلندر تو تنہائی پسند ہوتا ہے، محفل پسند نہیں!

میری اس زبردستی کی منطقی شرارت پر غصہ آجانا چاہیے تھا لیکن مسکراہٹ اُبھر آئی۔ آنکھیں کشادہ و شگفتہ ہوکر زیادہ مسکرا رہی تھیں۔ میں نے مزید کہا ''فرقتوں کا حال/ قلندروں کا حال''۔ اچھی مماثلت، اچھا استعارہ اور اچھی علامت ہے۔ مومؔن نے کہا کچھ، آپ نے کہا کچھ، آفاقیت اولیٰ ہے۔

حیرت سے زوردار آواز میں گویا ہوئے: کون ہو تم؟

''میں حیوان ہوں۔'' ...... بولے: حیوانِ ناطق تو سب ہیں مگر انسان کی کوئی شناخت ہوتی

ہے ...... نام، کام، گاؤں وغیرہ۔ اتنے میں ایک حسین جوڑا آ گیا۔ دوا دی۔ وہ کچھ دے کر ہشاش بشاش چلا گیا تو میں نے کہا: حکیم صاحب! پڑیاں زیادہ، پیسا کم؟ ...... بولے: میرے لیے اللہ بس ہے۔ ہاں تو تعارف کراؤ! میں نے عرض کیا ''آپ خود ہی پہچان لیں تو کچھ بات ہوگی۔''

حیرت سے بولے: عجیب باتیں کر رہے ہو! پھر یک لخت خاموش ہوگئے ...... میں نے محسوس کیا، خمیدہ گردن مبارک کی جنبش سے غصّے کو اندر ہی اندر پارہ پارہ کر رہے ہیں۔ موڈ بدلنے کی خاطر میں نے دھیرے سے کہا ''بہت نحیف و نزار معلوم ہو رہے ہیں، گئے کام سے!!

سنتے ہی جذبات میں آ گئے، پہلوانی ڈنڈ ٹھونک دیے ...... کھیلو گے؟ نہیں حکیم صاحب! کشتے کھانے والوں سے کھیلنا، اپنی موت کو دعوت دینا ہے۔''

لن ترانی چھوڑو! کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو، بتاؤ!

آپ اتنا کیوں ڈانٹ رہے ہیں۔ ہرگز نہیں بتاؤں گا ...... میرا یہ جواب سنتے ہی جلال میں آ گئے۔ ہاتھ میں تالا کنجی سنبھال کر اُٹھے اور ایک جست میں مطب سے باہر آ کر مطب بند کر دیا۔ میں بھی اُٹھ کھڑا ہوا۔ تالا چڑھانے ہی کو تھے کہ میں نے سرگوشی کے انداز میں کہا ''میں ذاکر عثمانی ہوں!'' فوراً پلٹ کر ایسا دبوچا کہ میرا دم نکلنے کو تھا (جیسے عدم تعارف کے جرم کی سزا دے رہے ہیں) ''بڑے ظالم ہو!'' فرما کر ایک جست میں سڑک پر ننگے پاؤں دوڑ کر قریبی ریڈیو ہوٹل میں جا کر ایک منٹ میں واپس آ گئے تو کھڑے کھڑے میں نے عرض کیا: حکیم اخلاق رازؔی صاحب! 'ضربِ احساس' میں کیا میری تصویر نہیں دیکھی تھی؟ ...... بولے: دیکھی تھی مگر وہاں جوانی چھلک رہی ہے، یہاں حلیہ بگاڑ کر بوڑھے بن کر آئے ہو! کم از کم خط بنایا ہوتا! بیٹھو! چائے آ رہی ہے۔'' مطب کھولا، اپنی نشست پر جلوہ افروز ہوئے تو میں نے دریافت کیا۔ مزہ آیا کہ نہیں (شریف النفس، خلیق الطبع) رازؔی صاحب؟ ...... بولے: مزہ تو آیا، لیکن ؎

ابھی ہیں سیکڑوں پردے تکلم پر تبسم پر سمجھنے کی طرح رازؔی کو اہلِ دل کہاں سمجھے

میں اس صوفیانہ و عارفانہ شعر کی تجزیاتی داد دینے کو تھا کہ اتنے میں ایک ضعیف العمر دھوتی کرتے میں ملبوس آیا۔ دیکھتے ہی آپ نے دوا دی اور کچھ ہدایات کر دیں۔ وہ دونوں ہاتھوں سے رام رام کہہ کر چلا گیا تو میں نے داد کے طور پر عرض کیا: حکیم اللہ صاحب! خوشی کی بات ہے کہ ''آپ اللہ واسطے کا بھی مطب چلاتے ہیں۔'' سنی اَن سنی کر کے بولے، شعر سنو ؎

دردمندی کے ماسوا رازیؔ! سارے رشتے فضول ہوتے ہیں

میں نے تڑپ کر اس آفاقی دردمندی کی داد دی کہ بے شک! اس انسانی، اخلاقی، سماجی، معاشرتی رواداری اور دردِ دل کے مدارِ ارضی پر ہمارا عملی و شعری محور بھی گھومتا رہے تو اس آفاقی رشتے کو جو ابنِ آدم سے جڑا ہوا ہے قبولِ عام کی سند حاصل ہو اور دنیا جو آماجگاہ بن گی ہے، امن گاہ بن جائے لیکن رازیؔ صاحب! اس کو قبولیت کے لیے حوصلہ مندی کی صفت سے انسان کا متصف ہونا ضروری ہے۔ بہرحال آپ کی عملاً دردمندی قابلِ صدر مبارک! (آپ نے شاعرانہ شکریے کے لیے اپنا دایاں دست مبارک ہوا میں لہرادیا) مزید ایک شعر سنایا ۔

ہم کو پڑھیے جہاں سے جی چاہے ایک کردار میں کہانی ہیں

واہ واہ! یہ حکم حاکم نہ سہی حکم حکیم ہے تو مزید تجربے کی خاطر یہ فلم دیکھنا ہی پڑے گی، ویسے بھی جانتا ہوں کہ آپ کے کلام میں ایسے دل کو چونکا دینے والے جدت طراز و ندرت بیاں کے حامل .... اشعار موجود ہیں۔ چائے آ گئی تو چائے میں دوا ملانے لگے۔ میں نے فوراً ٹوکا۔ آپ یہ کیا زہر گھول رہے ہیں؟ طنزاً و تاکیداً گویا ہوئے: سقراط بنو! زندگی جیو! ویسے بھی اس حالت سے گزرنے ہی میں مردانگی ہے ۔

آدمی اتنا سخت جاں کب تھا زہر پی کر بھی جی رہا ہے ابھی

''محترم حکیم صاحب! وہ نحیف و نزار والی بات دراصل معکوس ہے۔''

''ایسا، تو کشتہ لکھ دوں؟''

''ابھی نہیں، پھر کبھی ..... اور حکیم صاحب! سماعت بھی بارگراں ہو رہی ہے۔''

بولے: ''روغنِ سرخ دو بوند سوتے وقت ٹپکا لیا کرو!''

اچھا اب اجازت؟ بولے: شام کا کھانا؟ میں نے کہا، رشتہ دار کے یہاں ہے۔ بعدہٗ روانگی۔ خدا حافظ، اللہ حافظ!

اچھے آئے! جھولی میں کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: تصوف! بولے: وہ تو میرا ہے تمہارا نہیں! نکالو تو سہی! میں نے 'نکات العروض' کی ایک جلد نذر کر دی تو بولے: اور کتنی ہیں؟ سب دے دو! احباب میں نکاسی ہو جائے گی۔ سنو ۔

محبت میں جو حال اپنا فقیرانہ بناتے ہیں
وہی کون و مکاں کو اپنا دیوانہ بناتے ہیں

اب میں بولوں؟ کچھ نہ بولو! دوپہر کے کھانے کا وقت ہورہا ہے۔ چلو! چلتے ہیں۔

سفری شب بیداری اور تکان کے سبب میں بہت آہستہ چلنے لگا تو بولے: بھیم محلّہ معلوم ہے؟ میں نے جواباً کہا، ''اسی کے قریب ۱۹۴۷ء تا ۱۹۵۰ء، اینگلو اردو ہائی اسکول (برانچ لوک شالہ) پونہ کا طالب علم رہا ہوں۔''

''اچھا تو پھر گلی نمبر ۱۲ میں آجاؤ۔''

وہ آگے نکل گئے تو میں نے محسوس کیا، یہ تو شرافت زمین پر چل رہی ہے۔ مبارک گردن تصورات کی جنبش کے ساتھ نیچے، منور آنکھیں سامنے کیے ہوئے ادھر ادھر کی رنگینی و خوب صورتی سے بے نیازانہ گزر رہے ہیں۔ یہ الگ بات کہ آپ کے تیز چلنے میں ورزش شامل ہے۔ وقت کی بچت کے ساتھ ساتھ منزلِ مقصود کو چھو لینے کی تڑپ نظر آتی ہے۔

میں پہنچا تو دسترخوان بے تکلف تھا لیکن فلاں چیز لاؤ، فلاں الماری سے لاؤ کی آواز نے پرتکلف بنادیا۔ میں دعوتِ صحت افزا کھا چکا تو بولے: آج رُک جاؤ، طرحی مسالمہ ہے۔ طرح لکھ لو:

''عیاں زمانے پہ پھر کربلا کی صورت ہے''

محترم! سلام تو کہہ لوں گا مگر رکنا محال ہے۔ معذرت خواہ ہوں۔''

<u>مجھے دیکھتے ہی فرمایا</u>

آؤ میری آڑ میں بیٹھو تم کو زمانہ دیکھ رہا ہے

سبحان اللہ! رازؔی صاحب! کیا یہ کشف مجھ پر منکشف ہوسکتا ہے کہ میری شکل کے پردے میں آپ کس سے مخاطب ہیں؟ وہ کون ہے جو اتنا حسین، خوب صورت اور سیم تن ہے۔ آپ ہوش میں ہیں یا نہیں؟ یہ خود کلامی ہے، تصور ہے، تصوف ہے یا خالص کرامت؟ اس طلسماتی شعر پر صدہا اشعار قربان کیے جاسکتے ہیں۔ سہل ممتنع خطابت اور یہ نایاب وجدان! آپ محض حکیم الادویہ نہیں، حکیم شعریات بھی ہیں۔

کچھ دیر بعد آپ کی خاموشی بولنے لگی: ذاکر صاحب! بارش کہاں مل گئی تھی؟ میں نے جواباً عرض کیا: اپنے گھر میں! ...... بولے: کیا مطلب؟

''مطلب یہ کہ مدیر محترم نے میرے پتے پر روانہ کرکے حکم لگایا کہ اس کتاب پر توصیفی مضامین شائع ہو چکے۔ تنقیدی مضمون درکار ہے''...... نہایت تعجب کے ساتھ گویا ہوئے ''اچھا تو ایسا بھی ہوتا ہے۔'' خیر! راویر کے فلاں صاحب کوتم جانتے ہو؟ ...... ''اچھی طرح'' کیوں کیا بات ہے؟ (بولے) کچھ نہیں۔ ''تکلم جاری کرایا تھا اور بس !...... ''جملے'' کا نفس مضمون تاڑ کر میں نے عرض کیا:

کون رکھے حساب زخموں کا ہے خساروں سے دوستی اپنی !

داد تو یوں دی ''اللہ باقی من کل فانی'' (یہ ہے تزکیۂ نفس، تقویٰ اور بے نیازانہ زندگی کی عمدہ مثال و دلیل)

اس ملاقات میں میرے بیٹھتے ہی 'جہانِ سنگ' و'ارمغانِ نعت' جیسی دو تصنیفات عنایت کردیں۔ میں نے گزارش کے طور پر استفسار کیا ''ان پر تبصرہ کروں؟'' (بولے) تمھاری مرضی! میں نے چھیڑ کی، لیکن ''تنقید ہوگی'' ...... بولے: عیب جو عیب، ہنرمند ہنر دیکھتے ہیں!

رازؔی صاحب! دوست اور دشمن کے تحت یہ الگ الگ دو کردار والی بات ہوسکتی ہے۔ جو تبصرے سے میل نہیں کھاتی۔ 'تبصرہ' دوستی و دشمنی سے بلند ہو تو تبصرہ ...... ورنہ دوست محض خوبیاں گناتا ہے اور خامیاں موجود ہوتے ہوئے بھی نظرانداز کردیتا ہے۔ اور دشمن خوبیوں پر پردہ ڈال کر صرف خامیاں بتاتا ہے۔

بے ساختہ بولے: جیسی تمھاری مرضی! لکھوتو سہی! نکتہ چیں ہے غم دل ...... اور واقعہ یہ ہے کہ اپنی عدیم الفرصتی کے تحت تبصرہ سپردِ قلم کرنے سے قاصر رہا۔

ابھی ابھی دو تین ماہ پہلے پونہ سے موصوف کے ایک گہرے آشنا، غریب خانہ پر تشریف لائے۔ پیام سنایا کہ حکیم رازؔی صاحب نے سلام فرمایا ہے (وعلیکم السلام) اور تاکید کی ہے کہ ہمارے دوست ذاکر عثمانی سے ضرور مل کر آنا۔

میں نے اپنی تازہ تصنیف ''میری تنقید اور اصلاحیں'' ایک جلد نذرِ خلوص، دوسری نکاسی والی مہمان موصوف کی تحویل میں دے دی تو ہفتہ عشرہ ہی میں کرم گستر رازؔی صاحب نے .M.O فارم پر رقم فرمایا کہ ''نکاسی والی جلد کی رقم حاضر ہے۔'' ...... شکریے کے ساتھ میں نے لکھا کہ ڈی ایڈ کالج میں زیرِ تربیت بچی کی فیس والی صندوق میں یہ رقم ڈال دی ہے جو اگلے ماہ ادا کردی جائے گی۔ اور دو تازہ شعر درج کردیے۔

دوستی کا نشاں رہے یوں بھی میں چلا جاؤں اور تو رہ جائے
کیا کرشمہ نہیں یہ ہوش ربا زخم کھل جائے اور رفو رہ جائے

اگلے ماہ کیا دیکھتا ہوں کہ .M.O فارم پر پھر آپ نے رقم فرمایا کہ ''یہ رقم بھی اسی صندوق میں ڈال دو۔'' 'نذرِ خلوص' جلد کی بھی رقم پا کر میں پریشان و حیران تو ہوا ہی، کافی شرمندہ بھی ہوا۔

حکیم رازؔی صاحب قادر الکلام شاعر تو ہیں ہی، لیکن ان کے یہاں انفرادیت یہ ہے کہ قول وفعل میں زبردست ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ اس لیے وہ شاعر بھی ہمہ گیر شاعر ہیں۔ اور یہ بہت بڑی بات ہے۔ (ورنہ قرآن پاک میں ایسے شاعروں کی تضحیک آئی ہے کہ ''جو کچھ وہ کہتے ہیں اس پر خود عمل نہیں کرتے۔'')

زندگی کا کوئی شعبہ ہو، رازؔی صاحب اپنے قول کے مطابق پورے اُترتے ہیں۔ اور یہ بڑی بات انھیں بہت ممتاز کرتی ہے۔ لب ولہجہ بھی منفرد ہے، شعری آہنگ و تاثر کے لیے نہایت موزوں الفاظ کا انتخاب ان کے یہاں ملتا ہے جو قاری کو خود بخود اپنی طرف کھینچتا ہے۔ روایت کی پاسداری کے ساتھ ساتھ جدت طرازی و ندرت بیانی بھی موجود ہے ؎

اسے چھو لینا یعنی خواب میں تتلی پکڑنا ہے
قریب آتے ہی وہ خوشبو کی صورت پھیل جاتا ہے

اشک پلکوں پہ مری یاس کا ایسا ٹھہرا
جیسے جلتا ہو سر شام دیا پانی پر

وہ روایت کی پاسداری میں بھی انوکھا رنگ بھر دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

تھے کبھی دل میں تمناؤں کے طوفان بہت
اب تو اتنا بھی نہیں یاد تمنا کیا ہے

بادی النظر میں شعر سپاٹ سا لگتا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ 'تمنا کیا ہے' نامکمل فقرہ لگتا ہے۔ مگر رازؔی صاحب نے 'تمنا کیا چیز ہے' کا مفہوم 'اجمال' کی راہ سے بھر دیا ہے۔ یہ فقرے کی تکمیلیت کے لیے زبردست فنی خوبی ہے۔ علاوہ بہ نظر غائر مفہوم کو دیکھا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کس منزل میں ہیں؟ جواب بول اُٹھتا ہے کہ وہ اتنی بلند منزل پر ہیں جہاں سے وہ خود واپس آنا چاہیں بھی تو نہیں آسکتے۔ اور کسی کے کھینچ لانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

نعت

تو ہی ہر چمن کی بہار ہے
بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِهٖ

کہ خدائی تجھ پہ نثار ہے
کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِهٖ

سر حشر سب کا قرار ہے
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِهٖ

تو ہی عاصیوں کی پکار ہے
صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ

(حکیم رازیؔ)

سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ مختلف النوع موضوعات کے شاعر ہیں۔ صرف یہ ایک موضوع تمثیلاً

جو بھی در پر آئے گا ہم سے دعا لے جائے گا

یہ دعا وہ نہیں کہ ''میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے۔'' قطعی الگ دعا ہے، جو قلندرانہ بھی ہے شاہانہ بھی! تجزیہ بسیط ہوگا مگر ضخامتِ مضمون بڑھے گی۔ میری دعا یہ کہ خدا کرے کہ وہ اپنی عمر کی ایک سنچری ضروری بنالیں تا کہ .... والسلام

۲۹/ جنوری ۲۰۰۷ء

حکیم شاعر

کسی ادبی شاعر کے مجموعۂ کلام کی اشاعت ادیبؔ کے لیے بھی نویدِ جانفزا سے کم نہیں۔ حالانکہ اب تک بیس ادبی شاعروں کے مجموعہ ہائے کلام اشاعت پذیر ہوکر اہلِ ذوق اور قدر دانانِ ادب سے خراجِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

ادبی شاعروں میں ویسے تو سب ہی سعادت مندی اور شاگردانہ خلوص و نیازمندی رکھتے ہیں لیکن گرمئ عقیدت اور حسنِ سلوک کے اعتبار سے میں حکیم رازیؔ صاحب کو سرفہرست شمار کرتا ہوں۔

رازیؔ صاحب حکیم پہلے تھے، اس کے بعد شاعروں کی انجمن میں شامل ہوئے۔ ان کی شرکت ادب نوازی نے پونہ کے شاعرانہ ماحول میں ایک نئی جگمگاہٹ اور کشش پیدا کی۔ مشاعروں اور ادبی نشستوں کے علاوہ انھوں نے پونہ جیسے مراٹھی زبان کے مرکز سے اُردو زبان کا رسالہ 'اسباق' کے نام سے جاری کر کے سرپرستانِ اُردو میں اپنا مقام بلند سے بلندتر کرلیا۔

اب رہا رازیؔ صاحب کے کلام کا معاملہ تو آپ سب ہی جانتے ہیں کہ متقدمین میں حکیم مومن خان، حکیم احسن اللہ خان اور مسیح الملک حکیم اجمل خان شیداؔ وغیرہ کی شاعری میں ان کے حکیمانہ مزاج وفطرت کی جھلک بھی پائی جاتی ہے۔ میں اس سے زیادہ رازیؔ صاحب کے متعلق خود کچھ نہ کہوں گا۔ البتہ 'سنگ و آہن' کے اوراق کے مطالعے سے آپ اپنے ذوقِ سخن کے مطابق فیصلہ کر سکتے ہیں۔

مجموعہ کا نام 'سنگ و آہن' تصویر کے ایک ہی رُخ کو ظاہر کرتا ہے، حالانکہ رازیؔ صاحب ایک طرف مصافِ زندگی میں سیرتِ فولاد رکھتے ہیں تو دوسری جانب شبستانِ محبت میں حریر وپرُنیاں بن کر لوگوں کو نہ صرف محظوظ بلکہ حیران بھی کر دیتے ہیں۔

اقبالؔ کا یہ مشورہ یقیناً ان کو عزیز ہوگا۔

مصافِ زندگی میں سیرتِ فولاد پیدا کر
شبستانِ محبت میں حریر و پرنیاں ہوجا

میں 'سنگ و آہن' کی اشاعت پر حکیم رازؔی ادیبی صاحب کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے اُمید رکھتا ہوں کہ اربابِ ادب اور اہلِ نظر اس ارمغانِ شعر وسخن کی بیش از بیش قدرافزائی فرمائیں گے۔

سلکِ گہر

نشاط و کیف لٹاتا ہے جام رازی کا
سخنوروں میں ہے اونچا مقام رازؔی کا
ادیبؔ ! سلکِ گہر کا گماں ہے شعروں پر
ہے آبشارِ حقائق کلام رازؔی کا

❋

صبح زرّیں

صبح زرّیں کا اُجالا ، جگمگاتی رات ہے
قدردانِ علم و فن کے واسطے سوغات ہے
حضرتِ رازؔی ادیبی بھی ہوئے اہلِ کتاب
''سنگ و آہن'' کی اشاعت سرخوشی کی بات ہے

۳۰/اگست ۱۹۸۳ء

❋❋❋

ساچا پیر کا پیر

جناب حکیم رازیؔ صاحب کا مجموعۂ کلام 'سرودِ بخش اللہ' جو نعتوں، منقبتوں، سلاموں پر مشتمل ہے، میرے پیشِ نظر ہے۔ مجموعے کی اصل تو وہی کلام ہے جو رازیؔ صاحب نے حضور رسول مقبولؐ کی بارگاہ میں پیش کیا ہے کیونکہ باقی کلام کا جنم اُسی ہستیِ عظیم کے نور کی پرچھائیں ہے۔ اس لیے جب ان چند لفظوں پر، جو میں اب لکھنے جا رہا ہوں، نظر ڈالتا ہوں تو ایسا معلوم ہونے لگتا ہے جیسے انسانی وجود اور عدم برابر ہوئے جا رہے ہیں، ع:

نسبتے نیست بذاتِ تو بنی آدم را

اور بے ساختہ منہ سے نکل جاتا ہے کہ، ع:

ما ہمہ تشنہ لبانیم و توی آبِ حیات

پونہ کیمپ میں چوک ساچا پیر کے ایک نکڑ پر ایک چھوٹی سی دکان ہے جس کے ایک بوریئے پر دور و نزدیک اور لگ بھگ تین سمتوں سے دِکھائی دینے والے ایک مردِ پیر (ساچا پیر کا پیر) صبح و شام جلوہ افروز رہتے ہیں۔ دکان سے لگا ہوا لکڑی کا بنچ نما ایک چبوترہ ہے، جس پر کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا جس پر بیماروں کے علاوہ دو چار عزیزان و احباب خوش گپیوں میں مصروف نظر آتے ہوں اور یہ پرانی وضع قطع کے بزرگ ہیں جنھیں یہاں سب حکیم رازیؔ کے نام سے جانتے ہیں۔ کم کم گفتگو میں حصہ لیتے ہیں اور بیش از بیش خاطر و مدارات میں مصروف رہتے ہیں۔

جیسے جیسے شام ڈھلتی جاتی ہے اور بیمار کنارہ کش ہوتے جاتے ہیں، تیسے تیسے عزیزوں اور دوستوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ لوگ بمشکل اس چبوترے کے طول و عرض میں سما سکتے ہیں مگر بہرحال سما جاتے ہیں، صاحبِ کشف و کرامات کی ایک ادا یہ بھی ہوتی ہے۔ (حکیم صاحب اپنے مرشد بخطاب بخش اللہ شاہ اشرفیؒ کے مقامی خلیفہ ہیں۔)

حکیم صاحب نیک و بد کے پارکھ ہیں۔ جب انھیں معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ نیک اور وہ بد ہے تو ان کی فطرتِ انصاف پسند بیدار ہو اُٹھتی ہے اور نتیجے میں یہ نیک کے دامن گیر ہوجاتے ہیں اور بد کے گلوگیر اور پھر جو ہو سو ہو۔

حکیم صاحب کو شاعری کا شوق جنوں کی حد سے کچھ ہی کم ہے۔ آپ مشہور استاد ادیب مالیگانوی مرحوم کے شاگرد ہیں۔ اسی نسبت سے خود کو رازؔی ادیبی کہلانے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ وہ لاکھ کامل حکیم سہی مگر اتفاق ہے کہ میرا دیا ہوا ایک نسخہ بھی ان کے بہت کام آیا۔ ایک دفعہ میں نے انھیں ایک تاریخی مادّے سے جھوجھتے ہوئے دیکھا تو میں نے اپنے کتب خانے سے ایک قدیم کتاب 'گلبنِ تاریخ' ان کی خدمت میں حاضر کردی۔ جس سے انھیں تاریخ گوئی میں آسانی ہوگئی مگر مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ باقی زندگی اسی کے لیے وقف کردیں گے۔ اب انھیں تاریخ گوئی میں وہ ملکہ حاصل ہے کہ دور دراز سے ان کے پاس تاریخی قطعات کے لیے فرمائش آتی ہے۔

حکیم صاحب میں ایک خاص بات ہے جو آج کے زمانے میں ناپید ہے ہی، گزشتہ زمانے میں بھی خال خال دیکھنے کو ملتی ہے، وہ یہ ہے کہ انھیں اپنے کلام پر خواہ وہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو، غرّہ نہیں ہے۔ آپ ان کا کلام سنیے اور اُس پر ترمیم پیش کیجیے، وہ قطعی برا نہیں مانیں گے اور اگر انھیں اچھا لگے گا تو شکریہ کے ساتھ قبول کرلیں گے۔ حکیم صاحب ترمیم کو نہیں چھپائیں گے بلکہ کم ظرفوں کو جرأت بخشیں گے کہ وہ بازار میں کہتے پھریں کہ انھوں نے حکیم رازؔی کی اصلاح کی۔

یہ مضمون حکیم رازؔی کی کتاب اور شاعری کا محاکمہ نہیں ہے بلکہ ایک حقیر سا معاوضہ ہے، اس بات کا کہ انھوں نے گیسو و بلبل کی شاعری سے الگ ہوکر ایسی شاعری کے لیے وقت نکالا جو کہنے کے لیے نعتیہ اور منقبتی ہے مگر حقیقت میں روایتی تعلّی سے گھڑی بھر کے لیے رخصت ہوکر رسولِ مقبولؐ اور پیروانِ رسولِ مقبولؐ کی بارگاہ میں ان کے انکسار اور خود سپردگی کا مظہر ہے۔ اس لیے قارئین سے درخواست ہے کہ وہ اس کلام کو اس جذبے سے پڑھیں اور رازؔی صاحب اور ان کے دوستوں اور دشمنوں کے لیے دعا مانگیں کہ، ع:

چشمِ رحمت بفگن ، سوئے غریباں بنگر[1]

---

[1] اس مضمون کے تینوں فارسی مصرعے مشہور زمانہ نعتِ قدسی سے ہیں۔ ابھی تک یہ فیصلہ نہیں ہوسکا کہ یہ قدسؔی مشہدی تھے یا کوئی قدسؔی ہندی۔ خیر قدسؔی کوئی بھی ہوں نعت کی تقدیس میں کلام نہیں۔

قولِ سدید

آؤ میری آڑ میں بیٹھو   تم کو زمانہ دیکھ رہا ہے

'سنگ و آہن' کے صرف اسی ایک شعر کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ بات اپنے پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ اس کے خالق کے یہاں ذہانت بھی ہے، تفکر بھی اور مشاہدہ بھی اور یہ امر مسلّمہ ہے کہ ان صفات سے جو شخص بھی متصف ہوا وہ فلسفی یا صاحبِ کشف و کرامت ہوا ورنہ بدرجۂ ثانی اُس کے اچھے شاعر ہونے میں تو کوئی کسر ہی نہیں رہ جاتی۔

علمی و ادبی طور پر پونہ جیسے بنجر مقام کے لیے نہایت فخر و انبساط کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ حکیم رازؔی صاحب ایک ایسے شخص ہیں جو صاحبِ کشف بھی ہیں اور صاحبِ کلام بھی۔ اتنا ہی نہیں اب وہ 'اسباق' کے ذریعے مقامی ادب کو بھی سربلند کررہے ہیں۔ یہ کارنامہ انھیں اُن آفاقی حدوں میں لے آنے کے لیے کافی ہے کہ وہ دنیائے علم و حکمت میں زندۂ جاوید ہوکر رہ جائیں۔

اور یہ ہوکر رہے گا، انشاء اللہ۔

۲۱ فروری ۱۹۸۳ء

قاضی مشتاق احمد - پونے

حکیم رازؔی ادیبی : سنگ و آہن شخصیت

پونہ کے ساچا پیر اسٹریٹ کے نکڑ پر حکیم رازؔی ادیبی کا مطب ہے۔، جہاں دردِ دل، دردِ جگر اور دردِ تمنا کا علاج ہوتا ہے۔ اس دس بائی دس کے مطب میں مریضوں کے بیٹھنے کے لیے جگہ کم ہے لیکن شعرا اور ادبا کی نشست کا خاص انتظام ہے۔ مریض آتے ہیں، دوا لے کر جاتے ہیں، شعرا آتے ہیں حکیم صاحب کی میٹھی میٹھی باتیں اور ان کے لکھنوی انداز میں پیش کی گئی میٹھی کڑک چائے پی کر جاتے ہیں۔ ساتھ میں حکیم صاحب کے اشعار بھی سننے کو ملتے ہیں۔ ایک چائے پی کر دوسری چائے پینے کو جی چاہتا ہے اور ایک شعر سن کر دوسرا شعر سننے کی خواہش ہوتی ہے۔ حکیم صاحب شعراء اور ادباء کی اس 'کمزوری' سے واقف ہیں اور اس کا علاج بھی جانتے ہیں۔ اپنے مطب پر آنے والے ہر فرد پر وہ ذاتی طور پر توجہ دیتے ہیں اسی لیے یہاں اہلِ قلم حضرات کا مجمع لگا رہتا ہے۔ حکیم صاحب 'رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی' کے قائل ہیں اس لیے انھوں نے حکمتِ عملی سے کام لیتے ہوئے حکیمی اور شاعری کے علاوہ 'پیری' کو بھی اپنایا ہے۔

کوئی کچھ بھی کہے مگر اے دوست
ہم تو رازؔی کو پیر کہتے ہیں

ساچا پیر کے نکڑ پر اس پیر کو دیکھ کر خیال آتا ہے کہ کہیں اس اسٹریٹ کا نام اسی پیر کے نام سے منسوب تو نہیں؟ حکیم صاحب کی شخصیت 'اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا'

ابھی ہیں سیکڑوں پردے تکلم پر تبسم پر
سمجھنے کی طرح رازؔی کو اہلِ دل کہاں سمجھے

ایک طرف تو ان کی سنگ و آہن شخصیت، دوسری طرف حسینوں میں ان کی مقبولیت، پھر ان کے بچپن کا عشق اور جوانی کے رنگین زمانے۔ اس پر ستم یہ کہ وہ یادِ ماضی کو عذاب نہیں ثواب سمجھتے ہیں اور اس کا ذکر کھلے عام کرتے ہیں۔

کتنی تھی بے باک تمنا
یاد ہے مجھ کو عشق کا بچپن

حسن میں تم ہی بے مثال نہ تھے　　　ہم بھی یکتا تھے نوجوانی میں
خدا رکھے بہت مقبول ہے رازؔی حسینوں میں　　　وفاؤں کی عنایت سے جنوں کی مہربانی سے

پونہ کی ادبی سرگرمیوں میں حکیم رازؔی کے مطب کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اُردو زبان سے انھیں دلی محبت ہے۔ پونہ کے مراٹھی ماحول میں اردو کی خوشبو دور دور تک پہنچانے میں حکیم رازؔی نے ایک اہم رول ادا کیا ہے ۔

مٹانا چاہتے ہیں صورتِ حرف غلط اس کو　　　مرے نقشِ تمنا کو بھی وہ اُردو زباں سمجھے
یہ گلشنِ اردو ہے خزاں آئے گی کیونکر　　　اُردو کی زمیں خیر سے زرخیز بہت ہے

حکیم صاحب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ کسی بھی وقت کسی بھی ماحول میں شعر کہہ سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کا زیادہ تر وقت مطب میں گزرتا ہے اسی لیے بیشتر اشعار اسی مطب میں کہے گئے ہیں۔ یہ دو شعر یقیناً انھوں نے اپنے مطب میں بیٹھ کر کہے ہیں ۔

حکیمو! بتاؤ وہ اکسیر کیا ہے　　　قضا لوٹ جائے وہ تدبیر کیا ہے
گو دم لبوں تک آیا ہے اے غیرتِ مسیح!　　　پھر بھی ترے مریض کو جینے کی آس ہے

حکیم صاحب کو اپنے اُستاد (مرحوم) ادیبؔ مالیگانوی سے بے پناہ عقیدت ہے۔ اپنے مجموعۂ کلام 'سنگ و آہن' کا انتساب انھوں نے اپنے اُستادِ محترم کے نام کیا ہے ۔

یہ سب اثر ہے فیضِ جنابِ ادیبؔ کا　　　کہتے ہیں لوگ رازؔی بھی نکتہ شناس ہے

پونہ میں مولا اور موٹھا ندیوں کا سنگم ہے۔ حکیم رازؔی کی شاعری بھی اُردو قدیم کلاسیکی شاعری اور جدید شاعری کا سنگم ہے۔ ان کی ذات بذاتِ خود ایک تحریک ہے جو انسانیت، دوستی، قلم و ادب سے وفاداری، شریعت و طریقت کا احترام کی زندہ جاوید مثال ہے۔ پونہ کی ادبی تاریخ جب بھی لکھی جائے گی حکیم رازؔی کا نام نہایت عزت و احترام سے لکھا جائے گا۔ بقول حضرت ادیبؔ مالیگانوی ۔

نشاط و کیف لٹاتا ہے جام رازؔی کا　　　سخنوروں میں ہے اونچا مقام رازؔی کا
ادیبؔ! 'سلکِ گہر' کا گماں ہے شعروں پر　　　ہے آبشارِ حقائق ، کلام رازؔی کا

یکم جنوری ۱۹۸۹ء

سوانحی خاکہ۔ حکیم رازیؔ ادیبی اشرفی

۱۸۵۷ء کے غدر میں میرے آباء واجداد اور خاندان کے دیگر افراد مبارکپور ضلع اعظم گڑھ سے مہاراشٹر کے مختلف شہروں میں بس گئے۔ میرے پردادا نے ایولہ، ضلع ناسک میں سکونت اختیار کرلی اور یہیں کے ہو رہے۔

انصاری ہونے کے ناطے خاندانی پیشہ پارچہ بافی کا یہاں بھی رہا اور اب تک جاری ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے ہاتھ سے کپڑا بُنا جاتا تھا اب پاورلوم نے جگہ لے لی ہے۔ میرے پردادا پارچہ بافی کے ساتھ ساتھ حکمت بھی کیا کرتے تھے اور لوگوں کو اللہ واسطے دوا دیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی مریض کو نسخہ بھی لکھ کر دے دیا کرتے تھے۔ بہت سے امراض کا علاج دعا وتعویذ سے بھی کیا کرتے تھے۔ اللہ نے آپ کے ہاتھ میں بڑی شفا دی تھی۔

میری تعلیم وتربیت ایولہ ہی میں ہوئی۔ درسی تعلیم کے بعد ۱۹۴۰ء میں پونہ چلا آیا اور حکمت سیکھنے کی غرض سے اپنے استاد حکیم عبد الرحیم صاحب قبلہ کے مطب (رحیمیہ دواخانہ) میں ملازمت اختیار کرلی۔ قبلہ حکیم صاحب صبح سے دوپہر تک مریضوں کا علاج معالجہ بڑی توجہ سے کرتے۔ دوپہر کے بعد ہر قسم کے مرکبات اور مفردات کا بیوپار ہوتا۔

قبلہ حکیم صاحب صوم وصلوٰۃ کے پابند ہونے کی وجہ سے اپنے ماتحتوں کو سختی سے نماز کی پابندی کراتے تھے اور شب میں عشا کے بعد طب پڑھایا کرتے تھے۔ اس طرح تین چار سال میں مجھے علم طب سے اچھی خاصی معلومات ہوگئی۔ ۱۹۴۶ء میں 'اجمل طبیہ کالج امرتسر' سے امتحان دے کر عمدۃ الاطباء کی سند حاصل کی۔ اس وقت حکیم احسان الحق اس کالج کے پرنسپل تھے۔

اسکول کے زمانے ہی سے شاعری کی ابتدا ہوچکی تھی۔ اس زمانے میں دہلی اور بجنور سے بچوں کے دو پرچے 'غنچہ' اور 'پھول' شائع ہوتے تھے۔ میری نظمیں ان میں اکثر شائع ہوا کرتی

تھیں۔

پونہ میں ۶۳-۱۹۶۲ء میں مجلسِ مشاورت کے زمانے میں بہت زیادہ سیاسی کام کیا تھا۔ ۱۹۶۵ء میں جب ہندوستان و پاکستان کی جنگ ہوئی تو پورے ملک میں DIR قانون کے تحت ہر جگہ تمام سیاسی لیڈر اور سوشل ورکروں کو سرکاری مہمان بنا کر جیل میں ڈال دیا گیا۔ پونہ میں اور لیڈروں اور سوشل ورکروں کے ساتھ ناچیز کو بھی DIR کے تحت ایروڈا جیل میں بند کردیا گیا۔ پونہ سے ہم سب اسّی لوگ نظر بند تھے۔ ڈھائی مہینے بعد ہم سب کو رہائی ملی تھی۔

جیل میں بڑی پابندی کے ساتھ نماز ادا کی جاتی تھی۔ میں ہر نماز کے بعد یہی دعا کیا کرتا تھا کہ یا اللہ! جس طرح تو نے حضرت یوسفؑ کو جیل سے رہا فرما کر مصر کا بادشاہ بنایا تھا ویسے ہی مجھے بھی جب جیل سے رہا کرنا تو اپنا ذاتی مطب عطا کرنا۔ میری دعا بارگاہِ ربّ العزت میں مستجاب ہوئی اور مجھے 'دواخانہ حکیم رازیؔ' عطا فرما کر سرفراز فرمایا۔ جیل میں صرف ایک شعر کہا تھا۔

بنایا ہے جسے منصور اسے دار و رسن بخشا
جسے یوسف بناتے ہیں اسے رکھتے ہیں زنداں میں

استاد محترم حکیم عبدالرحیم کے ۱۹۵۳ء میں انتقال کے بعد ۱۹۶۵ء تک پوری ذمہ داری سے رحیمیہ دواخانے کی نگرانی اور سرپرستی کی۔

۱۹۸۱ء میں میری نگرانی اور سرپرستی میں اُردو کا ادبی ماہنامہ 'اسباق' جاری ہوا جو آج بھی جاری ہے۔ 'اسباق' کے کئی سالنامے منظر عام پر آ کر اہلِ ذوق حضرات سے داد وتحسین پا چکے ہیں۔

۱۹۹۶ء میں میری ادارت میں ماہنامہ تکلم چار سال جاری رہ کر بند ہوگیا۔ اس کے بھی دو تین سالنامے نکل چکے ہیں جس کی ادبی دنیا میں بڑی پذیرائی ہوئی۔ ۱۹۹۲ء میں پچاس سالہ ادبی خدمات کے اعتراف میں جشنِ رازی منایا گیا۔ ۸۳-۱۹۸۲ء میں مسلم بینک پونہ کا وائس چیئرمین رہ چکا ہوں۔

میرے مندرجہ ذیل شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں جن کی ادبی دنیا میں توقع سے زیادہ پذیرائی ہوئی: (۱) سنگ و آہن، ۱۹۸۳ء۔ (۲) سرودِ بخش اللہ، ۱۹۹۰ء۔ (۳) رگِ سنگ، ۱۹۹۱ء، (۴) کاروانِ سنگ، ۱۹۹۹ء۔ (۵) ارمغانِ نعت، ۲۰۰۳ء۔ (۶) جہانِ سنگ، ۲۰۰۴ء۔ (۷) رہنمائے بیت بازی، ۲۰۰۴ء۔

٧٠٦

سند

مہاراشٹر اردو مجلس پونہ

کی جانب سے

جناب / محترمہ حکیم رازی ادیبی الاشرفی ......

کو اُن کی ادبی، تعلیمی، ثقافتی و سماجی خدمات

کے اعتراف میں اس توصیفی سند سے

نوازا گیا۔

POONA

15-9-1991

معتمد	چیرمین	صدر
(یوسف ندیم)		(ابراہیم نفیس)

(ریئس اُدوانی)

مجھے حکیم بنانے میں میرے اُستاذ حکیم عبدالرحیم صاحب قبلہ نے بڑی محبت اور شفقت سے طب کی تعلیم دی۔ شاعری میں استادِ محترم حضرت ادیبؔ مالیگانوی نے رہنمائی فرمائی اور طریقت میں پیر و مرشد محترم الحاج محمد عبد الغفور بخش اللہ شاہ اشرفی صاحب قبلہ (سرکارِ برہانپور) نے راہِ مستقیم دِکھائی۔

(حکیم رازیؔ)

***

نذیر فتح پوری - مدیر اسباق - پونہ

مردِ آہن

چلچلاتی دھوپ میں ریگستانوں کے طویل سفر کی صعوبتیں جھیلنے کے بعد کسی ہرے بھرے درخت کے گھنے سائے میں بیٹھ کر مسافر کو جو سکون آتا ہے، اس کا اندازہ ہم حکیم رازؔی صاحب کے مطب میں بیٹھ کر لگا سکتے ہیں۔ بے شک ان کا وجود ہمارے ہی لیے کیا ہر اُس شخص کے لیے ایک سرسبز و شاداب اور سایہ دار درخت کی حیثیت رکھتا ہے جو ان کے پاس کسی بھی غرض سے آتا ہے۔

حکیم صاحب سے میری ملاقات جولائی ۱۹۷۹ء میں ہوئی تھی، وہ مبارک دوپہر کی مبارک ساعت آج بھی ایک خوش نما منظر کی طرح میری آنکھوں کے البم میں سجی ہوئی ہے، جب اپنے دل میں ہزاروں وسوسے، لاکھوں بدگمانیاں اور بے شمار خوف و ہراس کے طوفان دبائے، میں ان کے مطب میں حاضر ہوا تھا۔ اس وقت شدید گرمی کا موسم تھا، مجھے پسینے میں شرابور دیکھ کر ان کے ہونٹوں کے کنارے سے تبسم کی لہریں ٹکرا گئیں، میں نے سلام کیا، انھوں نے جواب دے کر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں اپنے آپ کو سمیٹ کر انتہائی محتاط انداز سے مطب کے ایک کنارے بیٹھ گیا۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب ہفت روزہ 'گونج' (نظام آباد) کے ادبی ایڈیشن کے لیے ہر ماہ، میں پونہ کے شعرا کا تعارفی خاکہ لکھا کرتا تھا۔ ایک دن اچانک مجھے خیال آیا کیوں نہ اس شخص سے بھی مل لیا جائے جس کے بارے میں پندرہ سال سے میں صرف غلط افواہیں ہی سنتا آیا ہوں؛ 'حکیم رازؔی بے مروّت ہیں'، 'گالیاں دیتے ہیں'، 'اپنا ثانی نہیں رکھتے'، 'ان کی رائے سے اتفاق نہ کرنے والوں کو وہ اپنے مطب سے اٹھا دیتے ہیں' وغیرہ وغیرہ۔

اپنی محتاط طبیعت کے باعث میں نے کبھی ان افواہوں کی تصدیق کرنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ ہفتہ عشرہ میں جب بھی ان کے مطب کے سامنے سے گزر ہوتا وہاں رکنا تو کجا، سائیکل کی

رفتار کو مزید بڑھا کر گزر جانے ہی میں عافیت سمجھتا۔ مشاعروں اور نشستوں میں ان سے ملاقات کا تصور ہی غلط تھا۔ نہ ان کو مشاعروں سے رغبت تھی نہ میں اس میدان کا شہسوار۔ البتہ اردو اخبار 'انقلاب' کے ادبی گوشے میں گاہ بہ گاہ ان کی غزلوں سے مستفیض ہونے کا شرف حاصل ہوجایا کرتا تھا۔

پندرہ سال کے عرصے میں پونہ کے کسی بھی شاعر کے منہ سے حکیم صاحب کی تعریف نہیں سنی۔ ہر کسی نے ان کی تلخ گوئی اور ترش روی کی شکایت ہی کی اور میرے دل میں ان کے تئیں ایک انجانے خوف کا ہیولیٰ پرورش پاتا رہا، لیکن آج جب پہلی ہی ملاقات پر انھوں نے جس اپنائیت، خلوص اور بے ساختگی سے مسکرا کر میرا استقبال کیا تو میرا سارا خوف یک لخت دور ہوگیا...... چند لمحے خاموشی سے گزر گئے۔ میں بھی چپ رہا، وہ بھی خاموش رہے، میں نے سبقت کی۔ جب انھوں نے میرا مدعا سنا تو کسرِ نفسی سے کام لیتے ہوئے انکار کیا۔ میں نے ضد کی تو وہ مان گئے اور اپنی بیاضِ شعر میرے حوالے کردی۔ میں اشعار منتخب کرنے لگا اور وہ ایک مریض کو دوا دینے میں لگ گئے۔ مریض کے جانے کے بعد میں نے چند سوالات کیے۔ انھوں نے عجز و انکساری سے جواب دیے۔ جب میں مطمئن ہوگیا تو رخصت چاہی۔ انھوں نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے روک دیا اور مطب سے اٹھ کر ننگے پاؤں سبک روی سے ریڈیو ہوٹل کی جانب دوڑنے لگے۔ مطب سے اٹھ کر ننگے پاؤں دوڑنے میں جو والہانہ پن اور جذبۂ خلوص جھلک رہا تھا اس سے میں نے فوراً یہ اندازہ کرلیا تھا کہ یہ عمل کسی عظیم شخصیت کا ہی ہوسکتا ہے۔ ہوٹل سے واپسی پر چائے کا کپ ان کے ہاتھوں میں تھا۔ چائے نوشی کے دوران میرا ذہن اُتھل پتھل ہونے لگا، میں سوچنے لگا۔ کیا یہ وہی حکیم رازیؔ ہیں جن کے متعلق غلط افواہوں کا زہر میرے کانوں میں گھولا گیا تھا۔ ہمارے یہاں ایک رواج یہ بھی ہے کہ جب ہم کسی کے اعلیٰ کردار کی بلندیوں تک نہیں پہنچ سکتے تو شخصیت کشی کو اپنا وطیرہ بنا لیتے ہیں۔ لوگوں کی اچھائیاں جب ہماری آنکھوں میں چبھنے لگتی ہیں تو ہم خاک اُڑانے لگتے ہیں، اپنے چہرے کی خراشیں مٹانے کے بدلے ہم آئینے کو منہ چڑھانے لگتے ہیں۔ یہ غیر منصفی عمل وقتی طور پر ہماری انا کی تسکین کا باعث ضرور بن سکتا ہے لیکن جب سچائی سامنے آتی ہے تو ہمیں خجل ہونا ہی پڑتا ہے۔

مجھے اس بات کا افسوس ہوا کہ ایک مخلص، مہربان اور مشفق بزرگ کی مجلس سے میں اب تک محروم رہا، صرف ایک وقت کی ملاقات نے پندرہ برسوں کی ذہنی آلودگی کو دور کردیا، مجھے یوں لگا جیسے ہم دونوں میں برسوں کا تعلق رہا ہو۔ چائے کے بعد اجازت لے کر چلا آیا۔ دوسرے روز حکیم

صاحب سے اپنی ڈرامائی ملاقات کی داستان جب دلدآر ہاشمی کو سنائی تو وہ حیرت سے مجھے دیکھنے لگے جیسے میں حکیم صاحب کی بجائے کسی الف لیلوی کردار سے ملاقات کا حال بیان کر رہا ہوں لیکن میری سنجیدگی دیکھ کر انھیں میری باتوں پر یقین آ گیا۔

اس کے بعد دلدآر ہاشمی، سیّد آصف، رشید اعجاز، ابراہیم آمر، مشتاق مدنی، راج ٹھاکر اور مشتاق عرب بھی دھیرے دھیرے حکیم صاحب کے مطب میں آنے لگے اور حکیم صاحب کا مخلصانہ برتاؤ دیکھ کر سبھی متاثر ہوئے اور اردو کے مجاہدوں کا ایک کارواں بنتا چلا گیا۔ پونہ کی ادبی زندگی میں بیداری کی لہر دوڑ گئی ۔

جب ہم ملے تو کتنوں کے چہرے اُتر گئے　　　ہم میں نفاق تھا تو بہت خوش تھے یار لوگ

کچھ دنوں کے بعد منظم طریقے پر کام کرنے کے لیے بزمِ اُردو کا قیام عمل میں آیا۔ حکیم صاحب صدر اور دلدآر ہاشمی نائب صدر منتخب ہوئے۔ بزمِ اردو ابھی مکمل متعارف نہیں ہوئی تھی کہ 'اسباق' کا ڈکلریشین آ گیا۔ یہ خوش خبری لے کر جب میں حکیم صاحب کے پاس گیا تو انھوں نے سب سے پہلے مجھ سے سوال کیا...... ''اسباق پر خرچ کرنے کے لیے تمھارے پاس کتنے پیسے ہیں؟''

میں نے کہا '' کچھ بھی نہیں۔''

میرا جواب سن کر وہ ایک زانو ہوکر بیٹھ گئے اور ڈکلیریشن فارم میرے ہاتھوں سے لے کر بڑے اعتماد بھرے لہجے میں کہا، ''انشاء اللہ سب انتظام ہوجائے گا۔''

اس کے بعد 'اسباق' کے لیے انھوں نے اپنا کاروباری سلسلہ (مطب) کچھ دنوں کے لیے بند کر دیا اور بمبئی، بھیونڈی، ناگپور، مالیگاؤں وغیرہ کا مسلسل سفر کیا۔ ہر نوعیت کی صعوبت جھیلی، ہر طرح کی مشکل سے نبرد آزما ہوئے، ہر در کو کھٹکھٹایا، ہر صاحبِ دل کو آزمایا اور خدا کا احسان ہے کہ اس تگ و دو میں انھیں ناکامی نہیں ہوئی۔ میرا خیال ہے کسی رسالے کے لیے اس کے نگراں اور سرپرست نے حکیم صاحب جیسی قربانیاں نہیں دیں۔

آدمی اچھائی اور برائی کا مرقع ہوتا ہے۔ حکیم صاحب میں بھی کچھ فطری برائیاں ہیں، مثلاً وہ فوری طور پر کسی سے متاثر نہیں ہوتے، محض تعلق بڑھائے رکھنے کے لیے غلط پالیسی نہیں اپناتے، لہجے میں بے باکی بدرجۂ اتم ہے، سچائی کا اظہار کڑوا ضرور ہے لیکن جب اس میں حکیم صاحب کا جلال اور غصہ شامل ہوجاتا ہے تو دوآتشہ ہوجاتا ہے۔

جوگندر پال نے ایک جگہ لکھا تھا ''آدمی کی کامیابی میں اس کی مسلسل جہد کارفرما ہوتی ہے، قسمت نہیں۔'' حکیم صاحب نے زندگی کے ہر گوشے میں قابلِ رشک کامیابی حاصل کی ہے۔ جہاں ایک طرف اپنی ازدواجی زندگی میں ایک فرض شناس شوہر کے ساتھ ساتھ ذمہ دار باپ کے فرائض کی انجام دہی سے وہ غافل نہیں رہے وہیں دوسری طرف ایک نباض حکیم اور دیدہ ور شاعر کے فرائض سے بھی وہ چشم پوشی نہیں برتتے۔ ان کے مخلص اور دردمند انسان ہونے میں قطعی دو رائے نہیں ہوسکتیں۔ کچھ دنوں مطب میں بیٹھ کر دیکھیے، ایسے ایسے حاجت مند اور مجبور لوگ آتے ہیں کہ خدا کی پناہ! لیکن کیا مجال جو حکیم صاحب کی پیشانی پر بل بھی آجائے۔ حتیٰ المقدور سبھی کے کام آتے ہیں۔

وہ طالب علمی ہی کے زمانے سے شعرگوئی کی طرف مائل ہیں۔ 'جلوۂ قمر' (قمر ایولوی کا شعری مجموعہ) میں شامل حضرتِ جوہر چاندوڑی صاحب (شاگرد علامہ محوی صدیقی لکھنوی) کے ایک مضمون کے حوالے سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ حکیم صاحب اڑتالیس سال سے شعر کہہ رہے ہیں یعنی دو سال بعد ہم ان کی ادبی خدمات کا پچاس سالہ جشن منا سکتے ہیں۔ وہ پیشہ ور خطاط نہیں لیکن فن خطاطی کے تمام اصولوں سے کماحقہ واقف ہیں۔ کتابت کی نزاکتوں اور باریکیوں کا عرفان رکھتے ہیں۔ ان کی مکتوب نگاری (خوش خطی کے اعتبار سے) قابلِ رشک ہوتی ہے۔ اچھے خط کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں۔ بدخطی ان کے مزاج پر گراں گزرتی ہے۔ زندگی کے دیگر امور میں بھی نفاست اور خوش سلیقگی کو ملحوظ رکھتے ہیں۔

روایتوں کے پاس دار، پرانی قدروں کے علم بردار، سادگی اور متانت کے فدائی، مہمان نوازی میں حاتمِ وقت، کتنی ہی ایسی خوبیاں ہیں جن کے سبب حکیم صاحب اپنے ہم عصروں میں ایک نمایاں مقام پر نظر آتے ہیں۔

حکیم صاحب نئی زندگی اور نئے ولولوں کو اپنے اندر جذب کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ وہ کسی بازی میں مات کھانا پسند نہیں کرتے۔ سخت اور پتھریلی راہوں سے دل برداشتہ ہوکر بیٹھ جانا ان کی فطرت سے بعید ہے۔ حالات سے نبردآزمائی کو وہ جزوِ ایمان سمجھتے ہیں۔ کٹھن سے کٹھن مراحل سے گزرتے وقت وہ اپنے اندر کے آدمی کو ٹوٹنے نہیں دیتے۔ اسی لیے ان کے چہرے پر مایوسی اور ناکامی کا شائبہ تک نہیں اُبھرتا۔

اسباق ٹرسٹ کے وہ صدر ہیں اور رسالہ 'اسباق' کے سرپرست ونگراں۔ چار سال کی قلیل مدت میں ان کی سرپرستی میں اُردو ادب کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں پونہ میں جو کام ہوا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ 'اسباق' اب ان کے لیے جزوِ حیات بن چکا ہے۔ 'اسباق' سے ان کی والہانہ محبت اور بے پایاں ایثار کو دیکھ کر یہ خیال گزرتا ہے کہ ہر رسالے کی حفاظت اور پشت پناہی کے لیے حکیم صاحب جیسی ہمالیائی شخصیت موجود ہو تو اُردو کا کوئی بھی رسالہ مر نہیں سکتا۔ 'اسباق' کے لیے حکیم صاحب کا وجود ایک 'مردِ آہن' کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کارواں کے وہ امیر ہیں اس میں عطاؔر مہر ذوالنہری، ایم یوسف ندیؔم (ایم اے، بی ایڈ)، عبد المنان راہیؔ ادیبی اور ایس ایم یوسف جواں حوصلہ اور جواں فکر حضرات بھی شامل ہوگئے ہیں۔ دلی دعا ہے کہ اُردو کا یہ کارواں حکیم رازؔی صاحب کی قیادت میں فتح و کامرانی کے علم لہراتا کامیابی کی منازل کو چھوتا رہے۔ آمین!

یکم جنوری ۱۹۸۵ء

ڈاکٹر عصمت جاوید - پرنسپل شولاپور ایسوسی ایشن آرٹس اینڈ کامرس کالج، شولاپور

حکیم رازؔی ادیبی

حکیم رازؔی کے دیوان کے عنوان 'سنگ و آہن' سے شاید قاری کو یہ گمان گزرے کہ شاعر نے گھن گرج، چیخ پکار، خون خرابہ، شور و شر اور کھوکھلے نعروں کو جمع کر کے یہ دیوان مرتب کیا ہوگا لیکن دیوان کے مطالعے سے اس کی غلط فہمی یا خوش فہمی دور ہو جائے گی کیونکہ ان اوراق میں اسے پھولوں کی لطافت بھی ملے گی اور سوز و گداز کی تہہ نشین موجیں بھی۔ البتہ شاعر کا دل معصوم غنچوں کو سنگ و آہن میں تبدیل ہوتا دیکھ کر تڑپ اُٹھتا ہے اور یہی تڑپ اظہار کی سطح پر کہیں کہیں سخت لہجہ بھی بن جاتی ہے لیکن اس سختی میں کھردراپن نہیں ہے بلکہ وہ ٹھہراؤ ہے جو زندگی کے عرفان سے حاصل ہوتا ہے۔ رویے کی یہ حقیقت پسندی اس کے لہجے میں کہیں بھی تلخی پیدا نہیں کرتی بلکہ وہ بصیرت عطا کرتی ہے جو اسے زندگی کا احترام سکھاتی ہے۔

نمودِ صبح جس نے دیکھ لی ہے رات سے پہلے
اسے معلوم ہے کیا عظمتیں ہیں زندگانی کی

ایک شعر میں رازؔی اپنی اصول پرستی اور حق گوئی کی نامقبولیت کی طرف اس طرح اشارہ کرتے ہیں۔

کوئی بھی ہو نہ سکا مل کے شادماں ہم سے
حقیقتوں کی یہ تلخی اصول کی سختی

ایک اور جگہ اپنی حق گوئی کی مخالفت پر حیرت کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

اپنے ہاتھوں میں لیے آپ جو پتھر آئے
رات کو رات کہا اس میں برائی کیا تھی

دیکھیے وہ اپنے مخالفین کے 'سکوتِ سخن شناس' کی توجیہہ کس پیارے انداز میں کرتے ہیں۔

غزل سن کر مری کچھ اہلِ محفل اس لیے چپ ہیں
کہ یہ سرکش نہ ہو جائے زیادہ داد پانے سے

انھیں اپنے جانِ محفل ہونے پر کس قدر اعتماد ہے کہ۔

رنگینیٔ محفل سب رہ جائے دھری ساقی　　　اُٹھ جائے اگر رازؔی منہ پھیر کے محفل سے

وہ اپنی اصول پرستی کے لیے ہر قسم کی سزا قبول کرنے کو تیار ہیں لیکن پہلے اپنا جرم معلوم کرنا چاہتے ہیں۔

ہر سزا مجھ کو گوارا ہے پر اس سے پہلے　　　مجھ سے کیا جرم ہوا مجھ کو بتاؤ تو سہی

ان کی غزلوں میں خودداری اور خود اعتمادی کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ حسن کے مقابلے میں عشق کی خودداری کی جو روایت حضرتِ جگؔر مرحوم نے قائم کی تھی، رازؔی بھی اس کے پیرو ہیں۔

یہ مانا کہ ہے حسن مغرور لیکن　　　یہ رازؔی بھی خوددار اپنی جگہ ہے

کبھی کبھی وہ مغرور حسن کے سامنے انکسار (بتصرف اُردو انکساری) سے بھی کام لیتے ہیں لیکن ان کا یہ انکسار بر بنائے خلوص ہوتا ہے، بر بنائے تملق یا بہ تقاضائے مصلحت نہیں، ایک شعر میں وہ اس حقیقت کی طرف کتنے لطیف پیرائے میں اشارہ کرتے ہیں۔

غرورِ حسن ذرا تو ہی فیصلہ کردے　　　مرا خلوص ہے یا میری انکساری ہے

جہاں ایک معیارِ نظر کا تعلق ہے یہ تو اپنے اپنے ظرف کی بات ہے۔

بات ساری نظر پہ ہے موقوف　　　ورنہ کانٹے بھی پھول ہوتے ہیں

لیکن شاعر کا معیار نظر بلند ہے اس لیے وہ حسن کے جلوؤں کو بھی آداب سکھاتا ہے۔ وہ حسن کو للکار کر کہتا ہے۔

جلوؤں کو بھی اپنے نئے آداب سکھادو　　　دل ڈھونڈ رہا ہے مرا معیارِ نظر اَور

ایک جگہ اور ارشاد ہوتا ہے۔

میری نگاہِ شوق کا معیار ہے بلند　　　جلوے ہر اک مقام پہ ارزاں ہوئے تو کیا

حکیم رازؔی نے شاعری کے کوچے میں عمر گزاری ہے۔ پونہ کی ادبی محفلوں، شعری نشستوں اور عوامی مشاعروں میں ان کی ہستی جانی پہچانی ہے۔ وضع قطع کے اعتبار سے وہ پونہ جیسے مقام پر یوپی کی قدیم تہذیب کا نمونہ اور ریش و بروت کے باعث خضرِ طریقت نظر آتے ہیں۔ اور خواہ مخواہ انھیں پیر کہنے کو جی چاہتا ہے۔

کوئی کچھ بھی کہے مگر اے دوست　　　ہم تو رازؔی کو پیر کہتے ہیں

تخلص کے اعتبار سے شریعت کے مردِ میدان امام فخر الدین رازیؔ سے اگر ان کو کوئی نسبت ہے تو صرف اتنی کہ تفسیر کبیر کے مصنف علی الرغم حکیم رازیؔ وارداتِ قلب کی تفسیریں زبانِ شعر میں بیان کرتے ہیں اور شریعت اور طریقت دونوں کو ہم پلّہ قرار دیتے ہیں ۔

شریعت کا اسرار اپنی جگہ ہے
محبت سرِ دار اپنی جگہ ہے

البتہ پیشے کے اعتبار سے ابوبکر رازیؔ سے انھیں نسبت ضرور ہے لیکن شاعری اور طبابت دونوں سے تعلق رکھنے کی بنا پر حکیم مومنؔ خاں کے زمرے میں آجاتے ہیں۔ مومنؔ 'یادِ ایام، عشرتِ فانی' کا شکار تھے۔ رازیؔ پیری میں بھی اپنے عشق کا بچپن نہیں بھولتے اور 'آغازِ اُلفت' کے مزوں کا ذکر اس طرح کرتے ہیں ۔

کتنی تھی بے باک تمنا
یاد ہے مجھ کو عشق کا بچپن

جوانی کی یہ جواں یاد انھیں پیری میں کس کس طرح پریشان نہ کرتی ہوگی ۔

حسن میں تم ہی بے مثال نہ تھے
ہم بھی یکتا تھے نوجوانی میں

انھیں یاد آتا ہے کہ وہ اپنے بانکپن کے باعث نہیں بلکہ اپنی وفا کیشی اور جنوں پروری کے صدقے میں حسینوں میں مشہور تھے، دل تو ایک ہی کافر سے لگایا ہوگا لیکن ان کی وفاداری اور جنوں خیزی بھی کس آن بان کی ہوگی کہ سارے حسینوں میں مشہور ہوگئے ۔

وفاؤں کی عنایت سے جنوں کی مہربانی سے
خدا رکھے بہت مقبول ہے رازیؔ حسینوں میں

وہ اس کافر حسینہ کو 'رات رانی' کہہ کر یاد کرتے ہیں ۔

دل مہکتا ہے آج بھی رازیؔ
کتنی خوشبو تھی 'رات رانی' میں

ماضی کی یہ سہانی یاد ان کے لیے سوہانِ روح بن جاتی ہے ۔

بیتے ہوئے لمحوں سے میں اب پوچھ رہا ہوں
کس جرم کی رازیؔ کو سزا دے کے گئے ہو

یادوں کا یہی سرمایہ ان سے معاملہ بندی کے ایسے اشعار بھی کہلواتا ہے جو یا تو جوانی میں ممکن ہیں یا پھر ان جوان یادوں کی تخلیق ہو سکتے ہیں جو ماضی کو حال کی شکل عطا کرنے کا کس بل رکھتی ہیں ۔

آؤ میری آڑ میں بیٹھو
تم کو زمانہ دیکھ رہا ہے

اب تو خدارا آ بھی جاؤ　　　سورج رستہ دیکھ رہا ہے

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ رازؔی کی شاعری میں یہ چنچل پن ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ ان کے کلام میں بے پناہ سوز و گداز بھی ہے جو عشق کو برتنے سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ عشق کی عظمت کا قوی احساس رکھتے ہیں۔

بات یہ خام خیالوں سے سنی ہے میں نے　　　کام دنیا میں نہیں عشق سے آساں کوئی

جب 'ولے افتاد مشکلہا' کی منزل آتی ہے تو بوالہوسوں سے زخمِ جگر چھپانا بھی پڑتا ہے۔

پوشیدہ رکھو زخمِ جگر بوالہوسوں سے　　　گفتارِ زمانہ نمک آمیز بہت ہے

عشقِ حقیقی کی اس سے بہتر تفسیر اور کیا ہوگی۔

جنوں کو دار نے آواز دی ہے　　　کہ تیرے پیار نے آواز دی ہے

عشق تو قربانی چاہتا ہے۔

وقت کے ساز پہ گانا تو کوئی بات نہیں　　　نغمۂ زیست سرِ دار سناؤ تو سہی

عشقِ مسلسل آہ و زاری کا نام ہے۔ روتے روتے جب آنسو خشک ہوجاتے ہیں اور مزید رونے کے لیے عاشق کے پاس دو اشک بھی باقی نہیں رہتے تو اسے ایسے عالم میں اپنی بے سروسامانی کا کس قدر شدید احساس ہوتا ہے۔

ہم تو دو اشک بہانے کو ترس جاتے ہیں　　　عشق میں یوں بھی نہ ہو بے سروساماں کوئی

جب آنکھیں روتے روتے خشک ہوجاتی ہیں تو شاعر اپنے دل پر الزام لگاتا ہے کہ سوزِ تمنا میں کمی آ گئی ہے۔

دل میں ضرور سوزِ تمنا ہے کم ابھی　　　ہوتی نہیں ہے آنکھ جو راتوں کو نم ابھی

مندرجہ ذیل اشعار میں ہلکی ہلکی ٹیس اور سوز و گداز کی تہہ نشیں موجیں تلاش کیجیے۔

کون سنے پھر دل کی کہانی کون سراپا گوش رہے
ہم کہہ کر پچھتائے ہمیشہ تم سن کر خاموش رہے
کچھ دن سے وہ خاموش سا کیوں رہنے لگا ہے
اس بات پہ بھی تم نے کبھی غور کیا ہے

ایوارڈ

ادیب لائبریری

جوہر پرائمری اسکول

انجمن کاروانِ ادب

آزاد نگر، مالیگاؤں

شہر کی درج بالا ادبی و تعلیمی تنظیموں کی جانب سے
محترم جناب حکیم رازی ادیبی اشرفی پونہ کوان
کی طویل ادبی خدمات کے اعتراف میں پاسبانِ ادب
کا خطاب مرحمت کیا گیا۔ ۲۹ر ستمبر ۱۹۸۵ء

سرپرست	صدر	سیکریٹری
حضرت ادیب مالیگانوی	سیٹھ الحاج محمد ہارون عثمان غنی	مختار احمد شیخ
قصر الادب مالیگاؤں	زون سائزنگ مالیگاؤں	بی۔ کام۔ ایل ایل بی (ایڈوکیٹ)

نہ اب وہ سوز ہے دل میں نہ آنکھ میں آنسو
دعائیں مانگی تھیں کب درد میں کمی کے لیے

جس ناتواں کے سینے میں صدیوں کا گھاؤ تھا
حال اس کا پوچھنے کی نہ زحمت کسی نے کی

سوزِ دل کس کا ہے، یہ دیدۂ نم کس کا ہے
دل تو مفلس تھا اُسے جو بھی ملا تم سے ملا

چڑھتے دریا اُتر گئے ہوتے
شرحِ غم ہم جو کر گئے ہوتے

لہو کا رنگ گہرا کر رہا ہوں
شفق کا رنگ پھیکا ہورہا تھا

جنابِ رازؔی گزشتہ خاک نشینوں کی یادگار ہیں، قدیم تہذیبی قدروں کی دل سے پرستش کرتے ہیں۔

پرانی طرز کے اب تک ایاغ ہیں محفوظ
نظامِ میکدہ قائم یونہی خدا رکھے

ان کی نگاہیں ان جیالوں کو ڈھونڈتی ہیں جن میں عاشق جانباز کا رنگ تھا۔

کہاں گئے بصد اصرار بیچنے والے
ترے اشارے پہ جانِ عزیز جیسی شئے

عصر حاضر کی علمی اور سائنسی ترقی ان کی نظر میں نتیجے کے اعتبار سے بمنزلۂ جہالت ہے۔

جہاں پر علم کا چرچا بہت ہے
وہیں چھڑتی ہے رازؔی جہل کی بات

علم کی اس فراوانی نے انسان سے عقیدہ کی دولت چھین لی ہے اور وہ اپنے افکار کے خم و پیچ میں ایسا اُلجھا ہے کہ خود اپنی ذات پر سے اس کا ایمان اُٹھ گیا ہے۔

اُلجھا لیے ہیں ہم نے خیالات کس طرح
اپنے وجود پر بھی بھروسہ نہیں رہا

یہ انسان کی سخت جانی ہے جو ایسے پُر آشوب زمانے اور زہریلے ماحول میں بھی جی رہا ہے۔

زہر پی کر بھی جی رہا ہے ابھی
آدمی اتنا سخت جاں کب تھا

علم و ہنر کی اس ترقی کے باوجود ساری دنیا سکون سے خالی نظر آتی ہے۔

پھر بھی محفل سونی سونی، پھر بھی ساغر خالی ہے
رہنے کو تو ابرِ سیہ بھی میخانہ بردوش رہے

وہ نئی دنیا سے مطمئن نہیں ہیں لیکن اس دنیا کے شعور و آگہی پر ان کا ایمان بھی ہے۔ وہ اسے گونگی بہری نہیں سمجھتے اس لیے چاہتے ہیں کہ ماضی اسے اک صدائے آخری دے کر اس کی رہنمائی کرے۔

نئی دنیا ہے ، یہ دنیا گونگی ہے نہ بہری ہے
اسے بھی خوں شدہ دل اک صدائے آخری دے دے
سبھی بکھرے نظر آتے ہیں ، اپنے ہوں کہ بے گانے
زمانہ کاش انھیں ماضی کا ربطِ باہمی دے دے

انھوں نے اپنے دَورِ ناموافق سے ایک انوکھی طلب کی ہے جس سے ان کے تاریخی شعور کا اندازہ ہوتا ہے۔ انھیں حال کی ماضیت کا گہرا شعور ہے۔ ماضی مرتا نہیں بلکہ حال میں زندہ رہتا ہے لیکن جب حال ماضی کے صالح عناصر پر عصری مطالبے حاوی کر دیتا ہے تو دَورِ ناموافق بن جاتا ہے۔ رازؔی چاہتے ہیں کہ حال انھیں چھپے ہوئے حالات کو از سرِنو منظرِ عام پر لائے اور اس کے اندر چھپی ہوئی ان قدروں کو پھر سے زندہ کر دے جن سے قدیم آسودہ و پُرامن زندگی عبارت تھی۔ یہ صرف ماضی پرستی نہیں ہے بلکہ عصری حسّیت کا وہ پہلو ہے جو نئی نسل کے شعور میں ابھی نہیں اُبھرا ہے۔

انوکھی ہے طلب میری یہ دَورِ ناموافق سے
چھپا رکھا ہے جن حالات کو اب تک وہی دے دے

مومنؔ نے اپنے دھندلے شعور کی سطح پر انقلاب کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے کہا تھا۔

اے حشر جلد کر تہہ و بالا زمین کو گر کچھ نہیں اُمید تو ہے انقلاب میں

مومنؔ کے بعد زمانے نے کئی انقلاب دیکھے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ایک تہذیب کا خاتمہ ہوا۔ جاگیرداری نظام کی جگہ سرمایہ داری نے لی۔ ہندوستان میں صنعتی انقلاب کے لیے زمین ہموار ہوئی، نئے نئے معاشی فلسفے آئے اور اپنا تماشہ دِکھا کر چلے گئے۔ رازؔی بھی محسوس کرتے ہیں کہ زمانہ تبدیل ہونے کے لیے بے قرار ہے لیکن انقلاب برائے انقلاب کے قائل نہیں بلکہ ایسا انقلاب چاہتے ہیں جس میں بانکپن ہو۔

دنیا بہت ہے کروٹیں لینے کو بے قرار اے انقلاب تجھ میں کوئی بانکپن بھی ہے

غرض 'سنگ و آہن' کی غزلوں میں تاریخی شعور بھی ہے، عصری آگہی بھی، شوخی بھی ہے، سنجیدگی بھی، تخیل کی بلندی بھی ہے، جذبات کی بالیدگی بھی۔ وہ گرد و پیش کے حالات سے باخبر بھی ہیں۔ دَورِ حاضر کے بارے میں انھوں نے بہت سے اشعار کہے ہیں لیکن چونکہ ان کے اشعار میں

اندازِ بیان راست ہے اس لیے وہ غزل کے آرٹ سے جو ایمائیت کا متقاضی ہے میل نہیں کھاتے اور غزل کی داخلیت کو مجروح کرتے ہیں، میں نے ایسے اشعار کے حوالے سے گریز کیا ہے جن کا خارجی رنگ نمایاں ہے لیکن جہاں جہاں انھوں نے خارجی حالات کو قلبی واردات بنا کر پیش کیا ہے وہاں ان کا لہجہ منفرد معلوم ہوتا ہے۔ 'سنگ و آہن' کی اکثر غزلیں مشاعروں کے لیے لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ رازؔی نے ان زمینوں میں بھی ہل چلایا ہے جنھیں بقول انیسؔ اگلے زمیندار اُٹھا چکے ہیں۔ اس لیے گھبرا کر وہ اس بات کا اعتراف بھی کرتے ہیں کہ اساتذہ نے شاعری کے لیے مضامین باقی نہیں رکھے ؎

اساتذہ نے نہ چھوڑا کوئی تخیل بھی — کہاں سے لائیں مضامین شاعری کے لیے

اسی لیے وہ کبھی کبھی غزل کی ردیف سے استادانہ اور ماہرانہ انداز میں کھیلنے لگتے ہیں اور اہلِ مشاعرہ سے داد لوٹ لیتے ہیں۔ مثلاً ایک غزل کی ردیف ہے ''لگے'' جیسے آنے لگے، پچھتانے لگے۔ دیکھیے رازؔی صاحب اس ''لگے'' سے کیسا فائدہ اُٹھاتے ہیں ؎

دیکھنا ہے شیخ اب کیوں کر بچے — راہ میں ہر سو ہیں میخانے لگے

اسی طرح ایک غزل کی ردیف ہے ''کر رہا ہوں'' ...... گہرا کر رہا ہوں، پھیکا کر رہا ہوں وغیرہ لیکن ایک شعر میں وہ فعل 'کر' کو معطوف میں اس طرح بدل دیتے ہیں کہ اہلِ محفل پھڑک اُٹھتے ہیں ؎

حقیقت عشق کی پا کر رہا ہوں — میں اِس گتھی کو سلجھا کر رہا ہوں

لیکن یہ صرف ہنرمندی ہے شاعری نہیں۔ رازؔی نے جہاں بھی اس قدیم حصار سے باہر نکلنے کی کوشش کی ہے ان کی غزلیں نیا رنگ و آہنگ اختیار کرتی ہیں۔ یہ تو دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ رازؔی نے اُردو غزل کو نئی سمت و رفتار دی ہے البتہ اُردو غزل کے امکانات کو بروئے کار لانے میں ان کا بڑا ہاتھ ہے۔ ان کی اکثر غزلوں میں قدیم علامات بکثرت پائی جاتی ہیں جو اپنی تاثیر کھو چکی ہیں۔ رازؔی کا کمال یہ ہے کہ ان پابندیوں میں رہ کر بھی اظہار کی آزادی حاصل کر لیتے ہیں اور اپنے دل کی بات منفرد انداز میں کہہ جاتے ہیں۔ انھوں نے چھوٹی چھوٹی بحروں میں نہایت عمدہ غزلیں کہی ہیں۔ جن میں فکر کی گہرائی بھی ہے، نئی پیکر تراشی بھی۔

رازؔی کو اُردو زبان سے پیار ہے۔ اُردو کی حمایت میں انھوں نے کئی شعر کہے ہیں لیکن ان

میں شاعری نہیں صرف ٹھیٹ بیانیہ انداز ہے۔ البتہ ایک شعر میں وہ اُردو زبان سے اپنی محبت کا اظہار بالکل انوکھے انداز میں کرتے ہیں۔ اس شعر میں غزل کا مزاج (گو قدیم سہی) بھی باقی ہے۔ اندازِ بیان کی شوخی بھی قائم ہے اور اس کا مجموعی تاثر طنز کی تلخی کی شکل میں اُبھر کر آتا ہے۔

مرے نقشِ تمنا کو بھی وہ اُردو زباں سمجھے مٹانا چاہتے ہیں صورتِ حرفِ غلط اس کو

مجھے یقین ہے کہ اگر اُردو ادب کو اچھے اچھے شاعر اسی طرح ملتے رہے تو اُردو کبھی بھی سیاست کی بھینٹ نہیں چڑھ سکتی۔ لیکن مستقبل کی کسے خبر۔ سوال اُردو ادب کی زندگی کا نہیں، اُردو زبان کی زندگی کا ہے۔ ہندوستان میں اُردو کا مستقبل اگر کوئی بتا سکتا ہے تو خود اس کا مستقبل۔ مجھے یقین ہے کہ اُردو زبان و ادب سے محبت رکھنے والے رازؔی صاحب کے شعری مجموعے 'سنگ و آہن' کو اپنے ذاتی کتب خانے کی زینت بنانے پر مجبور ہوں گے۔

۲۵ اگست ۱۹۸۲ء

ناوکؔ حمزہ پوری

کرشمہ دامنِ دل می کشد .....

حضرتِ حکیم رازؔی مدظلہ العالی کے مجموعۂ کلام 'سنگ و آہن' کا اشتہار 'اسباق' میں نظر سے گزرا تھا۔ نام سن کر یوں لگا تھا کہ 'لو، یہ حضرت بھی ہاتھ سے گئے!' موجودہ دَور کی فیشنی اُچھل کود کی ہوا انھیں بھی لگی ...... وہ جو کہاوت ہے نا کہ ''بن مانگے موتی ملے، مانگے ملے نہ بھیک۔'' سو حکیم صاحب اب سے تین چار سال قبل مجھے ایک دن بن مانگے مل گئے۔ دیکھا نہ میں نے انھیں ہے نہ انھوں نے مجھے، ہاں ایک دوسرے کی تصاویر رسالے والوں کی مہربانی سے دیکھی ہیں لیکن تعلقِ خاطر کچھ ایسا ہوا کہ تقریباً ہم عمر ہونے کے باوجود میں انھیں اپنا بزرگ جانتا ہوں اور وہ نظرِ کرم مجھ پر رکھتے ہیں۔ تو اس تعلقِ خاطر کی وجہ سے حکیم صاحب کی شخصیت کو جس حد تک میں نے جانا اور سمجھا تھا اس کے پیشِ نظر ان کے مجموعۂ کام کا نام گل وغنچہ، نسیم سحر، مشک وعنبر وغیرہ سننے کی اُمید رکھتا تھا لیکن 'سنگ و آہن' سنا تو مایوسی ہوئی۔ نام سے ایک طرح کی کرختگی کا احساس ہوتا تھا۔ نام بدلنے کا مشورہ دے نہیں سکتا تھا۔ رو دھو کے صبر کرلیا تھا ...... خدا کے فضل و کرم سے وہ دن بھی آیا کہ سنگ و آہن کی زیارت نصیب ہوئی۔ حیرت ہوئی، دیر تک استعجاب کی کیفیت طاری رہی۔ وہ جو کسی نے کہا ہے نا کہ ''کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں۔'' سو کبھی ہم کتاب کے سرِ ورق کے آرٹ کو دیکھ کر رشید صاحب کے اعجاز پر سَر دھنتے تھے اور کبھی پشت پر حکیم صاحب کی تصویر کو دیکھ کر دل و نگاہ کو روشن کرتے تھے۔ حیرت ہے تو اس بات پر ہے کہ الٰہی جس شخص کی کرامت سے 'سنگ و آہن' ایسی دیدہ زیب شکل اختیار کرسکتے ہیں، اگر اس کے ہاتھوں میں گل وغنچہ ہوں تو اُن کی لطافت ونزاکت کا کیا عالم ہوگا۔

اندرونِ کتاب ورق ورق اُلٹا، دیکھا بھالا، پڑھا، سمجھا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ مجموعۂ کلام کسی صوفی صافی کے سینے کی طرح صاف ستھرا ہے، کسی عارف باللہ کے قلبِ مطہر کی طرح پاکیزہ

ہے۔صفحہ صفحہ چومنے کو جی چاہے۔ ورق ورق پر سبحان اللہ کہنے کو زبان بے قرار ہو اُٹھے۔ زبان کی صفائی، سادگی، سلاست، روانی، سحر انگیز اندازِ بیان کی صداقت، راستی، دل کشی، تحیر خیز، نہ ابہام نہ اُلجھاؤ، سیدھی سچی کھری باتیں آنکھوں کی راہ سے دل میں اُتری جاتی ہیں اور یہ معیار ہر جگہ قائم ہے۔ ''کرشمہ دامنِ دل می کشد کی جا ایں جاست!''

جانتا ہوں۔ کچھ لوگ کہیں گے کہ رازؔی صاحب روایتی شاعر ہیں۔ اس کی پرواہ نہ مجھے ہے نہ رازؔی صاحب کو۔ صالح ادبی روایت کی پاس داری بھی ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ رازؔی صاحب ہماری ایک مخصوص تہذیبی امانت کے محافظ ہیں، نگہ دار ہیں اور پاسبان بھی، جزاہ اللہ خیر الجزاء۔

❋❋❋

مشتاق مدنی - مدیر اصول - پونہ

شعر و حکمت کا صوفیانہ سنگم، حکیم رازؔی ادیبی

ابتدائے آفرینش سے انسان اپنی شخصیت کی شناخت، فکر کی وسعت اور صلاحیتوں کی جامعیت کا تمنائی رہا ہے۔ اپنی شخصیت کے فنی اخراج کے لیے کوشاں و سرگرداں رہا ہے۔ اس کے خاکی وجود میں "مَنْ عَرَفَ نَفْسَہ" کی ایک ایسی نوری چنگاری قسامِ ازل نے رکھ چھوڑی ہے جو آفاقی شعلہ بننے کے لیے ہر لحظہ بے قرار و بے چین رہتی ہے اور اپنی زندگی کے مختلف و متضاد شدائد کو جھیل کر بھی انسان اس چنگاری کو بجھنے نہیں دیتا کہ یہ اس کے وجود کے بہت گہرے اور کنڈا لنی شکتی کی طرح کنڈلی مارے بیٹھی رہتی ہے اور جیسے جیسے انسان کے فنی ریاض و مجاہدت میں شدت آتی جاتی ہے یہ دھیرے دھیرے اس کے ذہن و دل کی جانب بڑھتی رہتی ہے یہاں تک کہ اپنے فنی ریاض و مجاہدت کے کلائمکس پر انسان اس روشنی میں نہا جاتا ہے جسے صوفیانہ اصطلاح میں "فقد عرف ربہ" سے موسوم کیا گیا ہے۔

دنیا کا کوئی انسان کسی عہد میں بھی یک رخی نہیں رہا ہے۔ اس کی شخصیت اس کے مزاج اور اس کی فطرت میں اتنے ہی رنگ دکھائی دیں گے جتنے خود زندگی کے چہرے! مگر چونکہ اسے اپنی انفرادی شناخت کو قائم و مسلسل رکھنا ہے اس لیے لاشعوری طور پر وہ کسی ایک رنگ یا رُخ کو اپنی ذات کا غالب (Dominating) رُخ بنالیتا ہے اور دنیا اسے اسی حیثیت سے جانتی اور پہچانتی ہے۔

حکیم رازؔی ادیبی کی شخصی شناخت بھی صرف حکمت کے حوالے سے ہے۔ مگر اس حکیم باصفا میں شعر و ادب کی لطیف لہریں ہمہ وقت موجزن رہتی ہیں۔ شعر رازؔی کو روٹی نہیں دے سکتا، مگر حکیم رازؔی کو روحانی اور وجدانی کیف و سرور کی ان لذتوں سے ضرور ہم کنار کرتا ہے جس کے نتیجے میں حکمت کا پیشہ، محض پیشہ نہ رہ کر اس آفاقی جذبۂ خدمت و احسان میں تبدیل ہو جاتا ہے جس کے بغیر نہ انسان کی تکمیل ممکن ہے نہ انسانیت کی۔ کہنے کو ان کا مطب چھوٹا سا ہے محض ۵ × ۵ فٹ! مگر

دیدۂ پونہ نے وہ دن بھی دیکھے ہیں جب یہ چھوٹا سا مطب پورے شہر کا گویا دل بن گیا تھا۔ وہ زمانہ ماہنامہ 'اسباق' کے اجراء وعروج کا زمانہ تھا۔ محض مقامی ہی نہیں بلکہ بیرون پونہ کے بھی جید جید شعراء، ادباء و دانشوران قلبِ شہر کی اس چوکھٹ پر حاضری دیتے تھے اور لذتِ کام و دہن کے ساتھ ساتھ لذتِ قلب وجگر سے بھی سرفراز ہوتے تھے۔ ان ہی دنوں حکیم رازؔی ادیبی نے ایک لاجواب مقطع بھی کہا تھا۔

منصور مزاجی کی بدولت یہ ہوا حال　　　اسباق نے رازؔی کو سرِ دار کیا ہے

اس مطب نے زمانے کے نہ جانے کتنے جھکڑ سہے، کتنے اُتار چڑھاؤ اور جوار بھاٹوں کے جھموں سے یہ گذرا ہے۔ شعری محفلیں، سماجی بحثا بحثی، ادبی کج بحثی کرتے شعراء و ادباء، جوق در جوق مریضوں کی قطار، مطب نہ ہوا کسی درویش کا آستانہ ہوگیا۔ یہاں ہر عمر اور ہر مزاج کے ملاقاتی کو گوہرِ مقصود و مراد ہمیشہ ہی میسر آیا ہے۔ حکیم رازؔی نے الگ الگ چہروں کے ساتھ زندگی کے مختلف و متضاد کردار بڑی مستعدی اور کامیابی سے نبھائے ہیں..... شوہر رازؔی، باپ رازؔی، حکیم رازؔی، استاد رازؔی، شاگرد رازؔی، مرید رازؔی، دوست رازؔی، ہمراز رازؔی، حلیم رازؔی، صابر رازؔی، نرم مزاج رازؔی، تند مزاج رازؔی، ایڈیٹر پرنٹر پبلشر رازؔی، بادۂ سخن سے سرشار رازؔی، ہزاروں اشعار کا حافظ رازؔی، کئی کتابوں کا خالق رازؔی، سینکڑوں رازوں کا امین رازؔی، تواضع کا سردار رازؔی، خرد کی منزلوں کا عقیل رازؔی، جنوں کی سرمستیوں کا فہیم رازؔی، ادبِ اُردو کا خادم رازؔی، متشاعروں کا مخدوم رازؔی، عالموں کا قدردان رازؔی، جاہلوں کے مقابل تلوار رازؔی، دانائے رازِ شریعت رازؔی، عاشقِ رموزِ طریقت رازؔی، نوجوانوں کے لیے چیلنج رازؔی، پیروں کے لیے تسکین رازؔی، اور ان سب سے الگ تھلگ اپنی دنیا میں مست بے خود و بے نیاز درویش رازؔی......!

رئیس الشعراء عتیق احمد عتیقؔ، حکیم رازؔی کے پہلے شعری مجموعہ 'سنگ و آہن' کی بابت لکھتے ہیں۔

آؤ میری آڑ میں بیٹھو　　　تم کو زمانہ دیکھ رہا ہے

'سنگ و آہن' کے صرف اس ایک شعر کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ بات اپنے پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ اس کے خالق کے یہاں ذہانت بھی ہے، تفکر بھی اور مشاہدہ بھی ...... اور یہ امر مسلمہ ہے کہ ان صفات سے جو شخص بھی متصف ہوا وہ فلسفی یا صاحبِ کشف و کرامات ہوا، ورنہ بدرجۂ ثانی اس کے اچھے شاعر ہونے میں تو کوئی کسر ہی نہیں رہ جاتی ......!

حکیم رازؔی کی شاعری کا فکری محور روایت پسندی سے جڑا ہے۔ وہ زندگی کی سابقہ اور صالح اقدار کو اپنی زندگی میں بنیادی اہمیت دیتے ہیں۔ اس لیے نہیں کہ وہ پرانے خیالات کے آدمی ہیں بلکہ اس لیے کہ انھیں اقدار پر رازؔی کا کل سرمایۂ شعر و حکمت ٹکا ہوا ہے۔ اور اسی اقداری سلسلے کو وہ فطرت سے قریب تر اور ترقی و بقائے انسانی کا جواز تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک ترقی کا عمل مسلسل جاری رہنا چاہیے مگر مزاجِ فطرت سے ہم آہنگ ہو کر! یہی وجہ ہے کہ رازؔی کی شاعری میں سادگی تو ہے مگر ادائے خاص کے ساتھ۔

جلوۂ جاناں کی یارو بس یہی معراج ہے ہوش بھی قائم رہا اور بے خودی بھی آ گئی

جانے کیا کیا رنگ لائے تیرے ہونٹوں کی لکیر
دیکھ میرے زخمِ دل پر تازگی بھی آ گئی
رازؔی ان کے لطف و کرم کی شان انوکھی دیکھی ہے
آنکھوں سے مل کر دل میں سمائے، نظروں سے روپوش رہے

کاشی سے کچھ امید نہ کعبے کی آس ہے بندہ نواز میرا خدا میرے پاس ہے

وہ اگر اپنے اشعار میں سادگی اور سلاست پر حکیمانہ انداز میں زور دیتے ہیں تو منہ کا مزہ بدلنے کے لیے طنز کے تیر چلانے میں بھی مضائقہ نہیں سمجھتے۔

حکیمو! بتاؤ وہ اکسیر کیا ہے قضا لوٹ جائے وہ تدبیر کیا ہے

حکیم رازؔی آزاد ہندوستان میں بھارت کی آزاد حکومت کے زیرِ نگرانی چلنے والے نظامِ عدل و قانون میں اپنے خالص 'مسلمانی' سراپے کے باعث جیل بھی گئے۔ مگر سنتِ حسرؔت موہانی سے منہ نہ موڑا۔

دلوں میں یہ نفرت یہ تحقیر کیا ہے؟ اہنسا کی بھارت میں توقیر کیا ہے؟
ہماری وفاؤں پہ مشکوک نظریں یہ اہلِ سیاست کی تقریر کیا ہے؟

حکیم رازؔی کو قریب سے جاننے والے، جانتے ہیں کہ ان کی شخصیت میں اگر کوئی چیز اپنی تکمیل کی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے تو وہ خالص 'مشرقیت' ہے اور مشرق کی روحانیت ہے۔ حکیم رازؔی کے ہر ہر قول و فعل میں مشرقیت سانس لیتی ہے۔ وہ ہر کام نہایت اہتمام اور پوری دل جمعی سے کرتے ہیں۔ اپنے مریضوں سے ان کا احوال اتنی اپنائیت سے دریافت کرتے ہیں جیسے کوئی شیخ اپنے ارادت مند پر توجہ کرتا ہے۔ اپنے استاد حضرت ادیبؔ مالیگانوی اور شیخ طریقت سرکارِ برہانپور شاہ

عبدالغفور کے تئیں ان کی عقیدت و احترام قابلِ رشک ہی نہیں، قابلِ تقلید بھی ہے۔ وہ اپنی شاعری کو فیضِ ادیبؔ اور مسرور و مطمئن اور قانع زندگی کو نوازشِ شیخ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اپنے شعری اور روحانی مسلک پر انھیں کامل اعتماد ہی نہیں، ناز بھی ہے۔ اُن کے دواوین میں جا بجا ایسے اشعار کثرت سے ملیں گے جو استاد و شیخ کی مدح میں خلوصِ دل اور کامل عقیدت کے ساتھ کہے گئے ہیں۔

کہتے ہیں لوگ رازیؔ بھی نکتہ شناس ہے
یہ سب اثر ہے فیض جنابِ ادیبؔ کا

یہ انھیں کا فیض ہے کہ شاعری بھی آ گئی
ہاتھ میں آیا ہے رازیؔ دامنِ فیضِ ادیبؔ

عطائے شیخ پہ نازاں ہوں کیوں نہ میں رازیؔ
رہِ نجات پہ چلنے کے گُر سکھائے مجھے

حکیم رازیؔ کے شعروں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شاعر محض دل دردمند ہی نہیں رکھتا بلکہ اس کی زندگی کا محور و منبع سیکڑوں سالہ تہذیبی روایتوں کا وہ نچوڑ ہے جسے نیاز مندی کہا جاتا ہے۔ رازیؔ ایک سچے مرید اور عاشقِ صادق کی طرح کامل نیاز مندی سے اپنے شیخ کی بارگاہ میں حاضری دیتا ہے۔ یہی رویہ رازیؔ کا اپنے استاد کی جناب میں ہے۔ اور یہی روش دیگر شعبہ ہائے حیات کے لیے مختص ہے۔ رازیؔ راہِ سلوک کا وہ سالک ہے جو اپنے صوفیانہ مسلک میں شاعری و حکمت کی آمیزش کمال نیازمندی سے حصولِ برکات کے لیے کرتا ہے اور ۷۵ سالہ زندگی کے موڑ پر بھی خود کو ایک سعادت مند طالب علم اور طالبِ سلوک کی طرح اساتذہ سخن، شیوخِ دین اور خدامِ ملت کے حضور پیش کرتا ہے۔ یہ نیاز مندانہ اور سعادت مندانہ طرزِ حیات ہی دراصل مشرقیت کا جزوِ اعظم اور روحانیت کا درسِ اول ہے جسے حکیم رازیؔ نے اپنا واحد اصولِ حیات بنالیا ہے۔ مگر تفہیمِ رازیؔ کے باب میں یہ حرفِ آخر نہیں کیونکہ

ابھی ہیں سیکڑوں پردے تکلم پر تبسم پر
سمجھنے کی طرح رازیؔ کو اہلِ دل کہاں سمجھے